

روزانہ درس قرآن

تفسیر

سورة محمد (مکمل)

سورة الفتح (مکمل)

سورة الحجرات (مکمل)

سورة ق (مکمل)

سورة الذریت (مکمل)

سورة الطور (مکمل)

سورة النجم (مکمل)

سورة القمر (مکمل)

سورة الرحمن (مکمل)

جلد ۱۷

افادامت: در حضرت مولانا صوفی عابد کحید سواتی دامہم
خطیب جامع مسجد نوشہ، گوجرانوالہ، پاکستان

طبع کیا جا

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

| | | |
|--------------------------------|-------|--|
| تمام کتاب | | معارف القرآن فی حدیث القرآن (سورۃ مائدہ اور احزاب تک) |
| اقتادات | | حضرت مولانا صوفی مہدی علیہ سوائی ظہیب چانچ مسجد نور کوثر انوار |
| مرتب | | الطابع اعلیٰ دینی لکھنؤ علوم اسلامیہ |
| نقوش | | ۵۲۸ صفحات |
| تعداد طبعیت | | پانچ سو (۵۰۰) |
| مردق | | سید الشہداء علیین حضرت شہداء علیین مدظلہ |
| کتابت | | محمد امین اللہ قادری کوثر انوار |
| ناشر | | کتبہ حدیث القرآن قادری گنج کوثر انوار |
| قیمت | | ۱۶۵ روپے |
| اکتوبر ۲۰۰۷ء بمطابق شوال ۱۴۲۸ھ | | |

نئے کے کچے

- (۱) کتبہ حدیث القرآن قادری گنج کوثر انوار
- (۲) کتبہ حدیث شریعہ مرکی مدظلہ
- (۳) کتبہ حدیث شریعہ مرکی مدظلہ
- (۴) کتبہ حدیث شریعہ مرکی مدظلہ
- (۵) کتبہ حدیث شریعہ مرکی مدظلہ
- (۶) کتبہ حدیث شریعہ مرکی مدظلہ
- (۷) کتبہ حدیث شریعہ مرکی مدظلہ
- (۸) کتبہ حدیث شریعہ مرکی مدظلہ
- (۹) کتبہ حدیث شریعہ مرکی مدظلہ
- (۱۰) کتبہ حدیث شریعہ مرکی مدظلہ

فہرست مضامین عالم العرفان فی درس القرآن جلد ۱

| صفحہ نمبر | مضامین | صفحہ نمبر | مضامین |
|-----------|---------------------------|-----------|--------------------------------|
| ۴۲ | کفار کے لیے جہنم | ۱۵ | پیش لفظ از محمد فیاض خان سواتی |
| ۴۲ | جہنم کے نشانات | ۲۱ | سورۃ محمد (مکمل) |
| ۴۳ | سورۃ کاکارہ | ۲۲ | درس اول (آیت ۱ تا ۲۱) |
| ۴۴ | درس چہارم (آیت ۱۲ تا ۱۵) | ۲۳ | نام اور کوائف |
| ۴۵ | رابط آیات | ۲۴ | سابقہ سورۃ کے ساتھ رابطہ |
| ۴۵ | سورۃ کے لیے جنت | ۲۴ | جہاد کا حکم |
| ۴۶ | کفار کا دنیا سے استفادہ | ۲۵ | راہ حق میں رکاوٹ |
| ۴۸ | ان نیت کی خدمت | ۲۸ | احمال کا شایع |
| ۴۹ | کھانے پینے کے آداب | ۲۹ | اہل و عیال کے لیے جہاد |
| ۵۰ | سابقہ اقوام کی جہاد | ۳۱ | درس دوم ۲ (آیت ۴ تا ۶) |
| ۵۱ | جنت کی نعمتیں | ۳۲ | رابط آیات |
| ۵۳ | دوزخ کی تعزیرات | ۳۲ | قانونی جنگ اور اس کی حکمت |
| ۵۴ | درس پنجم ۵ (آیت ۱۶ تا ۱۹) | ۳۳ | جنگ قیدیوں کا قانون |
| ۵۵ | رابط آیات | ۳۵ | جنگ نزدیک آزمائش |
| ۵۵ | مناہجین کا گروہ | ۳۶ | شہداء کے فضائل |
| ۵۷ | ہدایت یافتہ لوگ | ۳۸ | درس سوم ۳ (آیت ۱۱ تا ۱۴) |
| ۵۷ | قیامت کا انتظار | ۳۹ | رابط آیات |
| ۵۸ | عقوبت قیامت | ۳۹ | دین اسلام کی مدد |
| ۵۹ | درس چہارم | ۴۰ | نابت قدی |

| | | | |
|-----|-------------------------------|----|--------------------------------|
| ۸۲ | حلی شروع کر کے ترک کر دینا | ۶۰ | استغفار کی تعین |
| ۸۲ | درس پنجم ۹ (آیت ۲۳ تا ۲۸) | ۶۱ | حضرت یحیٰیؑ کی رحمت |
| ۸۵ | کفار کے لیے عدم معافی | ۶۲ | استغفار سے غیظان کی پاک |
| ۸۶ | ثابت قدمی کی تعین | ۶۳ | درس ششم ۶ (آیت ۲۰ تا ۲۳) |
| ۸۶ | دنیا بڑا تہہ پہر اور بسبب ہے | ۶۵ | رابطہ آیات |
| ۸۷ | ایمان اور تقویٰ | ۶۵ | حکم جہاد پر منافقوں کی حالت |
| ۸۷ | الطاف فی بیل اللہ | ۶۶ | اطاعت اور معروف بات |
| ۸۹ | اقوام کی تبدیلی | ۶۷ | جہاد سے گریز |
| ۹۱ | سورۃ الفتح (مکمل) | ۶۸ | حکمران کی ذمہ داری |
| ۹۲ | درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۳) | ۶۹ | بہرے اور گنگے لوگ |
| ۹۲ | نام اور کوائف | ۷۰ | درس ہفتم ۷ (آیت ۲۳ تا ۲۸) |
| ۹۳ | تاریکی پر منظر | ۷۱ | رابطہ آیات |
| ۹۴ | مضامین سورۃ | ۷۱ | صاحب اور لاد لڑائی کا مسئلہ |
| ۹۷ | فتح بین | ۷۲ | تدبیر فی القرآن |
| ۹۸ | عام معافی کی بشارت | ۷۳ | دین سے استقامت |
| ۹۹ | انعام نعمت | ۷۴ | منافقوں کی دوغلی پالیسی |
| ۱۰۰ | درس دوم ۲ (آیت ۱ تا ۷) | ۷۴ | سزا بوقت موت |
| ۱۰۱ | رابطہ آیات | ۷۶ | درس ہشتم ۸ (آیت ۲۹ تا ۳۲) |
| ۱۰۱ | نزول سکنت | ۷۷ | رابطہ آیات |
| ۱۰۳ | ارض و سماء کے منظر | ۷۷ | منافق کی پہچان |
| ۱۰۳ | اہل ایمان کے لیے انعامات | ۷۹ | مجاہدین اور صابریں کی آزمائشیں |
| ۱۰۳ | بھانٹے اہل اور خدمتِ خلق | ۸۰ | کفر کے اعمال کا ضیاع |
| ۱۰۶ | مشرکوں اور منافقوں کے لیے سزا | ۸۱ | اللہ اور رسول کی اطاعت |
| ۱۰۷ | اللہ تعالیٰ کے مشفق و مہربان | | |
| ۱۰۷ | خدا کی نظر | | |

| | | | |
|-----|--------------------------------|-----|------------------------------|
| ۱۳۴ | درس ششم (آیت ۱۸ تا ۲۳) | ۱۰۹ | درس سوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۰) |
| ۱۳۵ | رابطہ آیات | ۱۰۹ | رابطہ آیات |
| ۱۳۶ | اللہ کے رضا کا اعلان | ۱۱۰ | پیغمبر بطور شاہ |
| ۱۳۷ | خلق کے ارشاد کے ایمان کی شہادت | ۱۱۱ | رضائے الہی |
| ۱۳۸ | قریبی فتح | ۱۱۲ | پیغمبر بحیثیت بشر اور نذیر |
| ۱۳۹ | کفار کی ناکامی | ۱۱۳ | بیعت رضوان کی خصوصیت |
| ۱۴۰ | درس ہفتم (آیت ۲۴ تا ۲۶) | ۱۱۴ | بیعت کی اقسام |
| ۱۴۱ | شانِ نزول | ۱۱۵ | پیر کے اوصاف |
| ۱۴۲ | جنگ سے اجتناب | ۱۱۶ | شیخ عبد القدوس گنگوہی کا قول |
| ۱۴۳ | عدم تصادم کی مصلحت | ۱۱۸ | درس چہارم ۴ (آیت ۱۱ تا ۱۳) |
| ۱۴۴ | جاہلیت کی ہٹ دھرمی | ۱۱۹ | رابطہ آیات |
| ۱۴۵ | نزولِ سکینت | ۱۲۱ | واقعہ کا پس منظر |
| ۱۴۶ | درس ہشتم ۸ (آیت ۲۷ تا ۲۸) | ۱۲۱ | منافقین کی عید ساری |
| ۱۴۷ | واقعہ مدینہ کا خلاصہ | ۱۲۲ | منافقین کی ہنگامی |
| ۱۴۸ | نبی کا خواب | ۱۲۳ | معافی اور سزا کا قانون |
| ۱۴۹ | مسجد حرام میں داخلہ | ۱۲۴ | درس پنجم ۵ (آیت ۱۵ تا ۱۷) |
| ۱۵۰ | قریبی فتح کی خوشخبری | ۱۲۵ | رابطہ آیات |
| ۱۵۱ | اسلام کی دائمی فتح | ۱۲۸ | مالِ فقیہ کی بشارت |
| ۱۵۲ | مسلمانوں کا نزول | ۱۲۸ | منافقین کے لیے پابندی |
| ۱۵۳ | درس نہم ۹ (آیت ۲۹) | ۱۳۰ | آئندہ کے لیے وعدہ |
| ۱۵۴ | رابطہ آیات | ۱۳۱ | مسندوں کے لیے استشار |
| ۱۵۵ | رسالت کی گراہی احمدیہ کی جماعت | ۱۳۲ | اطاعت پر جنت کی بشارت |
| ۱۵۶ | مشاورت کی اہمیت | ۱۳۳ | دو گروہی پر سزا |

| | | | |
|-----|----------------------------|-----|------------------------------|
| ۱۸۸ | خاصی کے متعلق احکام | ۱۹۳ | صحابہ کرامؓ کے اوصاف |
| ۱۸۹ | اطاعتِ رسولؐ پر لزوم | ۱۹۵ | قورات اور انجیل کی عظمت |
| ۱۹۱ | درس چہارم ۴ (آیت ۱۰ تا ۱۱) | ۱۹۶ | کھیتی کے ساتھ تشبیہ |
| ۱۹۱ | رابطہ آیات | ۱۹۶ | اہل ایمان سے وعدہ |
| ۱۹۳ | معاذت کا ضابطہ | ۱۹۶ | سورۃ الحجرات (سکر) |
| ۱۹۴ | صحابہؓ میں اختلافات | ۱۹۷ | درس اول (آیت ۱) |
| ۱۹۶ | مناظرین کی قسمی | ۱۹۷ | نام محمد کو انھ |
| ۱۹۹ | درس پنجم ۵ (آیت ۱۰) | ۱۹۷ | سابقہ سورتوں کے ساتھ رابطہ |
| ۱۹۹ | رابطہ آیات | ۱۹۷ | مضامین سورۃ |
| ۲۰۰ | تفسیر کرنے کی ممانعت | ۱۹۷ | پیش قدمی کی ممانعت |
| ۲۰۱ | غرضِ طبعی کی ممانعت | ۱۹۷ | تقریبی بین غرضِ خدا |
| ۲۰۳ | عیب جوئی کی ممانعت | ۱۹۷ | درس دوم ۲ (آیت ۱ تا ۵) |
| ۲۰۴ | ایمان کے بد فرق | ۱۹۷ | رابطہ آیات |
| ۲۰۵ | درس ششم ۶ (آیت ۱۲) | ۱۹۷ | نبی کا ادب و احترام |
| ۲۰۵ | رابطہ آیات | ۱۹۸ | صحابہ کرامؓ کا صلہ |
| ۲۰۷ | ہنگامی کی ممانعت | ۱۹۸ | با ادب لوگوں کی تعریف |
| ۲۰۷ | سببِ گمان | ۱۹۸ | باہر سے آوازیں غیب کی ممانعت |
| ۲۰۷ | نجس کی ممانعت | ۱۹۸ | ادب و احترام کی مثال |
| ۲۰۷ | غیبت کی ممانعت | ۱۹۸ | درس سوم ۳ (آیت ۶ تا ۸) |
| ۲۰۷ | بعض مباحات | ۱۹۸ | رابطہ آیات |
| ۲۱۱ | مردہ بھائی کا گوشت کھانا | ۱۹۸ | حجراتِ اہل بیتؓ |
| ۲۱۲ | درس ہفتم ۷ (آیت ۱۳) | ۱۹۸ | معاذت کی تحقیق کا حکم |
| ۲۱۲ | رابطہ آیات | ۱۹۸ | آیت کا پس منظر |
| | | ۱۹۸ | جھوٹ کا وعدہ وعدہ |

| | | | |
|-----|--------------------------------|-----|-------------------------------|
| ۲۳۰ | درس دوم ۲ (آیت ۱۵ تا ۶) | ۲۱۳ | نیل نذاتی کی تخلیق |
| ۲۳۱ | رابطہ آیات | ۲۱۴ | غروب اور قبائل |
| ۲۳۲ | دلال قیامت (۱۰) آسمان کی تخلیق | ۲۱۵ | فخر کے لیے کی ممانعت |
| ۲۳۳ | (۱۲) لہجہ کا پیدائش | ۲۱۶ | رنگ و نسل کا امتیاز |
| ۲۳۴ | (۱۳) پہاڑ اور نباتات | ۲۱۷ | کفر کا مسئلہ |
| ۲۳۵ | (۱۴) پرشس کا نزول | ۲۱۸ | فاتحیات کی تقسیم |
| ۲۳۶ | پانی اور لہجہ کا شت ہے | ۲۱۹ | درجہ ششم ۸ (آیت ۱۲ تا ۱۸) |
| ۲۳۷ | بحث بعد الموت پر دلیل | ۲۲۰ | رابطہ آیات |
| ۲۳۸ | سابقہ اقوام کی تخریب | ۲۲۱ | ایمان کا مجموعہ |
| ۲۳۹ | درس سوم ۳ (آیت ۲۱ تا ۲۱) | ۲۲۲ | بچے ایمان اور دل کی علامات |
| ۲۴۰ | رابطہ آیات | ۲۲۳ | دیندار ہونے کا احسان |
| ۲۴۱ | وسوسہ نفسانی | ۲۲۴ | بعض قبائل کے نامباز و مطالبات |
| ۲۴۲ | قرب خاندانی | ۲۲۵ | سورۃ قی (مکمل) |
| ۲۴۳ | ہر قول و فعل کا ریکارڈ | ۲۲۶ | درس اول (آیت ۱ تا ۵) |
| ۲۴۴ | سکرات موت | ۲۲۷ | منازل قرآن |
| ۲۴۵ | بحث بعد الموت | ۲۲۸ | سورۃ قی کی فضیلت |
| ۲۴۶ | درس چہارم ۴ (آیت ۲۳ تا ۲۹) | ۲۲۹ | نام لکھوانٹ |
| ۲۴۷ | رابطہ آیات | ۲۳۰ | حرف و قی |
| ۲۴۸ | دوسرا مٹی فرشتہ | ۲۳۱ | قرآن کا قسم |
| ۲۴۹ | مشرک کی سزا | ۲۳۲ | رسالت پر تعجب |
| ۲۵۰ | شیطان کا اندک | ۲۳۳ | بحث بعد الموت پر اعتراض |
| ۲۵۱ | خدا تعالیٰ کا اعلیٰ فیصلہ | ۲۳۴ | احوال کی حفاظت کا نظام |
| ۲۵۲ | درس پنجم ۵ (آیت ۳۰ تا ۳۸) | ۲۳۵ | تخریب حق |

| | | | |
|-----|--|-----|----------------------------|
| ۲۹۲ | درج قیامت میں اختلاف | ۲۶۷ | رابط آیات |
| ۲۹۳ | متقین کے لیے انعامات | ۲۶۷ | ہَلْ يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ |
| ۲۹۴ | متقین کی صفات | ۲۶۸ | جنت کی قربت |
| ۲۹۶ | درس سوم ۲ (آیت ۱۹ تا ۲۳) | ۲۷۰ | جنت میں داخلہ |
| ۲۹۶ | رابط آیات | ۲۷۱ | مکریں کے لیے جہنم |
| ۲۹۶ | انسان کے مایہ حشر | ۲۷۲ | غزوہ فکک کا مقام |
| ۲۹۸ | سائل اور محرم | ۲۷۲ | خدا تعالیٰ شکارت سے پاک ہے |
| ۲۹۹ | زمینی نعمت کی نعمت | ۲۷۵ | درس ششم ۶ (آیت ۲۹ تا ۴۵) |
| ۳۰۰ | ذوق عالم بالا سے | ۲۷۶ | رابط آیات |
| ۳۰۱ | جہانے علی برحق ہے | ۲۷۹ | صبر کی تحفیں |
| ۳۰۱ | ایک عجیب واقعہ | ۲۷۷ | غذا اور تسبیح و تحمید |
| ۳۰۲ | گفتگو بطور دلائل | ۲۷۸ | درج قیامت اور مشر و نشر |
| ۳۰۵ | درس چہارم ۴ (آیت ۲۴ تا ۲۷) | ۲۸۰ | تسل کا حضور |
| ۳۰۶ | رابط آیات | ۲۸۲ | سورة الذریت (مکمل) |
| ۳۰۷ | جہانے علی کے سولی اٹھنے | ۲۸۲ | درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۶) |
| ۳۰۸ | ابن تیمیہ علیہ السلام کا تذکرہ | ۲۸۳ | نام اور کوائف |
| ۳۰۸ | ابن تیمیہ علیہ السلام کی طرف سے صحابہ کرام | ۲۸۳ | سابقہ سوئس کے ساتھ رابطہ |
| ۳۰۹ | مہمان نوازی کے آداب | ۲۸۵ | مضامین سورة |
| ۳۱۰ | ابن تیمیہ علیہ السلام کو تشویش اور بغاوت | ۲۸۶ | قسم کا بیان |
| ۳۱۱ | حضرت سیدہ زکریاؑ کی حیرانگی | ۲۸۶ | الذریت کی تشریح |
| ۳۱۲ | قوم لوط کے لیے عذاب | ۲۸۸ | درج قیامت اور جہانے علی |
| ۳۱۳ | اہل ایمان کا اخراج | ۲۹۰ | درس دوم ۲ (آیت ۷ تا ۸) |
| ۳۱۵ | درس پنجم ۵ (آیت ۳۸ تا ۴۶) | ۲۹۱ | جہان دار آسمان |

| | | | |
|-----|--------------------------|-----|------------------------|
| ۳۳۶ | عبادت سے مواضع کیوں | ۳۱۲ | رابط آیات |
| ۳۳۸ | کھار کے لیے برابری | ۳۱۴ | فرعون پر کی حرکت |
| ۳۳۹ | سورة الطور (مکمل) | ۳۱۸ | قوم عاد کا حال |
| ۳۴۰ | درس اول ۱ (آیت ۱۶۵) | ۳۱۹ | ہولڈی کے اثرات |
| ۳۴۱ | نام اور کوائف | ۳۲۰ | دفعہ عاد کا تذکرہ |
| ۳۴۱ | مضامین سورة | ۳۲۱ | قوم عاد کی تباہی |
| ۳۴۲ | قسم کا بیان (۱) طہ | ۳۲۲ | قوم ثمود کی تباہی |
| ۳۴۳ | (۲) کتاب مسطور | ۳۲۳ | قوم لوط کی غرقابی |
| ۳۴۴ | (۳) آیت المجدد | ۳۲۴ | درس ششم (آیت ۵۵۴) |
| ۳۴۴ | (۴) سقیت مرفوع | ۳۲۵ | رابط آیات |
| ۳۴۵ | (۵) بحر مجید | ۳۲۵ | آسمان کی تخلیق |
| ۳۴۵ | دفعہ طاب | ۳۲۶ | زمین کا فرش |
| ۳۴۸ | درس سوم ۲ (آیت ۲۸۴) | ۳۲۶ | ہر چیز کا جوڑا |
| ۳۵۰ | متقی کے لیے انعامات | ۳۲۷ | دعوت الی التوحید |
| ۳۵۱ | حدوں سے نکل | ۳۲۸ | انکار رسالت |
| ۳۵۲ | مذنبوں کی اورادیں | ۳۲۸ | نفس کا حضور |
| ۳۵۳ | اہل جنت کا خورد و نوش | ۳۲۹ | درس ختم (آیت ۶۰۴) |
| ۳۵۵ | اہل جنت کے لیے عطا کی | ۳۳۰ | رابط آیات |
| ۳۵۵ | اعتراف حقیقت | ۳۳۱ | مقصود خلق جہنمی |
| ۳۵۷ | درس سوم ۲ (آیت ۲۲۴) | ۳۳۲ | چار ضروری خصائص |
| ۳۵۸ | رابط آیات | ۳۳۳ | صحت عبادت کے لیے لائحہ |
| ۳۵۹ | کمانت اور دیوانگی کی نفی | ۳۳۳ | عبادت کا فائدہ |
| ۳۶۰ | شعری کی تردید | ۳۳۵ | رزق کی ذمہ داری |

| | | | |
|-----|----------------------------|--------------------|------------------------------|
| ۳۸۶ | چاندھری | ۳۸۳ | قرآن کے متعلق ہرگمانی |
| ۳۸۷ | دریت النبی | ۳۸۳ | خلاق اور مخلوق |
| ۳۸۹ | دریت عینی اور قلبی | ۳۸۳ | رحمت کے خزانے |
| ۳۹۱ | قلی کا بیان | ۳۸۳ | انکار کی دیگر وجوہات |
| ۳۹۲ | سابقہ درس کی بعض تصریحات | ۳۸۷ (آیت ۴۲ تا ۴۹) | درس چہارم ۴ (آیت ۴۲ تا ۴۹) |
| ۳۹۴ | درس سوم ۳ (آیت ۱۹ تا ۲۵) | ۳۸۸ | رابطہ آیات |
| ۳۹۵ | رابطہ آیات | ۳۸۸ | ترجمہ کا بیان |
| ۳۹۵ | تبرہ کی پچ سنش | ۳۸۹ | منکرین کی ہٹ دھرمی |
| ۳۹۶ | منکرین کے بے ہمت (۱) لات | ۳۹۱ | صبر کا نتیجہ |
| ۳۹۷ | (۲) عزریٰ | ۳۹۲ | قیح و تحمید |
| ۳۹۸ | (۳) انات | ۳۹۵ | سورۃ النجم (مکمل) |
| ۳۹۸ | لوگوں کی کسوٹی تقسیم | ۳۹۷ (آیت ۱ تا ۱۲) | درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۱۲) |
| ۴۰۱ | محض گمان کا ابتداء | ۳۹۷ | نام اور کوائف |
| ۴۰۲ | درس چہارم ۴ (آیت ۱۲ تا ۲۰) | ۴۰۰ | مضامین سورۃ |
| ۴۰۴ | رابطہ آیات | ۴۰۰ | اولیٰ بن عبیدہ کی حکومت |
| ۴۰۴ | فرشتوں کی سفارش | ۴۰۸ | سائے کی قسم |
| ۴۰۷ | منکرین قیامت کی محرومی | ۴۰۹ | آفتاب ختم نبوت |
| ۴۰۸ | صرف دنیا طلبی | ۴۱۰ | حضرت کی صداقت کی گواہی |
| ۴۰۹ | فکر معاد اور فکر معاش | ۴۱۲ | جبرائیل علیہ السلام کا تعارف |
| ۴۱۰ | گمراہی اور ہدایت | ۴۱۲ (آیت ۱۳ تا ۱۸) | درس سوم ۳ (آیت ۱۳ تا ۱۸) |
| ۴۱۲ | درس پنجم ۵ (آیت ۲۱ تا ۳۲) | ۴۱۴ | رابطہ آیات |
| ۴۱۲ | رابطہ آیات | ۴۱۵ | دریت جبرئیل ثانیہ |
| ۴۱۳ | جزائے عمل | ۴۱۵ | سورۃ النبی کی کیفیت |

| | | | |
|-----|------------------------------|-----|-------------------------------------|
| ۴۳۱ | شق القمر پر اعتراضات | ۴۱۳ | مہانی کا قانون |
| ۴۳۲ | قیامت کی نشانی | ۴۱۴ | خروستائی کی ممانعت |
| ۴۳۳ | سخت تہیہ | ۴۱۵ | درس ششم (آیت ۲۳ تا ۴۲) |
| ۴۳۴ | میدانِ محشر میں اجتماع | ۴۱۶ | رابط آیات |
| ۴۳۶ | درس سوم ۲ (آیت ۶۹ تا ۱۲۲) | ۴۱۷ | ایمان لانے میں سنگسار کی کامنڈا ہو |
| ۴۳۷ | رابط آیات | ۴۱۸ | ممانعت ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام |
| ۴۳۸ | قوم علیہ السلام نے آپ کی قوم | ۴۱۹ | پر جھڑپا اپنا |
| ۴۳۹ | قوم قوم کے لیے سزا | ۴۲۰ | ایصالِ ثواب کا مسئلہ |
| ۴۴۰ | قوم علیہ السلام کی کشتی | ۴۲۱ | کشتی کا پہل |
| ۴۴۱ | قرآن بطور نصیحت | ۴۲۲ | درس ہفتم (آیت ۴۳ تا ۶۲) |
| ۴۴۲ | قوم عاد کی ہلاکت | ۴۲۳ | رابط آیات |
| ۴۴۳ | درس سوم ۳ (آیت ۱۲۳ تا ۱۴۱) | ۴۲۴ | متن و چیزوں کا خاتم |
| ۴۴۴ | رابط آیات | ۴۲۵ | شعری تنکے کا پروردگار |
| ۴۴۵ | قوم ثمود کی ہلاکت و عمری | ۴۲۶ | نافرمان قوموں کی ہلاکت |
| ۴۴۶ | ارضیٰ بطور معجزہ | ۴۲۷ | رسالت کا بیان |
| ۴۴۷ | پانی کا تقسیم | ۴۲۸ | قیامت کی آمد |
| ۴۴۸ | قتلِ ناقہ پر عذاب الہی | ۴۲۹ | عبادت کا حکم |
| ۴۴۹ | قوم لوط پر عذاب | ۴۳۰ | سورة القمر (مکمل) |
| ۴۵۰ | قوم فرعون کی گرفت | ۴۳۱ | درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۸) |
| ۴۵۱ | درس چارم ۴ (آیت ۴۳ تا ۵۵) | ۴۳۲ | نام اور کرامت |
| ۴۵۲ | رابط آیات | ۴۳۳ | مناہین سورة |
| ۴۵۳ | کھدکھ کی شکست | ۴۳۴ | قیامت کا گھڑی |
| ۴۵۴ | آخرت کی سزا | ۴۳۵ | پانڈ کا پست حاد |

| | | | |
|-----|---------------------------|-----|-----------------------------|
| ۴۹۲ | دوستواری دریا | ۴۹۰ | مذہبِ تقدیر |
| ۴۹۳ | سوائی اور سونگے | ۴۹۰ | خلافتِ اہل کلا انتظام |
| ۴۹۳ | کشتیوں کی نعمت | ۴۹۱ | تقدیر کی تین قسمیں |
| ۴۹۶ | درس سوم ۲ (آیت ۲۶ تا ۳۶) | ۴۹۳ | متقین کی کامیابی |
| ۴۹۷ | رابطہ آیات | ۴۹۵ | سورة الرحمن (مکمل) |
| ۴۹۷ | خانہ اور باقی | ۴۹۶ | درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۱۳) |
| ۴۹۹ | سائل اور مسئول الہ | ۴۹۷ | نام اور کرامت |
| ۵۰۰ | شاہِ خداوندی | ۴۹۷ | مضامین سورة |
| ۵۰۱ | حساب کتاب کی منزل | ۴۹۸ | سابقہ سورة کے ساتھ رابطہ |
| ۵۰۲ | خلوق کی بے بسی | ۴۹۹ | خوامی سورة |
| ۵۰۳ | احقرض اور جواب | ۴۹۹ | انعامات الیہ |
| ۵۰۵ | درس چہارم ۳ (آیت ۳ تا ۵۵) | ۵۰۰ | قرآن بطور مجرّم |
| ۵۰۶ | رابطہ آیات | ۵۰۰ | قریب گریزی کی نعمت |
| ۵۰۶ | آسمان پھٹ جائے گا | ۵۰۱ | آفاتِ لعینیں |
| ۵۰۷ | مجرمین کی پہچان | ۵۰۲ | میزانِ علامت و عمل |
| ۵۰۸ | فنازی اور مژدن کی پہچان | ۵۰۳ | زمین کے فوائد |
| ۵۰۸ | حکیم اور بدکار کی پہچان | ۵۰۵ | درس دوم ۲ (آیت ۱۴ تا ۲۵) |
| ۵۰۹ | مجرمین کے لیے سزا | ۵۰۶ | رابطہ آیات |
| ۵۱۲ | درس پنجم ۵ (آیت ۲۶ تا ۶۱) | ۵۰۶ | تخلیقِ انسانی |
| ۵۱۳ | رابطہ آیات | ۵۰۷ | جنت کی تخلیق |
| ۵۱۳ | متقین کے لیے انعامات | ۵۰۸ | شاہ ولی اللہ کی حکمت |
| ۵۱۷ | پکیر و عورتیں | ۵۰۹ | عربی ادب میں تکرار کا اسلوب |
| ۵۲۰ | نیکی کا بدلہ نیکی | ۵۰۹ | مشرق و مغرب کا پیر و راز |

دہش ششم ۶ (آیت ۶۳ تا ۷۸)

رابطہ آیات

دو منزہ اخلاص

کبیر اور اللہ کی خصوصیت

۵۲۱

سورہ قمر اور مردوں کی رفاقت

۵۲۲

رحمت کے دیگر سلاطین

۵۲۳

عقلمند و جلیل کبریائی

۵۲۴

۵۲۶

۵۲۷

۵۲۸

حَمَى عَلَى الْفَلَاحِ

نمازِ مسنون کلاں پر
غیر مقلدین کے
اعتراضات کے جوابات



تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی



ملنے کا پتہ

مکتبہ درویش القرآن فاریق گنج گوہر انوار

احکام حج

زیارات مکہ المکرمہ و مدینہ المنورہ

تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت
۲ روپے

صفحات
۱۲۸

ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر النوالہ

احکام عمرہ

زیارات مکہ المکرمہ و مدینہ المنورہ

تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت
۱۸ روپے

صفحات
۹۶

ملنے کا پتہ: مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر النوالہ

پیش لفظ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَلَقَدْ يَسَّنَّ الْقُرْآنَ لِلَّذِي كُنِيَ مِنْ قُدْرِكَ . صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيْمُ

مگر تو ہی خواہی مسلمان زمین

نہیں تکی تجز بہ قرآن زمین (اقبال)

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار
نبیاء و رسول میں دنیا میں سموت فرستے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے اوقات میں اقوام عالم کو دعوت
توحید دی اور ان کو ابدی و سرمدی فز و نفع اور کامیابی و کامرانی کی راہ حق دکھائی۔ خدا کا کلام
اور پیغام ان کے پیچھے یا پر مستقل کتب یا صحائف کی شکل میں تھا۔ قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام
علیہ السلام، زبور حضرت داؤد علیہ السلام، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری اور
سب کے آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ رب العزت کی جانب سے اس کا
آخری کلام قرآن کریم کی صورت میں نازل ہوا جس میں رہتی دنیا تک کے لیے تمام انسانوں
کی بہتری اور بعد کی کامیابی کا پروگرام ہے اس پر عمل پیرا ہو کر ہی انسانیت صراطِ مستقیم پا سکتی ہے۔
اس سے روگردانی، بے اعتنائی اور لاپرواہی اختیار کرنے سے انسان غائب و محسور اور
نہل و پرہیزگار آبادی خوشیوں، لذتوں اور سرگرمی سے بے بیہ اور محروم ہو کر جہنم کا کدو بن جاتا ہے
بنی ہوتا ہے آج انسان قرآن کریم کے لاپرواہ، اعتدالی پروگرام کو پس پشت ڈال کر وہیل و غوار
ہو رہے ہیں۔ اس کے الفاظ و معانی میں نہ براہِ خود و فکر کو حرکت کر کے اقوام عالم کے ہاتھوں

میں کھڑا بنے ہوئے ہیں، جو انہیں خدا اور رسول کے احکام و قوانین سے دور بنا کر غیروں کا
 دستِ مخفی بننے پر مجبور کر کے ان کی سرِ عظمتِ مسطوت کے حکم کو سرنگوں کر کے پال کر پانچ
 برس ان کی تربیت دینا کی کوہِ منکروہ پہنچاؤں سے طلب کر کے تعویذات کی افتادہ گزیر
 میں لاد دینا چاہتے ہیں۔ لیکن مسلمان ان تمام واقعات و حوادث کو نظرِ غائبہ نہ کرنے
 کے باوجود غفلت کی وہیز چاہو گئے غراب غفلت میں سرشار ہو کر غلاب ہیں۔ دنیائے اسلام
 تباہی و بربادی کے دھانے پر کھڑی تو علمِ خورشیدِ سرست ہے، اور حمد و سنت سے دور
 اخلاقی گراؤٹ، امرِ بیک اور بیک تہذیب و تمدن کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہے ان کے لچر کو
 ہی پھیلے کامیابی کا زینہ سمجھتے ہیں، قرآن و سنت کے بنائے ہوئے طور طریقوں
 کو نظر انداز کر کے غیر مسلموں سے برابری کر کے ان کی مشابہت کو اختیار کرنے میں لگے ہوئے
 کھٹے ہیں تاکہ آتائے نامہ حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان موجود ہے
 مَنْ قَسَبَنَهُ يَكْفُرْهُ فَقَدْ قَسَبَهُ (ہذا اور شرعین میں) جس نے کسی قوم سے مشابہت
 اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔ آج بھی اگر مسلمان غیروں کی مشابہت کو ترک کر دیں
 قرآنِ کریم کے انقلابی پروگرام کو اپنی زندگیوں کا نصب العین اور نظریۂ حیات منتخب
 کر لیں۔ اس پر عمل پیرا رہنے کو ہی پھیلے باعثِ فخر اور فرزندِ خدا کا دار و دار خیال
 کر لیں۔ ترک بھی ان کی کھڑی ہوئی عزت و وقار، تعلیم و تکویم لٹ سکتی ہے۔ یہ دنیا کے دیہ
 دہنا ہیں سکتے ہیں ان کی سیاست و سیاست عروج پا سکتی ہے۔ ان کی اقتصادیات و حیثیت
 اور معاشرت بہتر ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے نہایت سیر و تحمل کا درس پڑنا پڑے گا۔
 شرک و بدعت، اوسات اور عزائمات کو ترک کرنا ہوگا۔ خود و طلب اور نشہ بازی سے کٹنا کوئی
 اختیار کرنی پڑے گی، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹی۔ سی آر اور ڈسٹنٹیشنا کے رنگ رنگ اور فحش سے
 پرہیز کرنا ہوگا۔ جو صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمام اطراف سے
 اپنی قوم کو ہٹا کر صرف اللہ صرف اللہ کے نازل کردہ کلام کی طرف توجہ کر سکیں۔ طور پر
 بندوبست کیا جائے۔ اس کے احکام و قوانین کو اپنی گھر میں اور کاروبار میں زندگی کا ایم بنایا جائے
 اپنی معیشت و سیاست کے خطوط اسی کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق کیجئے جائیں

اس پر آدمی اپنی زندگی کے تمام گروہوں میں اسی سے فیض حاصل کرے اس پر دل کی گہرائی سے عمل کرے۔ قرآن کریم کے اسی انقلابی پروگرام کو بنی نوع انسان کی تفہیم اور تقریب اور جان کے لیے جبری و مابری کرنے کے لیے سلسلہ دروس القرآن کی سترہویں جلد اپنی تمام تر خوبیوں اور اچھائیوں کے ساتھ ناظرین کرام کے سامنے ہے۔ اس جلد میں سورۃ محمد سے سورۃ الرحمن تک کل نو سو نو کی تشریح درج ہے۔

سورۃ محمد سورۃ محمد کو سورۃ قتال بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس سورۃ میں مہم کے قانون مسلح و جنگ کی تفصیلات کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کو سورۃ قتال بھی کہا جاتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب پر ایمان لانے کو طہ ایمان و کامیابی طہرانی کی وجہ سے اس کا نام سورۃ محمد بھی ہے۔ اہل جنت کی کامیابی اور انعامات اور دوزخوں کی سزا اور ان کے بے انجام کا تذکرہ بھی ہے۔ قرآنی کریم میں تدبیر، جاہلیں اور مابری کا ذکر، اللہ اور رسول کی اطاعت، دنیا کی بے ثباتی اور دلی مرض فحاشی کا ذکر بطور خاص ہے۔ دین تمام مباحث کو قرآن و سنت کے احکام و نظام و اثر و اثر کے تعامل صحابہ کرام کے اسوہ تابعین و تفسیر، محدثین و محدثین، فقہاء، اہل علم و سلف صالحین، بندگان دین، اصولیاء خصوصاً علماء حق، علماء دیوبند اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار اور تعمیرات کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کیا گیا ہے۔ اس جلد میں فلسفہ ولی الفہم کی چھاپ شگب ہے۔ اور ان کی نام نہاد، پیچیدہ اور علمی تحقیقی اصطلاحات کو بے احسن اور سلی انداز میں، اشیری اور آسمان زبان میں تاریخی کلام کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

سورۃ الفتح اس سورۃ میں مسلمانوں کی کنار کے مقابلے میں عظیم شان فتح کا ذکر ہے اسی وجہ سے اس کا نام سورۃ الفتح ہے اور سورۃ میں پیش آمدہ واقعہ حدیبیہ کی تفصیلاً ہے اور فتح قریب، اہل غیبت اور منافقین کے طرز عمل کا ذکر ہے۔ حیثیت و عنوان، مسجد حرام میں داخلہ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرام کی شہادت و فضیلت اور اس کے ضمن میں بے شمار مسائل اور مسلمات کی کثرت تاریخی کی خوشی و انبساط میں اضافے کا باعث ہوگی۔

سورۃ الحجرات | حیرت بخش آئی مجاہد کی محبت جو مکروہ کو کہا جاتا ہے اس سورۃ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانی مطہریت، اہمیت المؤمنین کے حیرات کا تذکرہ ہے اسی سورۃ کا نام سورۃ الحجرات ہے۔ حضور علیہ السلام کی عزت و کرم اور آپ کی امانت سے اپنی آلودگی کو پرست رکھنے کا حکم، کسی میں معاملہ میں فاسق کی خبر کی تحقیق کر لینا، اور اگر مسلمانوں کے درگزر میں لڑائی ہو جائے تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرانے کا حکم، ایمان والوں کا آپس میں عیبائی بھائی ہونا، ایک دوسٹر کے لئے انصاف سے یاد کرنے سے مگریہ کرنا، عباسی کی ممانعت، تخلیق انسانی، غیبت سے اجتناب اور غافلانہ قہاں کا بطور تعارف ذکر اور تقویٰ سیار زندگی وغیرہ احکامات اس سورۃ میں بطور خاص مذکور ہیں۔

سورۃ ق | احرف و مقطعات میں سے حرف ق بھی ہے امام جلال الدین سیوطیؒ المتوفی ۸۱۳ھ فرماتے ہیں اَللّٰهُ اَخْلَعُ بِعُرْكَم بِذَلِكَ اَمَّا وَصَدَقْتُ كَرِهَ بِيَعِي اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اسی حرف ق مقلوبہ سورۃ کا نام ق ہے۔ اس سورۃ میں قرآن کریم کے نزول پر قوم کا تعجب کرنا کہ ہم میں سے ہی ہم سے ایک آدمی پر یہ یکے نازل ہو گیا۔ بہت عداوت پر تعجب کرنا، بعض وصال کی تخلیق کر بطور دلیل پیش کرنا، ساجد قوم کی تکذیب کا ذکر لغیر جنت مودعہ کا واقعہ اور جہنم کی پکار قَدْ هَذَا مِنْ مَّزِيدٍ وغیرہ صیروں کے متعلق یہ مصلح معلومات درج ہیں۔

سورۃ النذریت | اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قیامت کا تذکرہ کیا ہے۔ اول جنت و جہنم کا ذکر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ، ان کے پاس فرشتوں کا بطور جہان آنا اور ان کے کی جنت دنیا اور قوم نوح پر عذاب کی توجیہ اور نزول۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ اور قوم ثمود پر عذاب کا اماننا اور زمین و آسمان کی تخلیق۔ جنوں اور انسانوں کا مشقہ تخلیق عبادت الہی کا ہونا اور شرب الخمر کا قارہ مطلق اور قوت کا سرچشمہ ہونے کا ذکر ہے۔

سورۃ الطہ | اس سورۃ میں طہ پائو، کتاب اللہ، فرشتوں کی عبادت گاہ بیت المقدس،

اہل بیشت کے انعامات اور اہل بدعت کے عذاب، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار و مشرکین کا اسیاف و بائشہ کا سین اور بھون ہونے کا انہم صدقیت قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین کی ایذا و ممانوں اور نکالیت پہنچانے پر صبر کی تلقین کا ذکر ہے۔

سورة النجم | اس سورۃ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ پیش آمد و حیرت انگیز واقعو معراج کی مکمل تفصیلات نہایت دلکش انداز سے بیان کی گئی ہیں۔ واقعہ کے آغاز سے اختتام تک الفاظ و تقریبات سے پاک اور اسادیت کی دلنشینی میں بڑی جاذب و محب افغان سے درج کیا گیا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی زیارت اور رؤیت الہی کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کا ملک الملک ہونا خدا کے احکام سے رد و گروائی کرنے والوں کو تہیہ اور عظم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ زندگی اور موت اور اقوام سابقہ عار اور ثمود کی ہلاکت کا تذکرہ بھی اس میں مذکور ہے۔

سورة القمر | اس سورۃ میں رد و قیامت اور چاند کے پھٹنے کا ذکر ہے اور قیامت کو پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ ہے۔ قرآن کریم بطور نصیحت ہے، اس نصیحت کو حاصل کرنے والوں اور مذکورہ دلوں کا تذکرہ اسابقہ اقوام کی تباہ کاریاں اور ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مسلط کردہ عذاب کا ذکر ہے۔ نیز اہل جنت کے ٹھکانے اور ان کے آسائش و آرام اور راحت و اطمینان کا ذکر بھی ہے۔

سورة الرحمن | اس سورۃ کو عروس القرآن بھی کہا جاتا ہے اس سورۃ میں رد و کلمات عروج و انزال اور جنوں کو اکٹھا کر کر تہیہ کی گئی ہے کہ تم اپنے رب کی کسی کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور ساتھ ساتھ انعامات ربانی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت کا ہمیشہ قائم رہنا اور اقی تمام مخلوقات کے فنا ہر بدلے کا تذکرہ۔ اہل جنت کے فضائل و انعامات کو بڑی بسط اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

غالب امکان یہ تھا کہ اس مترجہوں جلد پر دوس القرآن کا یہ مقبول عام اور فنیہ قرآن سلسلہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ کیسکی صفحات کی فصاحت و بڑھ جانے کی وجہ سے اب مزید ایک جلدوں یہ سلسلہ جو کہ سنہ ۱۹۸۵ء میں شروع ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے اللہ رب العزت ہمیشہ جلدوں میں اختتام پذیر ہو گا۔

کارین کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کے حسن و
 رحمت سے دعا کریں اور صاحبِ دروس حضرت والدہ محترمہ مولیٰ عبدالحیہ صاحبہ سواتی و نقد کی صحت و
 عافیت کے لیے اللہ جل و اداکین و معادین انجمن مجاہدین اشاعت قرآن کے لیے خصوصاً فاضل
 مرتب الحاج علی دین ایم اے، الحاج شیخ محمد یعقوب صاحب صدر، الحاج بابو
 غلام حیدر صاحب سیکرٹری، الحاج محمود الودیث صاحب خزانچی، جناب
 بلال احمد ناگی صاحب، جناب انجم لطیف صاحب، مستری محمد منیر صاحب
 ناظم مکتبہ دروس القرآن حاجی محمد اعظم صاحب و دیگر حضرات کو کہ نہایت محنت اور لگن سے اس
 نیک سلسلہ میں دل دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ وہ اس سلسلے کے اثر و
 کافیر و بنائے اور دین دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرمائے۔ اس جگہ کی بدولت رہنما
 میں احقر کے ساتھ حافظ محمد اشرف گجراتی نے جو یہاں ہے اللہ تعالیٰ ان کو نریہ انعام کی
 توفیق مرحمت فرمائے اور کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔ آمین۔

وَسَلِّ اَللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ
 مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ

الافتخار

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُلَيْمَانَ

مدرسہ اہل سنت و جماعت سہارن پور

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹۹۶ء

سُورَةُ الْحَجِّ
(مَكِّيَّةٌ)

سُورَةُ الْحَجِّ مَكِّيَّةٌ فِيهَا ثَمَانٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً وَارْتِكَازُهَا عَلَى ثَلَاثِ
سُورَةٍ مَكِّيَّةَةٍ هِيَ ۱۰۱ اَرْتِيسْ آيَاتِ هِيَ اَوَّلُ الْكَلِمَاتِ هِيَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو یہ معراں اور نہایت رحم والا ہے

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ①
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ
عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا
الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ
كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ③

ترجمہ:- وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا اللہ کے
راستے سے ، اللہ نے ضائع کر لیے ان کے اعمال ① اور وہ
لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے ، اور ایمان
لائے اس چیز پر جس کو نازل کیا گیا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
پر ، اور وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے ، اللہ نے
دور کر دی ہیں ان سے ان کی برائیاں اور درست کر دیا ہے
ان کا حال ② یہ اس وجہ سے کہ بیشک وہ لوگ

جنہوں نے کفر کیا، انہوں نے پیروی کی ہے اہل کی۔ اور جو ایمان لائے ہیں، انہوں نے پیروی کی ہے حق کی پہلے رب کی طرف سے، اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کے حالات ⑤

نام لکھنا

اس سورۃ کا نام سورۃ النجم ہے، سورۃ کی دوسری آیت میں لفظ نجم مذکور ہے اور اسی سے سورۃ کا نام لگایا گیا ہے۔ اس سورۃ کا دوسرا نام قتال بھی آتا ہے، کیونکہ اس میں جنگ کا ذکر بھی ہے۔ قرآن کی بعض دوسری سورتیں بھی مختلف چیز کے کلام کے پہلے گرائی کے ساتھ منسوب ہیں جیسے سورۃ ہود، یونس، ابراہیم، یحییٰ اسی طرح یہ سورۃ حضور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام آتی ہے منسوب ہے۔

یہ سورۃ مدنی دور میں نازل ہوئی اور اگلی مزید دو سورتیں مدنی سورۃ الفتح اور سورۃ الحجرات بھی مدنی سورتیں ہیں۔ آگے پھر سورۃ ق سے لے کر سورۃ الواقعة تک ملکی سورتیں ہیں اور اس کے بعد سورۃ صمد پھر مدنی سورۃ ہے، مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ سورۃ صمد کے بعد نازل ہوئی مگر ترتیب تلاوت کے لحاظ سے یہ پہلے آتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی اڑتیس آیات اور چارہ گزرا ہیں، اور یہ سورۃ ۵۵ احکامات اور ۲۲ حروف پر مشتمل ہے۔

گزشتہ سورۃ کی آخری آیت میں لفظ یسبح ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ توحید، رسالت، اسما اور فقرات پر کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح پیغام ہے۔ یہ بنیادی عقائد بھی ہیں جو اللہ نے قرآن کی مختلف سورتوں اور خاص طور پر حواہم بعد میں اسی طرح واضح کر دیے ہیں۔ اگر آپ بھی کوئی شخص ہیں بنیادی عقائد پر ایمان نہیں لے آ کر وہ غاصق شمار ہوگا۔ اور غاصقوں کے متعلق اللہ نے سابقہ سورۃ میں واضح حکم دیا ہے۔ قَدْ يَكْفُكَ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ (آیت ۲۵) کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ہلاک کرے گا۔ اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے غاصق کی عداوت

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

بیان کہے اس کا ربط اُس سورۃ کے ساتھ قائم کر دیا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ کی ابتدا ہی اس طرح ہوتی ہے کہ فاسق وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کا شیرہ انتہا کر لیا۔ یعنی دین کے بنیادی عقائد، قرعہ، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت کو تسلیم نہ کیا۔ اور انہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی خدا تعالیٰ کے راستے سے روکنے کی کوشش کی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ یہ تباہ و برباد کیے جائیں گے۔

فاسق لوگوں کی جلالت و صورتوں میں واقع ہوتی ہے۔ یا تو ان پر براہ راست کوئی مذاب نازل کر دیا جاتا ہے۔ جیسے قوم عاد، قوم لوط، قوم ثمود اور قوم فرعون جلک ہرٹیں، یا پھر جنگ کی صورت میں اہل ایمان کے ہاتھوں مجرموں کو شکست دی جاتی ہے۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں طاغوت کے ہاتھوں قوم حامۃ تباہ ہوئی اور جیسے حضور علیہ السلام کے ہاتھوں کفار و مشرکین کو اولین منزاہہ کے مقام پر دی گئی اور پھر آہستہ آہستہ آپ کے عرب سے ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔

جہاد کا حکم

دینی صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے دین کے مختلف احکام نازل فرمائے ہیں جن میں سورۃ بقرہ، آل عمران، النساء، مائدہ وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ سورۃ نظام میں اسٹونے قریب کے درس کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے شرک کا رد فرمایا ہے اور نظام اختیار کر پڑے طریقے پر سمجھایا ہے۔ سورۃ الاعراف میں دنیا دار کی تیر خ بیانی کی گئی ہے کہ اللہ کے ہر نبی نے ترمیم کا درس دیا اور شرک اور کفر سے منع فرمایا۔ اب ان واضح احکام و فرامین کو جو لوگ تسلیم نہیں کرتے بلکہ انہیں اللہ کے راستے سے دوسرے لوگوں کو بھی لٹکنے کا کوشش کرتے ہیں ان کے ساتھ اللہ نے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ جہاد کے تفصیلی احکام، سورۃ البقرہ، آل عمران، مائدہ، انفال، توبہ اور احزاب میں بیان کیے گئے ہیں، انہیں اس سورۃ مبارکہ میں اختصار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ فاسق لوگوں کے خلاف گویا اعلانِ جنگ ہے اور پھر اگلی سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کے نتیجے میں فتح کی خوشخبری بھی سنائی ہے۔

جہاد کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ اس میں جان و مال دونوں چیزیں کھپانی

پڑا ہوں۔ جہاد شرعی کرنے سے پہلے اس کے لیے مکمل تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے۔
 اس تیاری کے پہلے میں جماعت کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر جماعت کا امیر و نائبین
 جس کی سرکردگی میں جہاد کا فریضہ انجام دیا جائے۔ پھر ایک مکمل تنظیم ہونی چاہیے۔ جس
 کے مطابق سارا جہاد ضرب و محارب قرار دیا جائے اور وہاں جنگ لگاسی کی تحصیل کر
 باقاعدہ بنایا جائے۔ اگلی سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی ایک مکمل جماعت کا نعرہ بھی
 پیش کیا ہے۔ لَقَدْ رَسُوْلٌ اَتٰهُمُ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ۔۔۔ اور یہ صحابہ کرام
 کی جماعت ہے جس کے امیر خود نبوی کائنات ہیں۔ اللہ نے ان کے اوصاف و
 خصائص تفصیل کے ساتھ بیان فرمائیے ہیں تاکہ آئے والی نہیں ہیں انہی کے نقش قدم پر
 چل کر انہی کے نمونے کے مطابق جماعت تیار کریں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ہر قدم پر
 ساتھ ہوگی۔

جہاد کی صورت میں مسلمانوں کی قربانیوں سے آئینہ بھری پڑی ہے۔ حضرت
 عثمان غنی کے زمانہ میں جب غزوہ بدر میں نے خراہاں پر حملہ کیا تو دشمن کے تین لوگوں کے
 ساتھ بدر میں مسلمانوں کی کل پانچویں دس ہزار مجاہدین تھے۔ اس کے باوجود اہل ایمان نے
 حوصلہ نہ ہارا بلکہ دشمن کے ساتھ ٹھکرانے لگے یعنی کہ دس ہزار میں سے ایک فرد بھی
 زندہ نہ بچا، سب کے سب شہید ہو گئے۔ مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ
 آئی۔ اس وقت تو مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، مگر مسلمانوں نے جہاد کو جاری
 رکھا۔ ان کو آخر فتح اپنی کر حاصل ہوئی اور یہ تمام علاقے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔
 عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جہاد کو کوئی معمولی کام نہیں ہے بلکہ اس میں بڑے کٹھن کرکٹ
 بھی آتے ہیں جس سے گزرا پڑا ہے، جب جا کر کہیں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

راوی
 دکر

الغرض! فرمایا کہ چونکہ ہمارے دے وہ فاسق لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا جنہوں نے
 کفر کا شیرہ اختیار کیا۔ وَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ کے راستے سے
 روکا۔ کفر سے ملنا یہ ہے کہ انہوں نے توحید اور رسالت و معاد، جہانِ عمل اور
 قرآن کی حقانیت کو تسلیم نہ کیا بلکہ اللہ کے پیروں کو تکالیف پہناتے رہے جہاں

ایک اسلام کے راستے سے روکنے کا تعلق ہے، اہل کامیابی بڑا وسیع ہے۔
 ایک رکاوٹ تو کبھی ہوتی ہے کہ جہاں پر کھڑے ہو جائیں اہل حیات کو شعائر دین
 پہنچانے سے روک دیا جائے۔ جیسے پوری تاریخ انبیاء میں اس قسم کے واقعات
 ملتے ہیں کہ انبیاء اور اہل ایمان کے پیروکاروں کو خدا کی عبادت کرنے اور دین کی تبلیغ کرنے
 سے جبراً روک دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر سورۃ الشعراء میں موجود
 ہے۔ قَالُوا كَيْنَ لَهُمْ نَفْسُهُ يَنْفُخُ لَكَ كَقَوْلِهِمْ مِنَ الْمَرْجُوتِينَ
 (آیت ۱۲۰) اے نوح! اگر تم نے ہمارے سمجھو تو کہنا کہ ہمیں تو جہنم
 نصیب ہو گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی آپ کے باپ نے
 یہی کہا کہ اے ابراہیم! تو ہمیں ہمارے سمجھو تو کہنا کہ ہمیں تو جہنم نصیب
 ہو گئی ہے۔ قرآن حکایت سے باز نہ آیا لَوْ رَجَعْتَ لَوَلَّيْنَاكَ وَآخِضْتُ بِكَ قُلُوبًا (صدید ۲۶)
 تو میں تمہیں چھوڑ دے کہ ہلک کر دوں گا۔ لہذا میری نظروں سے غور ہو جا۔ جب
 حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہنم جیسی سے منع کیا تو وہ ایک دوسرے
 کہنے لگے آخِرُ جُؤْشَمٍ مُّسَوِّفٍ فَرَأَيْنَاهُمْ أَتَاسٍ يَنْفَخُونَ
 (الاعراف ۸۲) کہ لوط علیہ السلام اور اس کے چند پیروکار بڑے پکا باز ہوتے
 ہیں، ان کو اپنا بیکر سے نکال بہر کر و شیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو آپ کی
 میں بھی پیش کرنے سے منع فرمایا۔ نیز انہیں راستوں پر بھی لڑکر لوگوں کو اللہ کے راستے
 سے روکنے سے منع کیا تو قوم کے سرکردہ لوگ کہنے لگے کہ اے شیب! ہم نہیں
 اور تمہارے پیروکاروں کو اپنا بیکر سے نکال دیں گے۔ اَوْ لَعَلَّكُمْ فِرَاقٌ
 وَجَلْتُمْ (احزاب ۷۸) اگر یہاں رہنا ہے تو اپنا دین چھوڑ کر ہمارے دین میں رہیں
 کہاؤ۔ خود حضرت علیہ السلام کی تبلیغ کے راستے میں ہر قسم کے دشمنی کا سامنا کیا۔ انکار
 آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائی گئیں۔ آپ کو لالچ دیا گیا کہ
 ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ مال و دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر
 کر دیتے ہیں۔ غرض صورت ترین صورت نکاح میں سے لیتے ہیں۔ آپ ہمارے

جنوں کو بڑا عجب کتنا چھوڑ دیں، مگر اللہ کے مقرب و فیاد دشمنان کے کسی رعب اور
 تلک میں نہ آئے اور اپنا مشن جاری رکھا۔

راہِ حق سے روکنے کا دوسرا طریقہ سازشوں کا ہال ہے جس کے ذریعے اہل
 ایمان کو اس دینِ حق سے بدظن کیا جاسکے اور نئے نئے دلوں کے دلوں میں
 شکوک و شبہات پیدا کر کے اسلام قبول کرنے سے روک دیا جاسکے۔ اس
 سلسلہ میں ماضی قریب میں روسیوں کا کردار ہے جنہوں نے کسی بھی مذہبی تبلیغ
 پر سخت پابندی عائد کر رکھی تھی۔ ان کے آئین کے مطابق مذہب کے خلاف
 قریباً پینچ لاکھ جاسکے تھے مگر مذہب کے حق میں کوئی زبانی یا عملی تحریک ہاؤز نہیں
 اس آئین کے تحت بھی بے گناہ ان لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے۔

یسودی اور عیسائی مشنریاں دینِ حق سے روکنے کے سلسلے میں زیادہ پیش پیش
 ہیں۔ وہ کبھی حکمرانوں اور مسلمانوں کی تعمیر کر کے اور ایڈمنسٹریٹو لوگوں کے ایمان پر
 ڈاکو ڈالتے ہیں۔ آخری قریب اور جنرالی ایشیا کے پس ماندہ ملک میں جو براہِ استعمال کو کے
 لاکھوں لوگوں کو عیسائی بنایا جاسکتا ہے کبھی زمانہ تھا کہ خود مسلمان دوسروں کے ساتھ
 یسودی کا صحیح سلوک کیا کرتے تھے مگر آج دیگر اقوام جی جوام خداداد یسودی کے جلال
 میں چننا کر لوگوں کو بے دین بنا رہی ہیں۔ ساتویں صدی میں مسلمانوں پر زوال کا شروع
 ہوا اور پھر ان کے قدم نہیں چھلنے سکے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ پچاس سے زیادہ مسلمان
 حکومتوں کے باوجود دنیا میں مسلمانوں کو کوئی حیثیت حاصل نہیں بلکہ یہ دوسروں کے
 دستِ ملوث بنے ہوئے ہیں۔ مغربی ممالک سازش کے ذریعے مسلمانوں کو آپس میں
 ٹکراتے رہتے ہیں اور پھر ان کی مدد کی کڑیوں بند بانٹ شروع کر دیتے ہیں۔ آج
 مسلمانوں کی زندگی پوری سوچ ہے اور نہ کوئی نظر پر جس پر چل کر وہ ترقی کی منازل طے
 کر سکیں۔

ایک امریکی مصنف نے پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر مسلمانوں کے جوت
 پر مبنی ایک کتاب THE NEW WORLD OF ISLAM (جس کا تیسرا نسخہ)

کھیں۔ یہ کتاب ایئر ٹریکب اسلام (مارچ ۱۹۳۶ء) کے پاس بھی گئی۔ اس کا سرتی ترجمہ
 حاضر حال اسلامی کے نام سے پروفیسر محمد فرخین نے کیا۔ اس پر تین خیمہ جلدوں
 میں مقدمہ اور تقریباً ایئر ٹریکب نے لکھی۔ جس میں مسلمانوں کے زوال کی وجوہات درج ہیں
 آپ شام کے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ترکی میں ہسپتالوں کے انجانی ہے
 خود بالفضل انگلینڈ اور ٹکی والوں کے خلاف جنگ میں شریک ہے اور آخر میں
 بے کس کے عالم میں شام میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ عسائی
 اور یہودی طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کی اس ضد دشمنی میں کہ وہ دین اسلام پر غیر اسلام
 اور شران پاک کے خلاف چھ لاکھ کنہیں اور پینسٹ شائع کر چکے ہیں۔
 اُن کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح مسلمان دین حق سے بیزار ہو جائیں، قرآن کا دامن
 چھوڑ دیں اور پھوسے کفر و اکھا کی بھول بھلیوں میں جھٹکتے پھریں۔

خود مسلمان بھی چنے کر دار سے دین حق کو تبلیغ میں رکاوٹ کا سبب بن رہے
 ہیں۔ ابھی مذہب آباد کا شرمنگ واقعہ پیش آیا ہے کہ بھٹوں نے لڑکی کی لاش کو قبر
 سے نکال کر اس کے ساتھ پھولی کی۔ یہی واقعات غیر مسلموں کے لئے اسلام کی مخالفت
 پر ایگینڈا کا جزو بن جاتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست ٹریننگ کے لیے سوئیڈی
 گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے وہاں پر بعض لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو یہی
 کا جواب تھا کہ کیا اسلام تسبول کر کے ہم چھرا اور ڈاکو بن جائیں گی تو نک ہم نے
 تو مسلمانوں کا یہی کردار دیکھا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر مسلمان خود غلط کام کرنے لگیں
 تو وہ بھی دین کے راستے میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں۔

بہر حال خبر آیا کہ جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا اور الشک کے راستے
 سے روکا أَحْضِلْ أَعْمَالَهُمْ الشک نے اُن کے اعمال کو ضائع کر دیا۔ اعمال
 کی قبولیت کا دار ایمان پر ہے۔ اگر ایمان ہی نہیں ہے تو رقاہ عامہ کا اچھے
 سے اچھا کام بھی ناجہول ہے اور الشک کے لڑ اس کا کوئی اجر نہیں ہے گا۔
سورۃ کہف کے آخری رکوع میں ہے کہ لے پوچھو! آپ ان سے کہہ دیں

اعمال کا
ضیاع

کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے نقصان زدہ لوگ کون ہیں۔ فرمایا الَّذِينَ ضَلَّ
سَبِيلَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ
صُنْعًا یہ وہ لوگ ہیں جن کی سچی دنیا میں ہی برباد ہو گئی اور وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اچھے
 کام کر رہے ہیں۔ مگر کوئی کہے کہ کافر بھی تو رفا و مہر کے کام کرتے رہتے ہیں مگر
 اور ہسپتال بناتے ہیں۔ مالی امور دیکھتے ہیں تو کیا ان کو بھی کچھ اجر نہیں ملے گا؟ بالکل
 نہیں۔ انہوں نے اپنی عمر ان کی نیکی کا اجر دینا ہی نہیں نیک آدمی اور شہرت کی صورت
 میں ضے دیا، اب آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ ایمان سے خالی ہے۔ تو
 فرمایا کہ جنہوں نے کفر کیا اور انہوں نے اپنے سے روکا، انہوں نے ان کے اعمال
 ضائع کر دیے۔

اس کے بعد وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جو لوگ ایمان کی
 دولت سے بالمال ہوئے اور عملوں نے اچھے اعمال انجام دیے اور انہوں نے
آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ اس چیز پر ایمان
 لائے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے اور وہ ان کے رب کی
 طرف سے حق ہے یعنی جو لوگ قرآن کریم پر بھی ایمان لائے، اُسے برحق جانا اور اُس
 پر عمل پیرا ہو گئے كَفَرُوا عَنْهُمْ مگر انہوں نے ان کے ایمان سے انکار کیا اور ان کی
 بدولت ان کی چھٹی سورت تفسیر میں از خود معاف فرما دیے گا۔ وَأَضَلُّمُ بِالْهَمَزِ
 اور ان کے حالات کو درست فرما دیے گا۔ ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اشْتَبَهُوا
الْبَاطِلَ بِالرَّحْمَةِ یہ اس وجہ سے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی، کفر اور شرک کی تمام
 اقسام باطل ہیں، لہذا ان کے اعمال باطل ہو گئے فَإِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اشْتَبَهُوا
الْحَقَّ بِالرَّحْمَةِ مگر انہوں نے ایمان پر ایمان کے حوالے سے آمدہ حق کو
 ابھرا دیا کہ تو انہوں نے ان کی غلط فہمیاں معاف کر دیں اور ان کے حوالے کو بھی درست
 فرما دیا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت اور قیامت پر ایمان لائے۔
 بعثت بعد الموت اور جنہوں نے حق کو برحق جانا۔ اللہ کے فرشتوں اور اس کی کتابوں

ایمان کی
 لیے بشارت

پر ایمان لائے اور اللہ کے لئے کوئی اور شریک نہ لیں۔ فرمایا کہ اللہ کے
 یقین رکھنے والے ہیں اللہ کے لئے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے اسی
 کے احوال بیان کرتا ہے تاکہ لوگ مجھ پر ایمان لیں۔ کفر و شرک اور معاصی کو ترک کر کے ایمان
 لے لی کہ اختیار کریں اور ہمیشہ کے لئے لایسب پر رہیں۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا
 أَخْتَلَمْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْعُرَاقَ ۖ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا
 فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ
 اللَّهُ لَانتَصَرْتُمْ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ
 وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالُهُمْ ۖ
 سَيَجْزِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۖ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ
 عَرَّفَهَا لَهُمْ ۖ

ترجمہ : اور جب تمہارا مقابلہ ہو اُن لوگوں سے جنہوں
 نے کفر کیا تو پھر مارو گردنیں، یاں تک کہ جب تم خوب
 غوریز کر چکو تو پھر مضبوط ہاتھ لے پیرا تو احسان ہوگا
 اس کے بعد اللہ یا غریب ہو گا۔ یاں تک کہ لڑائی رکھ دے
 اپنے ہتھیار۔ یہ بات (تم نے سن لی) اور اگر اثر چاہے
 تو بدلے کے لئے اُن سے (دوسٹر طریقے سے) لیکن وہ
 آزما ہے تم میں سے بعض کو بعض کے ساتھ۔ اور وہ
 لوگ جو اسے گئے اثر کے راستے میں، پس ہرگز نہیں
 ضائع کرے گا اُن کے اعمال کو ۖ ۵ دہنائی فرمائیں گے اُن
 کی، اور درست کر دے گا اُن کے حال کو ۖ ۶ اور داخل
 کرے گا اُن کو جنت میں جس کی اُن نے اُن کو پہچان کر رکھا ۖ ۷

گزشتہ درس میں ہمیں یہ علم حاصل ہوا کہ جو کفر کا شیعہ اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے خاص طور پر قرآن مجید کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں جو کہ ان کے رب کی طرف سے برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کئی باتوں کو صحت فرمائے گا اور ان کے حالات کو درست کرے گا۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ کافر لوگ باطل کی پیروی کرتے ہیں۔ جب کہ ان ایمان من کے شیعہ ہیں۔ حق و باطل کی کلکشن ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے۔ اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

قاری بیگ
اور شمس
کی محنت

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کے قانون اور اس کی محنت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ **فَإِن لَّيَقُيِّرَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاجِبُ كَافِرُونَ** کے ساتھ تعالیٰ عطا بھیجے ہوئے ہیں جن جنگ کی تربت آجائے۔ گزشتہ درس میں گزشتہ جنگ کے قانون لوگ دو ہیں جو کفر کرتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اہل ایمان یہ صورت حال زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے لہذا انہیں لامحالہ کفر کے ساتھ جنگ کرنی پڑے گی۔ جنگ اور خونریزی کوئی ہندوہ چیز نہیں ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے **سَبَّلَ اللَّهُ الْعَافِيَةَ** اللہ تعالیٰ سے نصرت اور سلامتی کا سوال کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے جسم، جان، روح اور دینی عزت کے ہر جز کو اپنی سلامتی میں رکھے۔ تاہم اگر حالات کے مطابق جنگ ناگزیر ہو جائے تو پھر فرمایا **بِزُولِ تَرْكَاؤُكُمْ وَأَعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلِّهِمْ** جو پھر جان لو کہ جنت تمہاری تلواروں کے سامنے میں ہے۔ اگر جنت کی خواہش ہے تو پھر تمہارے پر ٹوٹ پڑو، کفر کو یا میٹ کر دو اور اللہ کے راستے کی ہر کلاش کو رد کر دو۔ سورۃ انفال میں حکم ہے **وَقَاتِلُوا حَتَّى لَا تَكُونَ الْكُفْرُ وَتَكُونُوا مِنَ الْمُسْلِمِينَ** (۲۹) پھر ان سے جنگ کر دیں کہ کہ غمزدہ و فدا و باقی نہ رہے اور پوری کی پوری اطاعت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔ اسی سورۃ مبارکہ میں اللہ نے جنگ کا یہ قانون بھی بتو دیا ہے کہ اسلام کے

ابتدائی دور میں ایک فریادیں ایساں دس کافروں پر جاری تھا۔ پھر حبيب اہل بیابان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلْاَشْوَءُ خَفِيفَتِ اللّٰهُ عَنْكُمْ (الاحقاف ۶۶) کہ اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور وہ جانتا ہے کہ تم میں ضعف آگیا ہے، لہذا اب ایک کے مقابلے میں دو کفار کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر دشمن کی تعداد دو گنا بھی ہو تو ان سے لڑا جاتا ہے۔ اور جو کہ غیر ملکی کا انداز کرے گا تو اللہ نے اُس کے لیے مہم کی وجہ بھی بتا دی۔

بہر حال فرمایا کہ جب کافروں سے تمہاری ٹکر ہو جائے یعنی میدان جنگ میں آنا سامنا ہو جائے فَطَرْتُكَ الْمُرْتَضِیَّ تو پھر ان کی گردنوں کو مار دینی اور قوت کے ساتھ متاثر کرو۔ یعنی زندگی میں حضور علیہ السلام نے تقریباً پچاس جنگیں لڑیں۔ ان میں سے اسیس جنگوں میں آپ نے بنفس کفایت قیادت فرمائی۔ جب کہ باقی جنگوں میں اَسْفَلَ شَرِکِ نہیں ہوئے بلکہ حکمرانوں کے رہے۔ ان میں عزرائل میں سے آخری ان عزرائل میں جنگ کی تربت آئی جبکہ باقی مواقع پر لشکر میدان جنگ میں پہنچے مگر لڑائی نہیں ہوئی، حضور علیہ السلام جنگ کے موقع پر یہ نعرہ پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ یُجَبِّرُ السَّحَابَ اَنْهَزِ السُّيُوفَ وَذُلِّزِ الْهَمُوفَ کتاب کے اترنے والے جلدی سحاب یعنی اُبلے اور بارش کو چلانے والے اللہ! یہی کفار کو شکست دے دینا ہیں وہ ہم پر ہم کر رہے اس موقع میں نزول کی کتاب کا ذکر کر کے حضور علیہ السلام نے یہ بات کہا ہے کہ اہل بیابان کسی دشمنی کی، ملک گیری، قتل و غارتگری یا مال و دولت کھنڈی کے لیے جنگ نہیں کرتے بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی نازل کردہ کتاب کا نظام قائم ہو جائے، فتنہ و فساد ختم ہو جائے اور اللہ کی زمین میں کافروں کو بن جائے۔ جب مقصد یہ ہو تو پھر دشمن کا مقابلہ خوب ڈٹ کر کرنا چاہیے اور ان کی گردنوں کو مارنا چاہیے۔ سورۃ المائدہ میں فرمایا فَجَاهِدُوا اَیُّهَا الَّذِیْنَ کَفَرُوا اِنَّہُمْ لَا اَیُّہَا اَیُّہَا رَبِّیْتِ ۱۳۰ کافر کے ان بڑے بڑے سرداروں

سے خوب لڑو۔ کیونکہ ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں۔ وہ نہ تو اپنے عہد کی پابندی کرتے ہیں اور نہ قہریت داری کا خیال کرتے ہیں۔ لہذا ان کو شہس نہیں کر کے رکھ دو۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ بارہ خانہ (OFFENSIVE) اور مہضہ خانہ (DEFENSIVE) دونوں قسم کی جنگ روا ہے۔ مہاکات کے مطابق جو طرح کی لڑائی ضروری ہو۔ اس سے گریز نہ کیا جائے کہ کسی عہد اور دشمن سے اپنا دفاع کرنا پڑا ہے اور کسی آگے بڑھ کر کفر اور دشمنانِ دین کی بیج گئی کرنا ہوتی ہے۔ تاکہ ظلم نہ ہفتے کا خاتمہ ہو۔

فرمایا دشمن کے ساتھ خوب معاملہ کرو حتیٰ (وَإِذَا أَخَذْتُمْ مَوْجِدًا) کہ جب خوب فوری کر چکے ہو اَلْوَشَاقِ تو پھر دشمن کے سپاہیوں کو مضبوطی سے باندھ لیں ان کی سرنگی قیدی بنالو۔ پھر ان قیدیوں کے ساتھ سلوک کا قانون یہ ہے فَإِنَّمَا مَتَّعْتُمُوهُم بِأَمْوَالِكُمْ لِيُحْيُوا أُنْفُسَهُمْ فَمَا أَصَابَكُمْ مِنْهُم بِسَبْءٍ أَوْ غَيْرٍ مِنْ ذَلِكَ فَاحْزَنُوا وَلَا تُؤْثِرُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَحْبِسَ عَلَيْهِمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ سِيْرًا يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُدْرِكُوْنَ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَيَأْتِيهِمْ فِي سَبْعِ سَاعَاتٍ يَأْخُذُهُمْ فِيهِمْ قَتْلٌ فَهُمْ لَا يَحْتَسِبُونَ اگر گنہگار ہیں۔ اگر مہاکات کہتے ہیں کہ پہلی قیدی رہا ہونے کے بعد اسلام کی تبدیلیات میں غور و فکر کریں گے اور ان کے اسلام قبول کر لینے کی امید پیدا ہوتی ہو تو پھر انہیں بغیر مہاکات کے چھوڑ لینے کی بھی مہاکات ہے۔ ریا اگر دشمن یہ نادر اس زمانہ معتقد ہے جس سے مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہو سکتی ہو۔ تو پھر قیدیوں سے ضرورے کر چھوڑنا بھی جائز ہے جیسا کہ غزوہ بدر کے بعد ہوا۔ حضور علیہ السلام نے کافر قیدیوں کو مال کے عوض رہا کیا تھا۔ آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ جو قیدی ضرورے لینے کی حیثیت نہیں رکھتے یعنی مالی کاٹ سے گزر رہے ہیں اگر وہ پڑھنا لکھنا جانتے ہیں تو چھاپا مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔ ان کی رہائی کے لیے ہی معاوضہ کافی ہوگا

اس کے علاوہ جو غنی صورت یہ ہے کہ اگر دشمن سے ضرور فساد کا خطرہ ہے تو پھر ان قیدیوں کو قتل کر کے دشمن کی طاقت کو توڑنا بھی درست ہے۔ چنانچہ مشرکین کو یہی سے نصر بن حارث اور عتقہ بن ابی مرثدہ کو قتل کر دیا گیا تھا کہ ان کے بڑے عہدی

جنگی قیدیوں کا قانون

آدمی تھے اور ان کی طرف سے دوبارہ غزوہ واقع ہو سکتا تھا۔ پانچویں صورت یہ ہے
 کہ دونوں طرف کے قیدیوں کا آپس میں تبادلہ کر لیا جائے۔ حضور کے زمانہ میں ایسا
 بھی ہوا ہے۔ چھٹی صورت یہ بھی ہے کہ میں کنہر کے ساتھ جنگ ہوئی ہے۔ وہ
 دلی بن کر نہ یہ دینا قبول کریں قرآنی حالت میں بھی بیوی قیدیوں کو جو معاوضہ دیا گیا
 جاسکتا ہے۔ ساتویں صورت یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں قیدیوں کو لوندی غلام
 بنایا جائے اور باغ مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ غزوہ بنی قریظہ کے موقع پر یہ
 ہی ہوا تھا۔ اسی کے تمام باغ مرد قتل کر دیے گئے تھے اور عورتوں اور بچوں کو لوندی غلام بنا
 لیا گیا تھا۔ بہر حال حالات اور مصالحت کے مطابق کوئی بھی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔
 فرمایا یا تو قیدیوں پر ایمان کر کے انہیں جو معاوضہ دیا کر دیا جائے یا پھر فدیے
 کر چھوڑ دیا جائے **حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا** یہاں تک کہ لڑائی اپنے اوزار
 رکھ دے یعنی جنگ بند ہو جائے۔ اس سے وہ خاص جنگ بھی مراد ہو سکتی ہے جوئی لائق
 ہو رہی تھی اور پھر فتح و شکست یا کسی معاہدے کے تحت ختم ہو گئی۔ اور اس کا مطلب
 یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفر کے خلاف جنگ کا سلسلہ ہماری رکھا جائے۔ یہاں تک
 کہ دنیا میں مکمل امن و امان ہو جائے اور کہیں بھی جنگ کی ضرورت باقی نہ رہے۔
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت
 ضرور باقی رہے گی۔ جو دشمن کا مقابلہ کرتی رہے گی حتیٰ کہ قریب قیامت میں وہ وہاں
 کے ساتھ جنگ کریں گے۔ اس کے بعد دنیا سے جنگ مکمل طور پر ختم ہو جائے
 گی۔ بیکر کا صحیح علیہ السلام کے زمانہ میں صرف اہل ایمان ہی باقی رہ جائیں گے۔ جب کہ
 دیگر سب ایمان ختم ہو جائیں گے۔ یہ امن و امان اور صلح کا زمانہ ہوگا حتیٰ کہ کسی دوا کر
 کے درمیان بھی کوئی اختلاف نہ ہوگا اور دشمن نہیں ہوگی۔ غرضیکہ اللہ نے جنگ کی حالت
 اور اس سے پیدا ہونے والے بعض مصالحت کی تشریح فرمادی ہے۔

جنگ فی
 سبب

فرمایا **لَا يَكُنْ فِيكُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ**
 اور اگر دشمن نہ لایا جائے تو ان کفار سے کسی دور کے طریقے سے بھی انتقام لے لے

انتقام کی ایک صورت تو جنگ ہے جس کے ذریعے کفار کو نقصان پہنچایا جائے ان کے اہل قتل ہوں، کچھ مذہبی غلام ہادیے یا نہیں اور ان سے مالی غنیمت بھی حاصل ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر جنگ کے کسی قدرتی آفت کے ذریعے ان کو ہلاک کر دے، قرآن پاک میں قوم عاد اور ثمود کے واقعات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانی اور زمینی آفت از قوم کندہ ہوا اور نازلہ کے ذریعے ہلاک کیا۔ قوم لوط کی بتیاں الٹ دی گئیں اور ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور فرعون پر اس کی لعنت علیہ السلام کی قوم کو پانی میں غرق کیا گیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کسی بھی طریقے سے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر قادر ہے۔

فرمایا جنگ کی ایک حکمت یہ بھی ہے وَلَا يَكُنْ لَكُمْ بَلَاءٌ كَمَا بَلَآ بَنِي إِسْرَءِيلَ یعنی کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آزمائے جانے والے کہ تم دین کے لیے کتنی قربانی دے سکتے ہو، اللہ تعالیٰ اسی آزمائش کے لیے جہاد کا قانون نافذ کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے يُفَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَفْتَلُونَ وَيُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (۱۱۸) کہ کسی مسلمان کا فزوں کو قتل کرتے ہیں اور کسی خود شہید ہو جاتے ہیں۔

آگے اللہ نے اس کی راہ میں شہید ہونے والوں کو خوشخبری سنائی ہے۔ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ جَزَاءُ اللَّهِ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے وَلَا يَكُنْ لَكُمْ بَلَاءٌ كَمَا بَلَآ بَنِي إِسْرَءِيلَ کہ ان کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرے گا، ان کو نہ صرف پرزور بدلہ ملے گا، بلکہ ان کو جہنم ارب فیصیب ہوں گے۔ بَشَرًا يَأْتِيهِمْ اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کی رہنمائی فرمائے گا۔ وَيُصْلِحْ بَالَهُمْ اور ان کے حال کو درست فرمائے گا۔ اور پھر آخرت میں ان کے لیے یہ انعام ہوگا۔ وَيُؤْتِيهِمْ خِلَافَتُ الْجَنَّةِ کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرے لَا يَكُنْ لَكُمْ بَلَاءٌ كَمَا بَلَآ بَنِي إِسْرَءِيلَ جس کی ان کو پہچان کرادی گئی ہے، پہچان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں نے انہیں جنت سے متعارف کرایا تھا، مگر یہ نیک اور ایمان والوں کو نصیب ہوئی اور اس

شہید کے
نفاذ کی

میں یہ یہوئیز میر جوں گی۔ چنانچہ اہل جنت جب جنت میں پہنچیں گے تو وہ اُسے
 آسانی سے پہچان لیں گے۔ پہچان کا اور سرِ مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنتی لوگ
 جنت میں پہنچے شہدائے گمراہان میں گئے اور وہاں پر اپنا شکارِ خوش کرنے کے
 لیے کسی سے پرچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، بلکہ خود بخود اُن کی پہنچ جائیں گے۔
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرماں بہارک ہے کہ جب شہید کے خون کا پہنچنا
 زمین پر گرا ہے تو اس کو صافی مل جاتی ہے اور اُسے جنت میں اس کا شکارِ دلگھار دیا
 جاتا ہے۔ شہیدِ غدار قبر سے بھی ماہون ہوتا ہے اور بعض روایات کے مطابق
 اُن کی سفارش اُس کے خاندان یا جماعت کے سزاخیزوں کے حق میں مقبول ہوتی
 ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا نکاح بہت سی عورتوں کے ساتھ کرا دیتا ہے اور اُس کے
 سر پر سونے کا کاج پہننے کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ اس قدر قیمتی مکان ہو گا کہ اس کا ایک
 موتی دنیا اور مائیمہ کی تمام چیزوں سے قیمتی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ شہداء کو اتنے بلند مرتبہ
 عطا کرے گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے سَنَاءُ لِلَّهِ سَنَاءٌ اَلْحَقُّ اَوْ لَعْنُ اسلَم کے
 کوران کی ہندی جہاد ہے۔ جہاد کے ذریعے دنیا سے شرفاء مٹا ہے اس کا لانا
 اور ظلم قائم ہوتا ہے اور جہاد میں حصہ لینے والوں کو دنیا و آخرت میں عزت نصیب
 ہوتی ہے۔ اگر مہاجد زندہ ہے تو غازی بن جاتا ہے اور اُسے اہل غنیمت اور دیگر
 فرائد حاصل ہوتے ہیں اور اگر شہید ہو جائے تو آخرت میں بلند درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

خُطْبہ ۲۶

درس سوم ۲

محمدؐ

آیت ۲ ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ
 أَقْدَامَكُمْ ④ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَّالٌ لَهُمْ وَأَصْلٌ
 أَعْمَالُهُمْ ⑤ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنزِلَ اللَّهُ فَطَحُوا
 أَعْمَالَهُمْ ⑥ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ
 كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
 وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ⑦ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ
 آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ⑧

ترجمہ :- اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے
 تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور ثابت رکھے گا تمہارے
 قدموں کو ④ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، پس
 ہلاکت ہے ان کے لیے، اور ضائع کر دیا اُس نے
 ان کے اعمال کو ⑤ یہ اس وجہ سے کہ بیشک انہوں
 نے ناپسند کیا ہے اُس چیز کو جس کو اللہ نے اہل
 پسند کر دیتے ہیں ان کے اعمال ⑥ کیا یہ لوگ نہیں
 چلے پھرے زمین میں، پس دیکھتے کہ کیا ہوا انہام ان لوگوں
 کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ نے ان پر ہلاکت
 ڈالی، اور کافروں کے لیے ایسی ہی چیزیں ہیں ⑦ یہ ان
 وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کو مدد ہے ان لوگوں

کا جو بیان آئے اور جنگ کافروں کا کوئی آقا نہیں ہے ①
 ابتداء سے سرور میں تمہید بیان کی گئی۔ اس کے بعد انشراح نے جنگ کے بعض قرین
 بیان فرمائے کہ اگر دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر جرنی کا مظاہرہ نہیں کرنا، بلکہ جرات
 اور بہادری سے لڑنا۔ پھر جب اچھی طرح خونریزی ہو جائے تو دشمن کے بچے چکے
 سپاہیوں کو قیدی بنا کر مٹی کہ جنگ موقوف ہو جائے۔ جنگی قیدیوں کے متعلق فرمایا کہ
 انہیں پر اسرار کر کے انہیں رہا کر دیا جائے ضرور حملہ کس کے پھوٹو دو۔ یہ
 جنگ کافروں کو سزا دینے کا ایک طریقہ ہے۔ تاہم اگر انشراح چاہے کہ کچھ دوسرے
 طریقے سے بھی لشکر کا کھلے قلع کرنے پر قادر ہے۔ مگر اس کا قانون یہ ہے کہ
 وہ لوگوں کی جنگ کے نزدیکے آزمائش کرنا چاہتا ہے۔

اسی لیے اُس نے جہاد کا حکم دیا ہے جس میں حق حق اور حق ہر چیز بخشنی
 پڑتی ہے۔ پھر حج وگ انشراح کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں۔ انشراح ان کی اکثرت
 میں جنت قرار دیا کرے گا اور اُس جنت میں پہنچنے کا۔ جس کی پہچان انشراح کیوں
 نے ان کو دنیا میں ہی کر دی تھی۔

آج کے دور کی پہلی آیت بھی جہاد ہی کے مسئلہ کی کٹری ہے اور اس کو ایک
 دوسرے پیرائے میں سمجھا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ إِذَا
وَلَّيْتُمْ إِلَى الْقُلُوبِ تَتَصَفَّحُونَ اگر تم انشراح کی مدد کرو گے یعنی اُس کے
 دین کی مدد کرو گے اور اُس کی تعزیت کا پاس نہ کرو گے تو انشراح تعالیٰ تمہاری مدد فرمائیگا۔
 یہاں پر انشراح کی مدد کو مجازی معنوں میں یہ گہیت کیونکہ انشراح تو حق اور محمد ہے اُسے کسی
 کی مدد کی کیا ضرورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر تم انشراح کے دین اور اُس کے
 دشمن کی مدد کرو گے، اُس کو دوسروں تک پہنچاؤ گے، اُس کے راستے کی رکاوٹوں
 کو ختم کر دے گے، اُس پر خود غلبہ ہو جائیگا اور دوسروں کو بھی ترغیب دے گے تو انشراح
 کی مدد کے مترادف ہوگا۔ فرمایا اسی صورت میں انشراح تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ شامل
 ہوگی۔ انشراح تعالیٰ نے کچھ ہی کوشش دی ہے اور ان کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔

دین اسلام علوم کا مذہب ہے۔ اہل ایمان کی جماعت اُسے دوسری طرف سے دیکھنے کی پابند ہے۔ یہ دین ایک طرف انسانوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے درست کرتا ہے اور دوسری طرف اس پر عمل پیرا ہونے میں خود لوگوں کا بھی فائدہ ہے۔ اسوۂ انبیاء کے طبعی تقاضوں اور اُن کی ضروریات کو پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ کے نبیوں نے اس دین کو ہمیشہ علوم و خواص کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ علوم یعنی کمزور اور نادار لوگ تو ابتدا میں ہی ایمان لے آئے مگر خواص یعنی امرا، دولت مند اور عوام الناس کی مخالفت کرتے رہے۔ پھر آخر میں چل کر جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تو پھر جاکر اسلام کو قبول کیا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے: **بَدَأَ الْإِسْلَامُ فَرِيقَيْنِ رِجَالًا مَسْكِينِينَ وَرِجَالًا مَالًا**۔ پہلا اسلام غریبوں سے شروع ہوا اور پھر آخر میں غریبوں میں باقی رہ جائے گا۔ بہر حال اللہ نے اسلام کی عوامی جماعت کو تسلیم ہی کیا ہے۔

اسلام کی بنیاد علم اور عدل پر ہے، اس لیے یہ جماعت اور ظلم کو مٹانا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد **رَفْعُ السُّفَلَاءِ مِنَ الْبَنِي النَّاسِ** بھی ہے یعنی یہ لوگوں کے درمیان سے ظلم مٹوانا کو مٹانا ہے۔ علاوہ انہیں دین اسلام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریقہ سکھاتا ہے ایمان کی حقیقت سے روشناس کراتا ہے اور جزائے عمل کی منزل سے آگاہ کرتا ہے۔ اسلام ایک طرف اپنے پیروکاروں کو نیک انجام کی بشارت سناتا ہے اور دوسری طرف منکرین اور بدکرداروں کو ان کے بُرے انجام سے ڈراتا ہے۔ اسلام کی اشاعت کے ضمن میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں، یہاں وہاں کی قرآنی دینا پڑتی ہے علم انہیں کہ بھلائی کا طریقہ کئی جماعت دین کا صحیح معنوں میں حق ادا کرتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اُن کی اعانت فرماتا ہے اور اُن کو غالب بناتا ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک وعدہ تو یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد کرے گا اور دوسری بات یہ کہ **وَيُخَيِّطُ لَكُمْ دَعْوَانَكُمْ** کہ وہ تمہارے قدم مضبوط کرے گا۔ قدموں کی مضبوطی کا اخلاق دنیا اور آخرت دونوں کے لیے بہت اہم ہے۔

جب تک یہ لوگ زندہ رہیں گے ان کے قدم صراطِ مستقیم پر قائم رہیں گے اور دین کے قدم اٹھانے پر تے کریں گے اور کسی مشکل سے مشکل وقت پر بھی ان کے قدم ٹکرائیں گے نہیں۔ پھر جب آخرت کی منزل آئے گی تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے قدم صراطِ پر مضبوط رکھے گا۔ بے دین لوگوں کے قدم صراطِ پر پھلتے ہوئے پھسل جائیں گے۔ اور وہ جہنم میں جا کریں گے۔ جب کہ اہل ایمان اس مرحلے کو کامیابی کے ساتھ طے کر جائیں گے۔ ترمذی شریعت کی روایت میں آتے ہیں اَنْلَیْعَ حَاجَتُکُمْ لَآ یَسْخَبُ لَیْعُ اِبْلَکَھُ جو شخص کسی غریب آدمی کی حاجت کا حکم پہنچائے گا۔ جب کہ وہ غریب آدمی خود اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت میں ملے دن ثابت قدم رکھے گا۔

مردہ ناجیدہ اللہ سندھی بڑے خدا پرست اور افتدائی انسان تھے وہ انگریزوں کے سخت دشمن تھے اور اسی جرم کی پاداش میں انہوں نے عمر عزیز کے پچیس سال جیل وطن میں گزار دیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین کی بڑی کجی عطا فرمائی تھی؟ بڑے ذہین اور قوتِ قدسیہ کے مالک تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب کوئی چیز خاص لوگوں کے پاس پہنچے تو اس کا چنداں اثر نہیں ہوتا۔ اور جب وہی چیز عوام میں آجاتی ہے تو عین عام لوگ اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں تو وہ چیز ٹوڑ اور پکڑ ہو جاتی ہے۔ دنیا کے جس جس خطے میں اسلام کی شمع عوام اناس کے سینوں میں روشن ہوئی، وہاں اسلام کو کھنگی حاصل ہوئی اور وہ صدیوں تک راسخ رہا اور اس کے کسی اصول اور حکم میں کمزوری نہ آئی۔ اس کے برخلاف آج ہم دیکھتے ہیں کہ عوام میں صیح دین کی بجائے کفر، شرک، بدعات، رسومات اور سودا، لعب راسخ ہو چکے ہیں۔ اصل دین تو ایک فیصدی لوگوں کے پاس بھی نہیں ہے۔ اسی لیے آج دین راسخ نہیں ہے اور اس کے پیروکار تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ دین کو کھنگی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ہر فرد اس کے اصولوں کو تسلیم کر کے عملی طور پر ان پر کار بند ہو جائے۔ پھر اللہ کی مدد بھی آئے گی اور اہل ایمان دنیا پر بھی غالب آجائیں گے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے دین کے سچے پیروکاروں کو بشارت سنائی کہ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کر گئے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہیں ثابت قدمی حاصل ہوگی۔

کفر کے
یہ حرکت

اہل ایمان کے تذکرہ کے بعد کفار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَالَّذِينَ كَفَرُوا اور جن لوگوں نے کفر کا شیروہ اختیار کیا یعنی اللہ کی توحید کو تسلیم نہ کیا، رسالت کا انکار کیا، قیامت اور جہنم کے سچے لوگوں کی قسمیں کیں یاں بتلایا، فَرَأَوْهُمُ الْكُفْرَ اُن کے یہ حرکت ہے وَأَخْلَصُوا إِلَيْهَا اور اللہ نے اُن کے اعمال کو برباد کر دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے قدم نہ دنیا میں مضبوط ہو سکتے ہیں اور نہ آخرت میں یہ سنبھل سکیں گے۔ اُن کا فلسفہ جہالت پر مبنی ہے اور وہ باطل پر گرام کو جاری کرتے ہیں۔ ہذا اللہ تعالیٰ انہیں مغلوب کرے گا اور اُن کے قدم نہیں جم سکیں گے اگر انہوں نے کوئی نیک اعمال بھی انجام دیے ہیں۔ تو ایمان کی عدم موجودگی میں وہ بھی رائیگاں جائیں گے۔ فرمایا فَرَأَوْهُمُ الْكُفْرَ کی صفوفاً اَنْزَلَ اللّٰهُ بہ اس وجہ سے کہ بیشک انہوں نے ناپسند کیا اس چیز کو جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ اللہ نے تو انسانیت کی بہتری کے لیے قرآن کا پروگرام نازل کیا ہے جس سے انسان میں توحید اور ایمان راسخ ہوتا ہے اور اُس کا تعلق باللہ درست ہوتا ہے اسی پروگرام کے ذریعے کفر اور شرک کا بیج کنی ہوتی ہے مگر انہوں نے اس پروگرام کو پسند نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا فَأَخْلَصُوا إِلَيْهَا کہ اللہ نے اُن کے اعمال کو برباد کر دیا۔ اُن کا اچھے سے اچھا عمل بھی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔

جہنم کے
نکالت

ایسے لوگوں کو اللہ نے عملی دلیل کے ذریعے سنبھایا ہے أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ كَيْفَ تَتَوَضَّعُ لِلْكَافِرِينَ کہ یہ دیکھتے کیف تَتَوَضَّعُ لِلْكَافِرِينَ کہ کیا ہوا انہام اُن لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرتے ہیں۔ عرب اور مکہ کے مشرکین شام کے تہذیبی سفر پر جاتے تھے تو قوم ثمود کی اجڑی ہوئی بستیوں کے کندھرات پر سے گزرتے تھے، وہ قوم لوط کی بستیوں کو بھی دیکھتے تھے اور قوم نوح کا واقعہ بھی اُنی کرنا دیتا۔ جب کہ ساری قوم فرعون

بحرِ احمر کی موجوں کی نذرِ نجاتی تھی۔ اللہ نے ان کو ادا دلوا دیا کہ نہ کہہ تو میں نے بھی اپنے
 نبیوں کی رسالت کا انکار کیا، ان کے لئے ہونے پر دو گرام کو لٹکا دیا جس کا نتیجہ ہوا
 کہ اللہ نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا اور عبرت کے لئے ان کے مکانوں کے
 کنڈرات ہی باقی رہ گئے۔ اسی سے فرمایا کہ کیا انہوں نے سابقہ اقسام کے اہل
 کوشیہ دیکھا؟ یہ لوگ خدا کے دین کو مٹانا چاہتے تھے اور دنیا میں شر و فساد برپا
 کرتے تھے لہذا اللہ نے انہیں چاک کر دیا۔ مطلب یہ کہ وَقَسَّ اللَّهُ تِلْكَ الْفِرْعَوْنَ
 اللہ تعالیٰ نے ان پر طاقت ڈال دی۔ تدمیر کا لغوی معنی مٹا دینا، مٹا دینا ہے۔
 مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نافرمان قیروں کے نہ صرف افراد کو چاک کر دیا بلکہ
 بلکہ ان کی عمارت اور ان کے تہذیب کو بھی تباہ و برباد کر دیا فرمایا وَلَا تَكْفُرُوا
بِآيَاتِ اللَّهِ یہ قرآنی قیروں کا حال تھا، آج کے کافروں کے لیے بھی ایسی ہی چیزیں
 ہیں مگر انہوں نے کفر و شرک اور ظلم و زیادتی کو ترک نہ کیا تو ان کا انجام بھی سابقہ
 نافرمان قیروں سے مختلف نہیں ہو گا۔ آج کے کافر اور کافروں کے کافروں
 کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی آفت میں مبتلا کر دے گا۔

فرمایا ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ
 اہل ایمان کا کارساز ہے، جو لوگ صحیح پر دو گرام پہل پیر ہوتے ہیں اور خدا کا رکھنا
 کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کارساز کی فرماتا ہے۔ اس مقام پر مولیٰ کا معنی ہونے کا لازم
 کیا ہے۔ یہ لفظ آقا، سرور، مالک، رفیق اور ساتھی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا
 ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے کام نہاتا ہے وَإِنَّ الْكَافِرِينَ لَآ مَوْلَىٰ
لَهُمْ مگر کافروں کا کوئی کارساز آقا نہیں ہے، وہ خدا تعالیٰ کی نصرت سے
 محروم رہتے ہیں، حضور امد کے موقع پر حضرت ابو سفیانؓ نے غزوہ اڈاز میں کہا تھا۔
لَنَا الْعُدَىٰ وَلَا عُدَىٰ لَنَا ہمارا عداوت ہے اور تمہارا کوئی عداوتی نہیں ہے
 اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا اللَّهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَىٰ لِكُفْرٍ
 ہمارا کارساز اور مالک تو اللہ ہے مگر تمہارا کوئی کارساز نہیں ہے یہ دونوں کے لیے نبی کا
 معنی بھی ہو گیا کہ اگر ہم اللہ کے دین کی مدد کر لیں تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور دشمن تمہارا
 ہائیگا۔

مومنوں کا
 کارساز

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَسَّعُونَ
 وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَشْهُوِي لَهُمْ ⑫
 وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي
 أَخْرَجْتَ أَهْلَكَ مِنْهَا فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬ أَفَمَنْ كَانَ
 عَلَى بَيْتَةٍ مِنْ رَبِّهِمْ كَمَنْ زَيْنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَ
 اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ⑭ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ
 فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ
 يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَوْ
 أَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ
 الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي
 النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءُهُمْ ⑮

ترجمہ :- ہے شک بشرقانی داخل کریگا اُن لوگوں کو جو

ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے بہشتوں میں کہ

بہشت میں جن کے نیچے نہریں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر

کیا وہ قائمہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسا کہ موشی کھاتے

ہیں اور دردِ دل کی آگ اُن کا ٹھکانا ہے ⑮ اور بہت سی

بیتوں کے بچے واسے جو زیادہ طاقت رکھتے آپ کی ہوتے
 جس سے آپ کو نکلا ہے، ہم نے اُن کو چاک کر دیا، پس کوئی
 اُن کے لیے مددگار نہیں (۱۳) مگر وہ شخص جو کھٹی دایں پر ہے
 اپنے سب کی طرف سے، کیا یہ اُن کے برابر ہو گا جس کے
 لیے سڑی کیا گیا ہے اُس کا بڑا عمل، اور پیروی کی لیے
 لوگوں نے اپنی خواہشات کی (۱۴) مثال جنت کی جس کا دودھ
 متعینوں سے کیا گیا ہے، اُن میں سڑی وہ پانی کی جو
 بدلہ نہیں ہو گا، اور سڑی وہ دودھ کی جن کا مڑا تبدیل
 نہیں ہو گا، اور سڑی وہ شراب کی جو طعت آفریں ہوں
 گی پینے والوں کے لیے، اور سڑی وہ شد کی جو صفت
 کیا ہوا ہے۔ اور اُن کے لیے اُن بھشتوں میں ہر قسم کے
 پھل ہیں، اور معافی ہے اُن کے سب کی طرف سے۔ تو
 کیا یہ برابر ہوں گے اُن کے جو ہمیشہ اپنے دلا ہو گا
 (دوزخ کی) آگ میں۔ اور چلایا جائے گا اُن کو کھوت ہوا
 پانی، پس کھاٹ ڈالے گا اُن کی آغوشوں کو (۱۵)

ردیہ ایت

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے دین کی مدد کرنے والوں کو د
 اور انہیں ثابت قدم رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ نیز کافروں اور منافقوں کی برائی اور
 اُن کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا۔ اللہ نے اُن کے اعمال کو اس وجہ سے برباد کر دیا
 کردہ اللہ کی نازل کردہ واضح ہدایت کو ناپسند کرتے تھے، پھر اللہ نے اُن کی عبرت
 لیکر فرمایا کہ کیا یہ لوگ اپنے اطراف میں پھیلے ہوئے نشانات کو نہیں دیکھتے کہ جی
 لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور اُن کے نبیوں کا مقابلہ کیا۔ وہ کبیں طرح ہلاک
 ہوئے۔ فرمایا یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایمان کا کار ساز ہے۔ جب کہ
 کافروں کا کوئی مولیٰ اور رفیق نہیں۔

اب اگلے آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور کلمہ کے انجام کا تعالٰی فرمایا

مومنوں کے
 لیے جنت

ہے جو لوگ قرآن کی ہدایت کو نہ کر لیں گے، اس پر خود بھی عمل پیرا ہوں گے اور دوسروں تک بھی اس کو پہنچائیں گے۔ انہیں کون سے انعامات ملیں گے اور کفر کرنے والوں کا کیا انجام ہو گا۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فِيهَا مِنْ ثَمَرَاتٍ أُشْرَاقَتْ لَمْ يَكُنْ لَهَا زَهْلَةٌ وَلَا تُغْنِي عَنْهُمْ كَيْفُهُمْ وَلَاحِظُهُمْ فِيهَا بِمَنْ حَبِطَ الْأَشْمَارُ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جہنم لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ایسی بہشتوں میں داخل کر دے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جو لوگ مشرک راہ میں جان و مال کو کھاتے ہیں اور قرآن پاک کے پروگرام کی سرابندی کے لیے سود مشرک بازی لگا بیٹھے ہیں وہ اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ ان میں سے جو لوگ زندہ ہی جاتے ہیں اللہ نے ان کی مدد اور ثابت قدمی کا وعدہ فرمایا اور وہ شہید ہو جاتے ہیں ان کو آخرت میں ملنے والے انعامات کی ایک جھلک بھی پیش کر دی ہے۔ ان انعامات کی کچھ تفصیل اگلی آیت میں بھی آرہی ہے۔

کفر کا دنیا سے استعارہ

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے کفر کی ایک خصوصیت بیان کر کے ان کے آخرت کے انجام کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَجْنَ لَوْ كُنْتُمْ عَادِلِينَ كَتَبْنَا غَوَّارًا كُفْرَهُمْ فِي الْأَفْقَانِ اور اسی دنیا کے لوازمات میں پھنسے ہوئے۔ فرمایا يَتَشَعَّبُونَ وہ اس دنیا کے ساز و سامان سے مستفید ہوتے رہتے ہیں اور اپنی ابدی زندگی کی طرف کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس دنیا میں رہنے کا ایک مقصد ان کے نزدیک کفر کا دنیا ہے۔ اہل ایمان تو اس قدر کھاتے پیتے ہیں جس کے ذریعے وہ اپنے جسم اور روح کے تعلق کو قائم رکھ سکیں اور اپنے پڑ و گار کے احکام بجالا سکیں۔ برخلاف اس کے کفر اور زندہ ہی اس لیے ہیں۔ تاکہ وہ دنیا کی نعمتیں کھا پی سکیں۔ چنانچہ اس مقام پر اللہ نے اسی بات کا ذکر إِنَّ الْغَاظِ فِيهَا کیا ہے کہ کافر لوگ دنیا کی نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ وَيَا حَيْثُ مَوْنٌ كَمَا تَأْكُلُ الْأَشْيَاءُ اور وہ دنیا سے رو کر مسلح نہ تھیں۔

جس طرح جانور اور موشی کھاتے ہیں۔ غلام ہے کہ جانوروں کے سامنے کوئی نظر نہ پڑتا
 نہیں بھنا، وہ پیدا ہوتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، جنسی خواہش پوری کرتے ہیں اور
 پھر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف انسانوں کا ایک خاص نظریہ حیات ہے
 اُن کے لیے یہ دنیا دارِ اصلی ہے جہاں وہ کردہ اپنی ابدی زندگی کا سامان پیدا کرتے
 ہیں اور اس مقصد کے لیے احکامِ الہی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی
 ہدایت کے لیے انبیاء کو بھیج کر آئندہ کی نازل کرتا ہے۔ پھر جو لوگ اس ہدایت
 الہی سے مستفید ہو جاتے ہیں وہ ابدی حیات کو پالیتے ہیں، اور نہ ناکام ہو جاتے ہیں۔
 جانور کھاتے پیتے وقت کسی حلال و حرام کے پابند نہیں ہوتے، انہیں جو کچھ لگا
 چارہ وغیرہ مل جاتا ہے، کھا لیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ جس کھیت میں نہاد
 ہے وہ اُن کے مالک کا ہے یا کسی دوسرے کا، اور وہ اُن کے لیے جائز ہے
 یا ناجائز اور وہ پاک ہے یا نجس۔ اسی طرح وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کا مالک جو
 کچھ انہیں کھلا دے گا، اُس نے اُسے جائز طریقے سے حاصل کیا ہے یا پوری اور
 غصب کا ہے۔ انہیں تو کھانے سے غرض ہے اور وہ کھاتے چلے جاتے ہیں۔
 اللہ نے کافروں کی بھی ایسی ہی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ کھاتے وقت نہ تو حلال
 حرام کی فکر کرتے ہیں، نہ پاک و ناپاک کا خیال کرتے ہیں بلکہ حرص اور لالچ کے ساتھ
 کھاتے چلے جاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اَلْمَوْمِنُ
 يَأْكُلُ فِي مَعَاذٍ وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ اَمْعَادٍ
 یعنی مومن صرف ایک آنت میں کھاتا ہے مگر وہ زندگی کے ضروری امور انجام دینے
 کے جب کہ کافرسات آنتوں میں کھاتا ہے اس کا مقصد محض لذت اٹھانا اور
 بیٹ بھرتا ہوتا ہے۔ ترمذی شریفین میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے
 کہ آدم کے بنے کر چند تھے، وہ کافی ہیں۔ مین کے ذریعے اُس کی پشت قائم رہے
 اور وہ خدا تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اور دیگر ضروری کام کر سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسا اندر آدمی جس پر دگرگرم کرے کہ لگے پڑے ہیں وہ

انسانیت کی بہتری اور خدمت کا پروگرام ہے۔ یہ پروگرام حرم و ملک اور غرور و تکبر سے پاک ایک اعلیٰ واسطے پروگرام ہے۔ اس کے برعکس کافر لوگ حیوانی زندگی کے پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ وہ دنیا میں رہ کر حیوانیت سے آگے نہیں بڑھتے۔ ان کا مقصد حیات صرف اکل و شرب، اچھا مکان، اچھا لباس، اچھی خوراک، اچھی سواری، کھیل تماشہ اور شہرت ذاتی ہوتا ہے جسے يَتَفَتَحُونَ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ نے ایسے لوگوں کا انجام بھی بیان فرمادیا وَالَّذِينَ كَفَرُوا آخرت میں ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہوگا۔ جس میں وہ ہمیشہ جہنم کے لیے رہیں گے۔

اس وقت دنیا کی تمام نسل ترقی یافتہ اقوام صرف حیوانی زندگی کا پروگرام رکھتی ہیں وہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس دنیا کی زندگی کے آرام و آسائش کے لیے تمام پروگرام مرتب کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ بڑے نفع و خور سے یہ پراگندہ ابھی کو سب سے زیادہ ہم علوم کی خدمت پر گہر بستہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نزدیک علوم کی بھلائی کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ نہ قرآن مجید کی کوئی خدمت کر رہے ہیں اور نہ مسلمان قائم کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ تو محض اپنا آؤسیدھا بننے کا ایک بہانہ ہے۔ علوم اقبال مرحوم نے اسی کے کردار کی صحیح عکاسی کی تھی۔

پہلے ہیں ابھرا، پھیلے ہیں تعلیم مساوات

اس کے برعکس انسانیت کی خدمت وہ ہے جو اہل ایمان کے حصے ہیں آئی ہے۔ انسانیت کی صحیح خدمت وہی کر سکتا ہے جو قرآن کے پروگرام پر عمل پیرا ہے ایسا شخص کسی چیز سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائے گا، اس کا تعلق بالشر درست ہوگا۔ اور وہ مخلوق کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرے گا۔ اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمان خدمت انسانی کی عملی تعبیر ہیں۔ وہ کسی کے ساتھ ناجائز نہیں کرتے تھے کسی کا حق غصب نہیں کرتے تھے بلکہ انسانی ہمدردی اور غیر غرضی ان کی کاوش خدا کی راہ کے تمام نسل مساوات کے علمبردار بنا سکتے ہیں کہ ان کی زندگی میں وہ مساوات ہو جو خدا

انسانیت
کی خدمت

جو حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علیؓ کے اور میں ہائی جاتی تھی؟
 ہرگز نہیں۔ یہ تو مسالوات اور انسانی خدمت کے نام پر اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔
 ہمارے ملک کے ٹکرائوں کا حال بھی دیا ہی ہے۔ جو ملک اسلام کے نام پر مظلوموں
 و جہد میں آیا تھا۔ وہاں اسلام ہی کے نام پر دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ یہ شخص پانگنڈا
 ہے کہ اسلام کا نظام رائج کریں گے، وگرنہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ ساری ساری
 حیوانی زندگی کی ترقی کے لیے ہو رہی ہیں۔ تمام پروگرام خود گ، سواری، اکادمی، کالونی
 کے لیے بنائے جا رہے ہیں۔ مگر خدا کے دی کی سرمدی کے لیے کچھ نہیں کیا جا رہا۔
 مطلب یہ کہ ان کی سبھی جانوروں کی طرح کھلے پیٹے، اکادمی، کالونی اور شہرت لانی
 سے غرض ہے اور اس سے آگے انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔

کھلے پیٹے
 کے آداب

اس مقام پر کھلے پیٹے کے اسلامی آداب کا بیان بے محل نہیں ہو گا۔ حدیث
 شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے کبھی میسر پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا۔ اس
 زمانے کے آداب خورد و نوش کے سلسلہ میں خواہی کا ذکر آتا ہے۔ ہر ایک چھوٹی
 ٹیبل ہوتی تھی، لوگ قدامین پر پیٹ کر آگے خواہی رکھ لیتے جس پر کھانا بن دیا جاتا
 مگر حضور علیہ السلام نے کبھی خواہی بھی استعمال نہیں کیا۔ پوچھتے تھے نے پوچھا کہ
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسے کھانا تناول فرماتے تھے تو حضرت انسؓ نے بیان کیا
 کہ آپ کے لیے چمڑے، اون یا کھجور کے چوں کا دسترخوان ہوتا جس پر کھانا رکھ دیا
 جاتا اور آپ بیٹھ کر تناول فرماتے تاہم خدائے کریم اور محدثین عظام فرماتے ہیں۔ کہ
 اگر فرض پر کھانے کا انتظام نہ ہو سکے تو عند الضرورت گری میسر پر بھی کھانا کھا جائز
 ہے۔ مطلب یہ کہ کھانا ہمیشہ بیٹھ کر کھانا چاہیے۔ خواہ زمین پر بیٹھے یا کرسی یا
 چنگ و دیو پر۔ اس زمانے میں کھڑے ہو کر کھانے کی جو دبا، پیدا ہو گئی ہے یہ تو
 بہر حال ناشائستہ بات ہے۔ نہ صرف کھڑے کھڑے بلکہ جانوروں کی طرف چل پھر
 کر کھانا کر مزید محبوب ہے اگر جانور کسی کھڑی پر بندھا ہو تو کسی کم از کم ایک
 جگہ کھڑا ہو کر کھائے گا۔ اور اگر وہ آزاد ہے تو مختلف کیسٹوں میں مڑ مارتا پھر گا۔

اُن کے ذہن میں ڈالتا ہے کہ تم بُرا اچھا کام کر رہے ہو، یہ بڑا کام نواب ہے، اس کو رنگ
 نہ کرو۔ سورۃ الاحقاف میں ہے کہ جب ہم نے نافرمان قوموں پر غضب بھیجا تو انہوں نے
 گریہ ناری نہ کی بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے وَذُنْ لَّهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا
 يَفْعَلُوْنَ (آیت ۳۴) اور شیطان نے اُن کے بُرے اعمال ان کی کو خوشنما کر کے
 دکھائے کہ تم بالکل صحیح راستے پر جا رہے ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ انہوں نے خواجہ
 کا اتباع کیا، تو خواجہ شہادت کی پیروی بھی دراصل شیطان کا اتباع ہے۔ اس بات
 کا تذکرہ اللہ نے مختلف مقامات پر کیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے کہ حمل اور پانچواں
 چھٹی کا کافر لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَا يَزِيْرُ عَنْ قَبْلِنَا
 (آیت ۱۶۸) اور شیطان کے نقوش قدم کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ خدا کا کھنڈر ملے ہے
 اللہ نے ہدایت اور گمراہی کا فرق بھی واضح کر دیا۔

جنت کی
 نعمتیں

اہل آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی کچھ نعمتوں کا تذکرہ کر کے لوگوں کو اُن کے
 حصول کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ
 اُن جنت کی مثال جس کا وعدہ متقیوں سے کیا جاتا ہے، ایسی ہے جس کا ذکر آگے
 آ رہا ہے۔ متقی وہ ہے جو حدود و شریعہ کا احترام کرتا ہے، کفر، شرک اور مباحی
 سے بچتا ہے، اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر دوسروں کی عزت کرتا ہے اور عدل و انصاف
 برتتا ہے۔ ایسا شخص جنت کی نعمتوں کا مستحق ہوگا جس کے متعلق فرمایا جاتا ہے
 اَنَّهُمْ فِيْهَا قٰرِنٌ مَّكَآءٍ عٰلِيٍّ اٰیِسٍ اُن جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی۔ جو کسی
 نواب نہیں ہوگا۔ اُس ضامن ایسے پانی کہہ سکتے ہیں جو کسی جوہر یا تاج میں دیے
 تاکہ نہ کہے اور اُس میں نقص پیدا ہو جائے۔ فرمایا جنت کا پانی ہر قسم کی بدبو، نقص
 یا سرائسے پاک ہوگا، بلکہ ہمیشہ تروتازہ رہے گا۔ اور جنتی لوگ اُسے استعمال میں نہیں لے
 پانی جو شہ نعمتِ رب جلیل ہے۔ یہ دُورِ حیات ہے اور انسان کے بنیادی حقوق
 میں داخل ہے، لہذا اِس کی قدر کرنی چاہیے اور اُسے کسی صورت میں ضائع نہیں
 کرنا چاہیے۔

فرمایا جنت کی دوسری نعمت وَالْهَرَمَيْنِ کہیں کہیں لَا يَسْعَيْنَ طعمہ ایسے دودھ کی خیریں ہیں جس کا سڑکبھی تبدیل نہیں ہوگا۔ دُنیا کا دودھ بھی نہایت لذیذ، خوش کُن اور طاقتور ہے تو جنت کا دودھ تو اس سے ہزار گنا بہتر ہوگا۔ نیز دُنیا کا دودھ کچھ عرصہ پڑا سہنے سے خراب ہو کر بدبوا ہو جاتا ہے مگر جنت کا دودھ کبھی خراب نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا ذائقہ تبدیل ہوگا۔

اس کے علاوہ فرمایا وَالْهَرَمَيْنِ کہیں کہیں لَا يَسْعَيْنَ لذتِ شرب میں وہاں شراب کی خیریں ہوں گی جو پینے والوں کے لیے نہایت لذت آفرین ہوں گی۔ دُنیا کی شراب تو بد ذائقہ اور مدہوش کن ہوتی ہے مگر جنت کی شراب بطور ہر شخص سے پاک اور نہایت ہی دل خوش کُن اور ذائقہ دار ہوتی جس کا دُنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ نہ اس سے نشہ آنے کا اور نہ ہی کوئی خرابی پیدا ہوگی۔ پھر فرمایا وَالْهَرَمَيْنِ عَسَلِ مَصْنُوعِ یا مکمل صاف و شفاف شہد کی خیریں ہوں گی اور اس میں ہوم یا کوئی دوسرا تغلیب چیز قطعاً نہیں ہوگی جو طبیعت پر ناگوار گزرتے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ یہ تمام نہریں آبادی سے دور کہیں جنگلات میں نہیں ہوں گی جیسے دُنیا میں ہوتی ہیں، بلکہ ہر نہر ہر جنتی کے دروازے کے سامنے سے گزر رہی ہوگی۔ جس سے وہ ہر وقت مستفید ہو سکے گا۔ ان نہروں کے علاوہ فرمایا وَالْهَرَمَيْنِ وَالْهَرَمَيْنِ وَالْهَرَمَيْنِ جنت میں جنتیوں کے لیے ہر قسم کے پھل بھی پیدا ہوں گے۔ جب کسی جنتی کا کوئی پھل کھانے کو چاہے گا، متعلقہ درخت کی شنی خود بخود جھپک کر جنتی کے پاس آجائے گی وہ پھل توڑ کر کھا سکے گا۔ اور پھر یہ بھی کریہ پھل آتے، بالکل لڑی ہوں گے کہ جو بھی کوئی پھل توڑے گا اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آجائے گا۔

فرمایا یہ گراہل جنت کے خورد و نوش کی چیزوں کا ذکر تھا۔ ان سے بڑی نعمت وَمَغْفِرَةٌ کہیں کہیں رَبِّهِمْ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بخشش اور معافی ہوگی جو ان جنت کو حاصل ہو جائے گی، دُنیا میں وہ کہہ کر اچھے کام کرنے والے لوگوں سے بھی بعض اوقات کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صاف کرے گا اور کوئی کوتاہی

نہیں کرے گا۔

دوزخ کی
تفسیر

اہل جنت کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کی بعض تعریفات کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ کیا ذکر وہ نعمتوں کا مقدار اہل جنت اس شخص کی طرح ہوگا کہ هُوَ خَالِدٌ فِيهِ اور جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والا ہوگا۔ کفر و شرک اور معاصی کے مرتکبین، دنیا میں غلط پروگرام کر غلط پراپیگنڈا کے ذریعے چلانے والے، جوشہ کے لیے دوزخ کا ایندھن بن جائیں گے اور جیسے اس آگ میں انہیں پیاس سکنے کی اور وہ پانی طلب کر رہے گے۔ سُقُوا نَارًا حکیمانہ زبان میں کہیں ہوا پانی چاہا جائے گا۔ جو پانی کوئی دوزخی ایک گھنٹہ پانی حلق سے نیچے آئے گا۔ فَقُطِعَ رِيقُهُ اور هُوَ قَرْنٌ کی آنتیں کٹ کر نیچے گر پڑیں گی۔ اس کے بعد آنتیں پھر اپنی اصلی حالت پر آجائیں گی۔ پیاس کی شدت سے وہ پھر پانی پیں گے، آنتیں دوبارہ کٹ جائیں گی اور یہ عمل مابی طرح جاری رہے گا۔ اس قسم کے عذاب کا ذکر انسانی کماؤں کے متعلق بھی آتا ہے۔ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ جولوگ گنہگار بنے انہیں جولوگ اذیتیں پہنایاں دے دوں گا وَقَوْلَا لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۵۶۔ جو پانی کسی دوزخی کے جسم کی کمال آگ سے جل جائے گی، اس کی جگہ دوسرا کمال پنا دی جائے گی تاکہ وہ اس مسلسل عذاب کا مزہ چکھتا رہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اور اہل دوزخ کا یہ تقابل بھی کر دیا ہے۔ بلکہ لوگ اس میں غور و فکر کر کے پہنچنے سے صحیح منہام تلاش کر سکیں۔

خمس ۲۰
دس پنجم ۵

حسمہ ۴۰
آیت ۱۶ تا ۱۹

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ
قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنفَا أُولَئِكَ الَّذِينَ
طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَازَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۖ فَهُمْ
يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ
أَشْرَاطُهَا فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَهُمْ ذِكْرُ لَهُمْ ۖ فَانْظُرْ
أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُقَبَّلَكُمْ وَمُؤْخَاكُمْ ۖ

ترجمہ: اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو
کان نکلتے ہیں آپ کی طرف یہاں تک کہ جب وہ
آپ کے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو اللہ علم
سے کہتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی کیا کیا؟ یہی
لوگ ہیں کہ اللہ نے شر کو دی ہے ان کے دلوں پر
اور انہوں نے پیروی کی ہے اپنی خواہشات کی ۱۶ اور
وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، زیادہ کی ہے اُس
نے ان کے لیے ہدایت اور دیا ہے ان کی کہ ان کا
تقویٰ ۱۷ پس یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر
قیامت کا کہ آہائے ان کے پاس پہنچے، پس جیک

کیونکہ ان کے نزدیک دین و حق کی کوئی حیثیت نہیں، لہذا وہ استہزاء کے طور پر پہنچتے ہیں کہ بعد بتلاؤ قرآن شخص نے کیا بات کی ہے؟ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے واقعی کچھ نہ سمجھا ہو کیونکہ وہ آپ کی بات کو سننے کی توجہ نہ کرتے تھے۔ مجلس میں چار طرح بات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی تو وہ اس کا مطلب کیا سمجھتے؟ اس قسم کے لوگ منافقین کے گروہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اللہ نے اہل ایمان کو اس کے اندر دینی دلائل سے آگاہ کیا ہے۔

منافقین کا حال قرآن پاک کی بہت سی سورتوں میں بیان ہوا ہے، ایک منافقین کے نام سے ایک مستقل سورت بھی مسموم ہے۔ اللہ نے جگہ جگہ ایسی کثرت بیان کی ہے اور ان کے بڑے انجام کا تذکرہ کیا ہے۔ جو شخص نبی یا کسی دوست شخص کی مجلس میں بیٹھا ہے، جہاں دعوایہ نصیحت کی بات ہو رہی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ بات کو غور سے سنے۔ جو شخص کسی بات کو توجہ کے ساتھ سنتا ہی نہیں، اس سے اللہ عزوجل کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ نام سفیایں ہیں جو عیسائی جو دہم جو مسیحی کے شاگرد اور نام بھاری کے استاد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص پر اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بات کو سننے، سمجھنے، پختہ کرنا ضروری ہے جب میں کچھ قرآن دوست غریبوں میں پڑھتا ہوں کہہ کرے اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اس کے بعد تیسرا درجہ یہ ہے کہ نصیحت کی اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے تاکہ بھولنے نہ پائے۔ اس شخص کی چوتھی ذمہ داری یہ ہے کہ جس بات کو سن کر سمجھا ہے اس کے ذہن نشین کر لیا ہے اس پر عمل بھی کرے۔ اور پھر اس کی پانچویں ذمہ داری یہ ہے کہ نیچا کی اس بات کو دوسروں تک پہنچائے۔

فرمایا ہر لوگ یہ پانچ ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے بلکہ پہلے درجے میں کسی اچھی بات کو توجہ سے سنتے ہی نہیں تو لکھتے الَّذِينَ جَاءُوا اللَّهَ عَنِ
الْغَيْرِ دیکھ کر یہ وہ لوگ ہیں کہ جن لوگوں پر اللہ نے مقرر کر دی ہے، ان کے دل میں کوئی اچھی بات داخل ہی نہیں ہوتی، لہذا وہ اس میں غور کرتے ہیں، ذہن نشین

کرتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرنے کی نصرت آتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ انہی سے
 نیکی کرنے کا توفیق ہی عطا کر دیتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا
مَعَهُ کہ وہ اپنی خواہشات کے پیچھے ہی چلتے رہتے ہیں۔ پھر وہ اصل دین کی پہلے کھڑے
 شرک، جہالت اور رسم و رواج ہی کا ابتلاغ کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد وَالَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا مَعَهُ ہدیہ بن لوگوں نے
 مگر ابھی کہ چھوڑ کر ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اعانہ
کر دیتا ہے اور انہیں اس ہدایت پر چلتے ہوئے نیکی کی مزید توفیق نصیب ہوتی ہے
 اور اس طرح ان کے درجات بلند سے بلند تر ہوجاتے ہیں اور وہ سری ہدایت ہے
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔ وہ نہ صرف
 بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں بلکہ اس تقویٰ کی وجہ سے عموماً اعمال نیکوں کے
 بھی قریب نہیں جاتے اور اس طرح وہ اس دنیا کی آوازشوں سے بچ کر نکل جاتے
 ہیں۔ انہیں کفر، شرک، جہالت، سماجی اور رسم و رواج سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے
 اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا رہتے ہیں۔ یہ ہدایت یافتہ
 لوگ ہیں۔

اب دین جن کو پوری طرح واضح ہو جانے کے بعد جو لوگ اس قرآنی پروگرام کا احاطہ
 کرتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَقَدْ يَنْظُرُونَ لَا تَنْتَظِرُ
أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً پس یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر قیامت کا کہ آجائے
 وہ ان کے پاس اچانک مطلب یہ کہ حقیقت حال واضح ہو جانے کے
 بعد اس کو قبول نہ کرنا مگر قیامت کا انتظار کرتا ہے تاکہ ان کے درمیان حق و باطل
 کا حق فیصلہ ہو جائے۔

سعادت کے کئی سنیے آتے ہیں مثلاً اس سے مراد انقلاب کی گھڑی بھی ہو
 سکتی ہے اور نئے دلوں پر یہ گھڑی تلخ گدہ کے دہن آتی تھی۔ جب اللہ نے ان کو شکست
 دی اور وہ ذلیل و خوار ہو کر اللہ کے نبی کے سامنے حاضر ہوئے۔ سعادت سے

ہدایت یافتہ
 لوگ

قیامت کا
 انتظار

مغلوب ہونے کی گھڑی بھی ہو سکتی ہے اور یہ ذراکت کا نذر ہو رہا ہے جس سے مسلمان بھی دوچار ہوتے سب سے ہی مسئلہ میں مسلمانوں پر بھی مغلوبیت کی گھڑی آئی تھی جب پاکستانی دولت ہو گیا۔ اور مسلمانوں کے نوے ہزار افراد ہندوستان کی قید میں پئے گئے۔ سماعت سے موت کی گھڑی بھی مراد ہو سکتی ہے جب کسی انسان کی زندگی کا ہی خاتمہ ہو جائے اور اس عرصہ سے قیمت کی گھڑی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں لکھا ہے تو مطلب یہ ہے کہ ہر لوگ ہدایت کو نہ خود مستہول کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو ان کے قریب آنے دیتے ہیں، ان کا راستہ روکتے ہیں تو کیا وہ قیمت کے منتظر ہیں کہ وہ بہا ہو کہ ان کے تعلق صحیح صحیح فیصلہ کر دے اور یہ دانی ہزاروں میں مبتلا ہو جائیں ؟

مشرکے فرمایا کہ اگر یہ لوگ قیامت ہی کے منتظر ہیں فَقَدْ جَاءَ
اَشْرَکُھَا قُرَآئِیْنٌ کی کتابیں تو آپ کی ہیں۔ خود نزولِ قرآن کے زمانہ میں بعض کتابیں
 قیامت کا ظاہر ہو چکے تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ قیامت کی سب سے بڑی
 نشانی حضورِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہے۔ تمام سابقہ انبیاء آپ ہی کی
 راہ دیکھتے تھے۔ جب آپ تشریف لے گئے اور تخلیقِ کائنات کا مقصد حاصل ہو
 چکا تو اب قیامت ہی باقی ہے، اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی دوسری امت
 ہوگی۔ جزیرہ اشرا کا آخری نبی آپ کا لہذا اب قیامت کا آنا ہی باقی ہے۔ اس کے
 علاوہ قرآن کا نزول بھی قیامت کی نشانی ہے۔ معجزہ شریفِ انعامؑ کی سب سے بڑی
 اہم کمرہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اشتر نے فرمایا اِقْبَلْ یَا بَنُو الْاَسْفَلِ
وَاَنْشِقْ الْقَطْعُ وَالْقَرُ (۱) قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ صحیح روایت
 میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگشتِ شہادت اور درمیان
 انگلی اکٹھا کر کے فرمایا کُلُّھُنَّ یَمِیْنٌ یعنی سب کی قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے
 جس طرح یہ دو انگلیاں اکٹھی ہیں۔ اہل درمیان والی انگلی انگشتِ شہادت سے ذرا
 آگے نکلی ہوئی ہے، اسی طرح میں قیامت سے ذرا آگے آگیا ہوں۔ میرے پیچھے

المطبخ

اب قیامت ہی آنے والی ہے، کوئی دوسرا پروگرام نہیں آئے گا۔

قیامت کی بعض نشانیاں تو آچکی ہیں اور بعض بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہونا باقی ہیں۔ مثلاً صبح صرشت میں آتا ہے کہ قریب قیامت میں دین کا علم اٹھایا جائے گا۔ اور دین کے علاوہ دوسری چیزوں کی تعلیم و حکم عام ہوگی۔ جہالت زیادہ ہو جائے گی، شراب نوشی عام ہوگی اور حرکات و سکنات کی دھجک مرد کم اور عورتیں زیادہ ہوجائیں گی جنہو علیہ السلام کا یہ فرمایا بھی اِنَّا وَفَّيْنَا الْقَائِمَةَ الْفَاسِقَةَ الْفَاجِرَةَ فَانْتَظِرُوا السَّاعَةَ جب معاملات اہلوں کے سپرد کر دیے جائیں گے تو پھر قیامت ہی کا انتظار کرنا۔ اتنی بڑی بڑی نشانیاں میں وہاں اور مہج ماجراج کا خروج، مسیح علیہ السلام کا نزول اور سورج کا مغرب طالع وغیرہ شامل ہیں۔
 انفرس! فرمایا کہ تم قیامت کا انتظار کرتے ہو۔ اس کی بعض نشانیاں تو ظاہر ہو چکی ہیں قَالَتْ لَقَدْ خَرَأْنَا جَاءَهُ فَنُفُوزُ كَرَاهِيَتِهِمْ قِيَامَتِ بَرَاءِ
 ہی ہوگئی تو اس کی نصیحت پکڑنے کا کہاں موقع ملے گا۔؟ اس وقت تو قرب کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا اور پھر کوئی عمل بھی کام نہیں آئے گا۔

انگلی کہت ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآنی پروگرام خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا پروگرام ہے۔ اس سے کسی کی ذات، غنہ یا پاکہ کا مفاد وابستہ نہیں بلکہ یہ پروگرام قرآن میں جو خلق اللہ سے استوار کرنا چاہتا ہے، اسی سے فرمایا قُلْ لَكُمْ غُوبِ اہی طرح جان لو اور اس حقیقت کو ذہن نشین کر لو اِنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، محمود برحق صرف وہی ذات ہے اللہ کے علاوہ کوئی ہستی ایسی نہیں جو خالق، مالک، عظیم کل، قادر مطلق، مشکل کشا اور حاجت روا ہو۔ فتح و شکست اور اقبال و اولیاء سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ جب یہ تمام ذات صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں تو پھر اس کے سوا عبادت کے لائق بھی کوئی ذات نہیں ہو سکتی۔ یہی وحدانیت کا پروگرام ہے جس کی مخالفت بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔ یہاں پر یہ امر وضاحت طلب

ہے کہ اگر فائدہ کا خطاب پیغمبر علیہ السلام کی ذات سے تو وحدانیت پر قائم
 رہنے کا حکم ہے۔ اور اگر یہ خطاب عام لوگوں کو ہے تو ان کو اس طرف متوجہ کرنا
 اور اس پر وگرام کو اختیار کرنے کی تلقین مقصود ہے۔

ہستہ رک
 تعلیق

آگے ارشاد ہوا ہے وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ذَنْبًا کے پیغمبر اکرم اپنی
 کتابوں کی بخشش طلب کریں وَقَالُوا مِثْلُ شَيْءٍ وَالْعِزُّ لَنَا وَلَهُ اور آپ
 مومن مردوں اور مومن عورتوں کیلئے بھی بخشش کا سوال کریں۔ اس مقام پر ذہن
 یعنی گناہ کر پیغمبر علیہ السلام کی ذات کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ اللہ کے
 سامنے نبی صفا ثناء و کثرت سے پاک ہوتے ہیں۔ مفسرین کرام اس اشکال کا جواب
 یہ دیتے ہیں کہ یہاں پر پیغمبر کی معمولی لغزش گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ
 درحقیقت وہ گناہ نہیں ہوا۔ چونکہ انہوں نے کرام اللہ کی بارگاہ کے حاضر داخل لوگ
 ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی معمولی ہی کوتاہی پر بھی گرفت ہر جاتی ہے۔ اس سس کی
 مثال سورۃ عبس والا واقعہ ہے۔ حضور علیہ السلام بعض سروران قریش سے دین کے
 متعلق مخاطب تھے کہ سنتے ہیں ایک ابن ابی معالی حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کا
 آئے اور انہوں نے آپ کے خطاب میں داخلت کر کے حضور علیہ السلام کو اپنی طرف
 متوجہ کرنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے اس کا برا نہ کیا۔ بلکہ آپ تبلیغ کا ایک اہم قریضہ
 اتمام حصے کے تھے۔ اس معمولی ہی لغزش پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف تنبیہ ہو گئی۔
عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ذَا ذُنُبًا (۱) آپ چہن کہیں ہرے اور نابینا صحابی کی طرف انکشت
 نہ کیا۔ الغرض یہاں پر گناہ کی معافی کا مطلب یہ ہے کہ آپ چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں
 پر بھی اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے رہیں اور ساتھ ساتھ اپنی امت کے لوگوں
 کے لیے بھی بخشش کی دعا کریں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میں دن
 میں سو سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ میرے دل پر ایک تاریکی
 سی چھا جاتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ تاریکی حضور علیہ السلام کے قلب ذہن
 کی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ماحول کے اثرات کا نتیجہ ہوا تھا۔ جس طرح آگ کے دھوئیں

کا اثر اور گرو کے ماحول پر ہوتا ہے اسی طرح دوسکھ لوگوں کی کتابوں کا اثر بھی کی ذات پر بھی ہوتا ہے جس کو تدریک سے تعمیر کیا گیا ہے۔ فرمایا اسی لیے میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرتا رہتا ہوں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں۔ کی ٹیڈنگ سے مراد حضور علیہ السلام کے ذاتی گناہ نہیں بلکہ امت کے گناہ مراد ہیں جس کے لیے غمش طلب کرنے کی تہنیں کی گئی ہے۔

بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہاں پر مذکور ذنب سے گناہ مراد نہیں بلکہ امکانی ظلمات مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ساری کائنات ممکن ہے۔ یہ عدم میں تھی اور جب وہ دم میں آئی تو اس کی خلقت محسوس ہونے لگی، واللہ اللہ کا نبی اس امکانی خلقت سے بھی استغفار کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ دیکھتے ہیں کہ ایک دفعہ باوجود یہ بھٹائی نے ساری رات لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ورد کرنے کا ارادہ کیا مگر جب یہ ورد شروع کیا تو بچپن کی ایک کتاب ہی یاد آگئی۔ چنانچہ وہ کتاب ہی یاد کر کے شرم محسوس کرنے لگے اور ذکر کرنے کی جرأت دیکر نکلے کہ اس کتاب ہی کی موجودگی میں میں اللہ کو کیا سزا دیکھاؤں اور یکے اسی کا ذکر کروں؟ پھر حال ان امکانی تمہیکیوں یا بشری قصصوں کی جو خامیاں ہوتی ہیں، اللہ کے نبی اسی سے بھی استغفار کرتے رہتے ہیں۔ غرضیکہ ذنب اگر نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جائے تو اس سے مراد گناہ نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ نبی موصوم ہوتا ہے۔ وہ ایک حیثیت سے تو خدا کا پیغمبر ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے اور دوسری حیثیت سے اس پر جماعت بھی ہوتا ہے۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جماعت کی غلطیوں میں اس پر بھی شامل ہوتا ہے اگرچہ وہ ذاتی طور پر حق میں شامل نہ ہو۔ اسی لیے بہت سے مواقع پر حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کی غلطیوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً حضرت اسدؓ نے ایک کلوگر کو قتل کر دیا تو آپ نے اس پر جنگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ جب یہ شخص قیامت ملے دن لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ملے کہ اللہ کے حضور پیش ہوگا تو تم کیا جواب دو گے؟ اسی طرح حضرت خالد بن

حضور
بجائے
امیر جماعت

دلید نے ایک شخص کو غلطی سے قتل کر دیا۔ جنگ ہو رہی تھی اور وہ شخص قتل کا مستحق نہیں تھا۔ مگر کسی طرح ہو گیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں التجا کی کہ پورا دنگار! میں اس غلطی سے بڑی ہمدردی سے سوز رہتا ہوں ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ جماعت کی غلطیوں میں کسی حد تک ایسے جماعت بھی شریک ہوتا ہے اس وجہ سے بھی نجات کا استغفار ممکن ضروری ہے۔

استغفار کے
شیطان کی
چوکت

حدیث میں آتا ہے کہ شیطان نے کہا کہ لوگوں نے مجھے دو چیزوں سے ہٹا کر دیا ہے۔ پہلی چیز یہ ہے أَهْلَكَ كَلْبِي يُبَدِّلُ اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ سب لوگ غلوں نبوت کے ساتھ ٹھکر طیبہ پڑھتے ہیں کراہیں تباہ و برباد ہوتا ہے کیونکہ اگر پر حیرت و مدائیت محنت ناگرا گزرا ہے۔ شیطان کی چوکت کی دوسری وجہ استغفار ہے جب لوگ استغفار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیاں معاف کر دیتا ہے اور یہی چیز شیطان کے لیے چوکت کا باعث بنتی ہے کہ وہ انسانوں کو درغلانے میں ناکام رہے۔ الغرض! شیطان نے کہا کہ جب میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے کلمہ طیبہ اور استغفار کی وجہ سے ہٹا کر دیتے ہیں تو میں نے انہیں خواہشات میں ڈال دیا اور کبھی بدعت کے راستے پر ڈال دیا بدعت ایسی خطرناک بیماری ہے جس کو انسان نیکی کوہ کر کرتے ہیں اور پھر عمر بھر انہیں اس سے توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ موت کی تمام صورت، قتل، چالیسوں عرس وغیرہ سب بدعت میں شمار ہوتی ہیں۔ حدیث طریف میں آتا ہے مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَقُولُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ جَوَادً اس حالت میں مر گیا کہ وہ جانتا ہے یعنی دل میں یقین رکھتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ کیونکہ یہ نجات کا کلمہ ہے۔ بہر حال فرمایا کہ آپ بخشش طلب کریں اپنی کوتاہیوں کی اور ان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی وَاللَّهُ يُعَلِّمُ مَنِ ارْتَضَىٰ وَمَنْ شَاءَ كَلَّمَ اللّٰهَ تَعَالٰی جانتا ہے تمہارے ہلٹ کر جانے کی جگہ کو اور تمہارے ٹھکانے کو بھی۔ چلنے کی جگہ دنیا بھی ہو سکتی ہے اور برزخ بھی۔

منظور سے مراد فریڈلینڈتس پریس پر میری تعلق المارتھن پر
چلتا ہے کہ فریڈلینڈتس پریس پر !

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا كَلَّا نَزَلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ
 سُورَةٌ مِّنْ خُكْمَةٍ وَذَكَرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي
 قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يَنْظُرُونَ ذَلِكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ
 مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ ⑤ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ
 فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ⑥
 قَهْلَ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفِيدُوا فِي الْأَرْضِ
 وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ⑦ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ
 وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ⑧

ترجمہ: اور کہتے ہیں بیان ملے کہ کہیں نہیں آئی
 گئی کوئی سورۃ۔ پس جب آئی جاتی ہے کوئی سورۃ تم
 کو تو کہہ کیا جاتا ہے اس میں جنگ کا، دیکھو گا تو
 اسی گلوں کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ وہ دیکھتے
 ہیں آپ کی طرف ایسے شخص کی طرح جس پر غشی جاری
 ہو موت کی وجہ سے اس پر ہکمت ہے اسی کے لیے ⑤
 حکم ملتا ہے بات کرنا کستہ کے مطابق (مناسب ہے)
 پس جب پختہ ہو جائے بات، پس اگر یہ سچ کر
 دکھاتے اللہ تعالیٰ کے سامنے تو البتہ ان کے لیے بہتر
 ہوتا ⑦ پس شاید کہ اگر تم بدگروائی کر لو گے تو ناد

کرو گئے زمین میں اور قطع کر دیے اپنی قرآنوں کو ﴿۱۶﴾
 یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے انکی پر صفت بھیجی ہے ، پس
 ان کو بہرہ کر دیا ہے اور اندھا بنا دیا ہے انکی آنکھوں
 کو ﴿۱۷﴾

ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے منافق لوگوں کی مذمت بیان فرمائی اور
 ساتھ تاکید فرمائی کہ اللہ کی وحدانیت پر بہت قدم رکھو کہ وہی کا قصور ہی ہے
 اور جیسا وہی کے لیے فرض کیا گیا ہے عقیدے اور فکر کی مخالفت بہت بڑی ہنر ہے
 اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ اللہ نے اس پر لوگوں
 کی مخالفت کرنے والوں کی ناکامی اور نرازی کا ذکر بھی کیا ۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اپنی تعزیرات
 اور کتبوں کی رب تعالیٰ نے غمش غلب کرتے رہیں ، اللہ تعالیٰ ہر شخص کے پختے
 کی جگہ اور اس کے ٹھکانے کو جانتا ہے ۔

ملاحظہ فرمائیے
 منافقین کی حالت

اب آئیے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت بیان کی کئی
 ہے اور اہل ایمان کے طریقے کو اللہ نے پسند فرمایا ہے ۔ اللہ نے ان کی تعزیرات کی
 ہے اور ان کی بہتری کی خوشخبری سنائی ہے ارشاد ہوتا ہے وَيَقُولُ الَّذِينَ
آمَنُوا اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں كَوْلَا يُزِيلُ عَنْكَ سُورَةُ الْاٰیٰتِ
سورۃ کیوں نہیں نازل کی جاتی جس میں جبار کا حکم ہو ۔ اہل ایمان کفار و مشرکین کی
 ایذا و مایوسوں سے سخت پریشان تھے ۔ ان کی طرف سے ہر وقت غلو و غبار ہوتا تھا
 ہذا اسلامی چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ دو دروازے ہو جو جانے چاہیں تاکہ ان کے
 اور ہمارے درمیان فیصلہ ہو جائے اور آئے دن کی پریشانی سے نہایت مل جلے ، یہاں
 یہ امر قابل ذکر ہے کہ انی دور میں مسلمانوں کے لیے حکم تھا كُلُّوْا اٰیٰتِیْ كُرْ وَاَقْبِسُوْا
الْعَسَلٰوَةَ وَأَكْلُوا الْحَلٰوَةَ (انعام ۱۴۱) ، پائے انھوں کو چمک سے رکھو رکھو ۔ اور
 نازانہ کر کے رہو اور نکرانہ نیٹے رہو ۔ اپنی تعلیم کو درست کر دو اور اعمال کی اصلاح کئے
 رہو ۔ پھر جب مٹی نص ایسا کر اہل ایمان کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی سورۃ نازل فرمائے

طے پا جانے تو پھر صحیحہ ٹھٹھا اشر اور اس کے رسول کو دھوکا دینے والی بات ہے جہے کسی صورت میں بھی بیزاشت نہیں کیا جاسکتا۔ جب کسی معاملہ میں واقعہ طور پر ہی نہیں آئی حتیٰ تو حضور علیہ السلام ایسے معاملہ میں صحابہ سے مشورہ طلب کرتے، پھر باہمی مشاورت میں جو بھی طے پاتا اُس کے مطابق عمل کر گزرتے۔ اس کی مثال غزوہ احد کا واقعہ ہے۔ جب کھدہ نے دینہ پر چڑھائی کی تو حضور علیہ السلام نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ شہر میں رہ کر دشمن سے دفاع کرنا چاہیے یا شہر سے باہر کھلے میدان میں مقابلہ ہو۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا بہتر تھا۔ اہل ایمان تو اس فیصلے پر غور و فکر کے لیے جبل احد کی طرف چل چکے تھے مگر منافقوں نے یہاں بھی بددلی دکھائی اور طے سے واپس کھینچے۔ اسی لیے اشر نے فرمایا کہ اشر اور اُس کے رسول کی اطاعت اور اپنی بات پہل چاہئے، جیسے ہمارے سے اشر کے رسول کے فیصلے سے انحراف و انکسار کی ممانعت ہے۔ فَرَأَىٰ لَهُمْ فِي مَقَامِكَ مَكَّةَ لَبَّاسًا بَدَلًا لِّبَاسٍ لَّكِنَ هُمْ لَا يَفْقَهُوْا شَيْئًا مِّمَّا يَكْتُبُ اللَّهُ اپنی اطاعت گزاری کی سچی ثابت کریں اور ہمارے منہ نہ مڑیں تو اسی میں ان کی بہتری ہے۔ اشر کے نبی کے حکم کے مطابق صلح و جنگ کے ہر معاملہ میں بخلافی شریک ہوں اور دل میں کسی قسم کی کدھت نہ آنے دیں، جہاں جانی اور مالی قربانی کی ضرورت ہو، بلا تردد پیش کر دیں اور اپنی بات کو سچ کر دکھائیں تو باوجود یہ چیز ان کے لیے بہتر ہے۔

آگے اشر قرآن نے ایک اور بات ارشاد فرمائی ہے فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُكْرِمُوْا رُكُوٰى كُرْمٍ لِّمَنْ جَاهِلٌ اَنْ يُكْرِمَ اَنْ لِّغِيْبًا فِي الْاَرْضِ لَكُمْ رُكُوٰى زَمِيْنٍ میں غداروں کو کھانے کے مترشح ہو گئے وَقَتْلُوْهُمُوْا اَنْ تَحْمِلُوْهُمُوْا اور قتل بھی کر دے گئے۔ اگر بوقت ضرورت میدان جنگ میں نہ نکلے تو اس کا یہی مطلب لیا جائے گا کہ یہ زمین میں اصول کی بجائے غدار چاہتے ہیں جہاں تو رہا ہی اس لیے ہے کہ اشر کا کہ جہد ہو اور زمین امن و امان کا گموارہ بن جائے اور اس کے بدعنوان، اگر قوم اس نیک مقصد میں شریک نہیں ہوتے تو ظاہر ہے کہ تم

چوئے طئے الشراذشوں کو شکست دے اور ان کو دہم بہم کہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس جہاد کا مقصد اس کتاب کے پود گرام کو بھڑکانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل فرمائی ہے اور اس کے ذریعے دنیا سے فتنہ و فساد کو مٹانا مقصود ہے۔

فرمایا جو لوگ خداوندی الامراض اور طبع رومی کے مطلب ہوتے ہیں اُولَئِكَ الْقَبِيحُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ عِی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت برتی ہے۔ لعنت کا معنی رحمت سے دوری ہوتا ہے، چنانچہ ایسے لوگ اللہ کی رحمت کے قریب ہی نہیں جاسکتے بلکہ ان پر ہمیشہ پیشکار ہی پڑتی رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فَاَلَعَلَّہُمْ اللّٰہُ تعالیٰ ان کی ہر دگر دیانت سے جس کی وجہ سے ان کے کان حق بات کو سننے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ تَبَرَّأْتُ اَبْنَاءِ کُفْرٍ اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیتا ہے جن کی وجہ سے وہ صحیح چیز کو دیکھنے کی طاقت ہی نہیں پاتے۔ ان پر خواہشات کی آہ کی چھا جاتی ہے اور خود غرضی غالب آجاتی ہے، اور مفاد عامہ کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو پاتے، غرضیکہ انہیں اپنے مفاد کے علاوہ نہ کچھ سنائی دیتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی چیز نظر آتی ہے۔ وہ ہرے اور اندھے ہو جاتے ہیں اور ان پر ہمیشہ لعنت پڑتی رہتی ہے۔ غرضیکہ اللہ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اگر کسی وقت تم اللہ اور اس کے جہاد کو مست بل ہائے توصل و انصاف کو قائم کرنا، عظیم و زیارتی کا طبع تلخ کرنا، کمزور مخلوق کی خدمت کرنا اگر خدا تعالیٰ کی خوش کردی کے ساتھ ساتھ مخلوق کی دعا کی بھی تمہارے شامل حال ہو جائیں۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۚ الْقُرْآنَ أَعْرَضَ عَلَى قُلُوبِ أَقْفَالِهَا ۚ إِنَّ
الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ
الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكَ فِي
بَعْضِ الْأَمْرِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ۚ ۝۲۸
الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا اسْتَحْضَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ ۚ فَلَحِظُوا
أَعْمَالَهُمْ ۚ ۝۲۹

ترجمہ: کیا نہیں غور کرتے یہ لوگ قرآن میں؟ کیا ان
کے دلوں پر تلے گئے ہوئے ہیں؟ ۝۲۸ جیسا کہ
لوگ جو پھر گئے اپنی پشتوں پر بعد اس کے کہ واضح ہو
چکا ہے اُن کے لیے ہدایت، شیطان نے اُن کو
فریب دیا ہے اور دیر کے وعدے کیے ہیں ۝۲۹ یہ
اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا اُن لوگوں سے جنہوں نے
ناپسند کیا اُن چیز کو جس کو اللہ نے امارا ہے، ہم تمہارا
بات مانیں گے بعض معاملات میں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا
ہے اُن کے پوشیدہ مشوروں کو ۝۳۰ پس کیسے ہوگا
جب کہ وفات دیں گے اُن کو فرشتے، اور یہ گئے ان

زمین میں فساد اور قلعہ جی کرنے لگو۔ لوگوں کو بات سمجھ میں آگئی اور انہوں نے صاحبِ اولاد و نڈیوں کو فرخست کرنا چھوڑ دیا۔

اشر اور اس کے لڑکوں کو جو رعایات دیکھیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی لڑکی اپنے ایک کی اولاد دیتی ہے تو اس کی وجہ سے لڑکی کو فرخست کرنے کا حق ملتی نہیں رہتا۔ اس لڑکی کو ایک درجہ کی کمزوری حاصل ہوتی ہے اور اس کا فرخست کرنا قطعاً رخصی میں شمار ہوتا ہے۔ مکتاب کا بھی یہی حال ہے جب ایک اور غلام کے درمیان مکتابت کا معاہدہ طے پائے تو وہ غلام آزاد ہو کر کاڑیا کرنے لگتا ہے تاکہ مقررہ رقم ایک کو ادا کر سکے۔ اب ایسے غلام کی فرخست بھی روا نہیں رہتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے غلام سے کہے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ تو اب اس غلام کو بھی کسی مذمت آزادی حاصل ہوگئی، اس کو بھی فرخست نہیں کیا جاسکتا۔

تدبر فی القرآن

منافقین کے نفاق، شرارتوں اور ریشہ دوانیوں کے پیش نظر اشر نے فرمایا
اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ القرآن کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے کہ اس کی تعلیم
 کیسے بے مثال ہے جو نئی نیا انسان کو شرفِ فدا کی تاریکیوں سے نکال کر اس و
 سلامتی کی روشنی کی طرف لاتی ہے اَفَرَأَيْتُمْ اَفْئَالَهُمْ کیا ان کے دونوں
 پرانے پٹے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے یہ سوچنے نہ کھنے کی صلاحیت سے محروم
 ہو چکے ہیں۔ اگر یہ لوگ قرآن کی تعلیم کے پر و گرام پر غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا
 کہ جس جہاد سے یہ منہ موڑ رہے ہیں اسے اپنے لیے ہلاکت کا سبب سمجھنا چاہیے۔
 یہی جہاد دنیا میں امن و امان کے قیام کا ضامن ہے لہذا اس کے ذریعے قرآن کی
 راہیں کھلتی ہیں۔ اس کے برخلاف جہاد سے گریز کرنے والوں کے دلوں پر آنے
 لگ جاتے ہیں اور وہ رنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ سورة الطغیثین میں ہے ۔
كَذَلِكَ يَكْفُرُونَ اَن كَلَّمُوا بِرُحْمًا مَّا كَانَتْ اَنفُسُهُمْ يَكْفُرُونَ (آیت ۱۴)
 ان کے ہنس اٹھانے کی وجہ سے ان کے دلوں پر رنگ چڑھ گئے ہیں۔ سورة بقرہ

میں فرمایا خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ (آیت ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اللہ کی نافرمانی کرتے کرتے ان کے دل سیاہ ہو چکے ہیں جو سچی کسی بات کو قبول ہی نہیں کرتے۔

وہیں سے
اگر تیار

فرمایا کہ جو لوگ قرآن کے پروگرام کو تسلیم نہیں کرتے ان کے متعلق یہی صحابہ نے لکھا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَى أَذْبَانٍ وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ لہذا اُنہوں نے بے شک وہ لوگ جو یٹ گئے اپنی پشتوں پر بعد اس کے کہ ان کے لیے ہدایت کا راستہ واضح ہو چکا ہے الشَّيْطَانُ سَوَّاهُ لہذا اُن کی شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے وَأَمَّا كِتَابُهُمْ اور ان کے ساتھ ہے وعدے کیے۔ شیطان اُن کو جگہ کے خوفزدہ کرتا ہے کہ جہاد میں شریک ہو گئے تو اسے جاؤ گے اور تمہاری بیویاں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں گے اور تمہارا دل بھی ضائع ہو جائے گا۔ اللہ نے شیطان کی ایسی ہی باتوں کو فریب اور دھوکہ قرار دیا ہے۔

عام طور پر مرتد سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جو دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لے یعنی یہودی، عیسائی، ہندو یا سکھ ہو جائے۔ اہم اگر کوئی شخص اگر تجدید پٹھن کے باوجود دین کے احکام پر عمل کرنے سے گریز کرتا ہے مثلاً جان بوجھ کر جہاد میں شریک نہیں ہوتا تو وہ بھی مرتد کے حکم میں آئے گا۔ اس سلسلے میں مرتد کی بعض علامات بھی بیان کی گئی ہیں مثلاً جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اُس کی وفاداری اسلام کے ساتھ مشکوک ہے۔ اسی طرح جو شخص جماعت میں شریک نہیں ہوتا وہ بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ بخوشیکہ جہاد ایک اتنی ضروری چیز ہے مگر منافق اس سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور علیہ السلام دس سالہ مکی زندگی میں انیس جنگوں میں بغیر انھیں شریک ہونے میں اُٹھایا تو غزوات میں افضل جنگ نہیں ہوئی۔ جب اللہ کا نبی جہاد کی خود کمانڈ کرتا ہے تو پھر کیسے نہ جانے والا منافق ہی ہو سکتا ہے۔

فرمایا منافقوں کو شیطان نے فریب دے رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ جبار
ہیں شریک نہیں جہتے۔ اُن کی حالت یہ ہے ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَإِذَا دُئِ
نَاجِھُوا مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ كُذِّبُوا انہوں نے اُن لوگوں سے کہا جو مشرک تزلزل کر دے ہدایت
کو پسند کرتے ہیں یعنی سید و نصاریٰ پہنچنے اتفاق کو ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں
کہ سَنُطِيعُكُمْ قُلُوبًا بغیر اَلَا مَوْجِبِہِمْ بعض معاملات میں تمہاری بات مانیں
گے۔ مطلب یہ کہ ہم بظاہر تو مسلمانوں کے ساتھ ہیں لیکن اگر جنگ کا موقع آگیا
تو ہم تمہارے خلاف میدان میں نہیں نکلیں گے۔ گویا اہل کتاب کو اپنی وفاداری کا
بیٹن دلاتے ہیں۔ فرمایا وَاللّٰهُ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ اللہ تعالیٰ اُن کے پوشیدہ
رازوں اور مشوروں کو جانتا ہے کہ وہ کس قسم کی سازش کر کے اسلام دشمن قوتوں
کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ سورۃ البقرہ میں منافقین کی اس دروغی پائیں کو اس
طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ اہل ایمان سے ملنے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو
ایمان لا چکے ہیں اور جب وہ اسلام کے دشمنوں کے پاس جاتے ہیں قَالُوا
لَا مَعَکُمْ (معا) تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں مسلمانوں کو خلیل جبریل
کا مقصد تو محض اُن سے ٹھٹھا منور کرنا ہے۔ ہم اُن سے بعض مفاد حاصل کرنے
کے لیے اُن کی مجلسوں میں جاتے ہیں اور نہ ہماری تمام تر جہد ویاں تمہارے ساتھ
ہیں اور ہم تمہاری ہی پارٹی کے آدمی ہیں۔

پھر اللہ نے ان منافقوں کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہرکت ہے ۔
فَکَیْفَ اِذَا نَزَّلْنَاهُمُ الْقٰیَکَۃَ اَوْ سَ وَقَتِ اُنْ کَاکِبًا مَّالِہِ رَکَاۃً جب
فرشتے اُن کی جانب سے آئیں گے یُضْرِبُوْنَہُمْ وَّجُوْہُہُمْ وَاَنْۢبَاۡرُہُمْ
وہ اُن کے پیروں اور پشتوں پر ضربیں لگائیں گے اور کہیں گے کہ اپنے کپے کا
اب مڑا چکسو۔ دنیا میں تم قرآنی پروگرام کی مخالفت کرتے رہے اور سید و نصاریٰ
سے ساز باز کر کے اہل ایمان کو نقصان پہنچاتے رہے۔ اب فرشتوں کی مار کا
سانا کرو۔ تمہاری مخالفت کا سبب بدل رہا ہے۔

أَرْحَبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَصْفَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَتَعْرِفَهُمْ بَينَهُمْ وَتَعْرِفَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكَ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْكَ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ الْغُبَارَكَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحِطُّ أَعْمَالَهُمْ ۝ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝

ترجمہ: کیا ان کہتے ہیں کہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ ہرگز نہیں نکالے گا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے کیوں کر؟ ۱۹ اور اگر ہم چاہیں تو ابتر دکھا دیں آپ کو یہ لوگ آپ ان کو پہچان چکے ہیں ان کی نشانوں سے، اور آگے بھی ابتر پہچان لیں گے ان کو امت کے ڈھب سے، اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو ۲۰ اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں یہاں تک کہ معلوم کریں (ظاہر کر دیں) ان لوگوں کو جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم

جاہلیں گے تمہاری خبروں کو ﴿۷۷﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور سزا انہوں نے اللہ کے دہشتے سے اور مخالفت کی انہوں نے رسول کی بعد اس کے کہ ان کے لیے ہدایت واضح ہو چکی ہے وہ ہرگز نہیں نقصان پہنچا سکتے اللہ کو کچھ بھی ۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا ﴿۷۸﴾ اے ایمان والو ! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور نہ ضائع کرو اپنے اعمال کو ﴿۷۹﴾

رابطہ آیت

جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں منافقین کا کردار اور ان کی مذمت بیان ہر جی ہے۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گزرد چکے کہ جب جہاد سے متعلق کوئی حکم سوتا نازل ہوتا ہے تو آپ منافقین کو اپنی طرف بڑی حیرت سے دیکھتے تھے۔ پاتھار جیسا کسی شخص پر موت کی تلخی طاری ہو رہی ہو۔ پھر اللہ نے فرمایا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر آئے گئے ہوتے ہیں؟ جو لوگ جہاد کے واضح ہو جانے کے بعد بھی قرآنی پیغام کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اٹے پاؤں پر جلتے ہیں تو ایسے لوگوں کے حصے میں ہلاکت اور تباہی ہی آ سکتی ہے۔ اللہ نے منافقین کا یہ کردار بھی بیان کیا کہ یہ لوگ جب اسلام دشمن افراد سے ملتے ہیں تو انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہیں۔ بوقت موت فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر ضربیں لگائیں گے اور ان کی رگوں کو تذلیل و تحقیر کے ساتھ دکھائیں گے ان کا یہ حشر اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اپسندیدہ چیز کا اتباع کیا۔ اور اس کی پسندیدہ چیز کو ناپسند کیا۔ خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے اعمال کو ضائع کیا۔

منافق کی پہچان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَفَرِحَ بِهِ الْاٰمِنُوْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِّنْ مِّنْكَ ﴿۸۰﴾ کیا وہ لوگ گمان کرتے ہیں جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اَنَ اَنْ يُّخْرِجَ

کر دیتا ہے۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَفْعَلُ مَا كُنْتُمْ لَا تَعْمَلُونَ! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جاننا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اگر ان کی کوئی چیز مخلوق سے مخفی رہ بھی جائے تو بہر حال اللہ تو جانتا ہے، اُس سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اگر وہ دنیا میں ان کی کسی حرکت کو نہ بھی ظاہر کرے تو جہانِ عمل کے وقت تو ان کا پر وہ ضرور ہی فاش ہوگا، اور یہ سچ نہیں سکیں گے۔

ارشادِ مجید ہے وَكُنْتُمْ لَوَاقِعَ كَقَرْنٍ فَكُنُوا عَالِيًّا وَالْعُصْبَةُ الَّتِي بَيْنَ يَدَيْكُمْ وَالشَّيْبَانِ الْأُولَىٰ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْسِدُونَ ضرور کنائیں گے، یہاں تک کہ ہم جان میں کہ تم میں سے مجاہد اور صابر لوگ کون ہیں۔ تعلیم کا مغربی معنی تو جانتا ہی ہوتا ہے مگر یہاں پر ظاہر کرنا ضرور ہے کیونکہ اللہ کے علم سے تو کوئی چیز مخفی باہر نہیں۔ وہ تو ہر چیز کو ہر وقت جانتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں مال و جان کی قربانی پیش کرنے اور ہر صفت پر صبر کرنے والوں کو ظاہر کرے گا۔ وَتَبْلُغُوا أَسْبَابَ سُبُحِ الْأَرْضِ وَمَا فِيهَا اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْسِدُونَ کہیں انہیں گے، چنانچہ قرآن پاک میں جگہ جگہ ایسا ہی آیتوں کا ذکر آتا ہے مثلاً سورۃ البقرۃ میں ہے اور ہم کسی قدر خوف، ہجر، مال، جانوں اور میروں کے نقصان سے تمہیں آگاہیں گے وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (آیت - ۱۵۵) پس صبر کرنے والوں کو خوشخبری سننا دیں، سورۃ العنکبوت کا آغاز اسی طرح ہوتا ہے اَنْحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوا اَنْ يَقُولُوا اَمْ نَا اَوْ هُمْ لَا يَعْلَمُونَ کیا یہ لوگ جانتے ہیں کہ ہم انہیں ایمان کے ربانی اقرار سے چھڑ دیں گے اور ان کی آزمائشیں ان کی جانچ بنیں جبکہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمائش میں ڈالا، (اور ان کو بھی آزمائشیں گے) پس اللہ تعالیٰ ضرور معلوم کرے گا کہ ان میں سے ایمان میں کسے کون ہیں اور جہتے کون؟ جنگِ احزاب کے موقع پر فرمایا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زُلْزَلًا شَدِيدًا (الاحزاب - ۱۰) وہاں پر زمین کو آزمایا گیا اور وہ شدید طور پر ہلنے لگے، گریا یہ لوگ کی سمت ترین آزمائش تھی۔

مجاہدین اور
صابرین کی
آزمائش

بہر حال فرمایا کہ ہم تمہارے حکامات کو اچھی طرح آواز دیں گے۔ چنانچہ مجاہدین
 اور صحابہؓ کی وقتاً فوقتاً آزمائشیں ہوتی رہی۔ جہاں تک منافقوں کی پہچان کا تعلق ہے
 تو انہوں نے ان کی کبھی مختلف مواقع پر آواز دیا۔ مثلاً جنگ احد میں منافقین کا گروہ بھی
 مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے نکلا مگر وہ سائے عبد اللہ بن ابی کی قیادت میں یہودی
 جنگ میں پہنچنے سے پہلے ہی واپس لوٹ گئے۔ اسی طرح جنگ جہوک کے موقع
 پر بھی انہوں نے زائد منافقین نے حیلوں بانوں سے جنگ کے لیے نکلنے سے
 گریز کیا۔ عبد اللہ نے ان کا پردہ پاک کیا۔ غزوہ بنی مصلطہ کے موقع پر بھی ان کی
 آزمائشیں ہوئی مگر یہ اس میں ناکام ہوئے۔ انہوں نے مختلف حیلوں بانوں سے
 مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ اپنے مقصد میں ناکام یا
 نہ ہو سکے۔ البتہ ان کی اپنی غیبت ظاہر ہو گئی۔ اور باکوہ سورۃ المنافقوں میں ان
 کی تمام چرب زبانی اور سمجھوتہ کا پل کھول دیا اور فرمایا کہ لوگ جو بھی دعویٰ کریں
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّ الْمُنَافِقِيْنَ كَذٰبُوْنَ (آیت - ۱) خدا تو جانتا ہے کہ یہ جھوٹے
 ہیں۔ غرضیکہ اللہ کا فرمان ہے کہ ہم انہوں اور منافقوں دونوں گروہوں کو کٹا
 گئے اور ظاہر کریں گے۔ کہ ان میں کوئی صبر کرنے والا اور شفقت برداشت کرنے
 والا ہے اور کوئی منافق ہے جو جان مال کی بازی ہکانے سے گریز کر رہا ہے۔
 آگے ارشاد ہوا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَصٰدًا وَّاَعَنَ سَيْبِلُ اللّٰهِ تاکہ
 وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا اور اللہ کے راستے سے روکا و کٹا
 رسول اللہ کے رسول کی مخالفت کی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى
 بعد اس کے کہ ہدایت واضح ہو چکی یعنی وہی الہی کے دہیے احکام نازل ہو چکے۔ پھر
 اس کے بعد جن لوگوں نے کفر کیا اور خدا تعالیٰ کے راستے سے روکا اور اللہ کے رسول
 کی مخالفت کی اِنَّ يَفْضُرُ وَاللّٰهُ سَعِيْثًا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے یعنی وہ لوگ
 اسلام دشمن لوگوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وَيَسْجُطُ اَنۡفَالُ الْفِتْرِ بَكَرِ اللّٰهِ
 ان کے اعمال کو ہی ضائع کر دے گا۔ اگر انہوں نے دنیا میں کوئی اچھا کام کیا ہے تو

کفار کے
 اعمال کا
 ضیاع

روزہ رائج وغیرہ سب مردود ہوں گے کیونکہ ان کا عقیدہ فاسد ہے۔ توحید پر بھی صحیح ایمان نہیں نکلتے اور دلوں میں کھوٹ ہے۔

پہلے من اقوال کی طرف سے اللہ کے رسول کی مخالفت کا ذکر تھا۔ اب اہل ایمان کو خطاب فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ کہو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔ گمراہ اعمال کی قبولیت کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی فرمایا بڑی خطر ہے۔

اس آیت سے بعض ضمنی مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں مثلاً مستور کا خیال ہے کہ جب کوئی شخص کسی کبیرو گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے گناہ کی وجہ سے اس کی ساری نیکیاں بھی برباد ہو جاتی ہیں۔ مگر اہل سنت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس شخص کے دل میں صحیح ایمان موجود ہے اور وہ اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے تو کبیرو گناہ کی وجہ سے اس کی نیکیاں تو ضائع نہیں ہوں گی۔ البتہ اس کو اس گناہ کا بہت کن کاٹ پڑے گا۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اعمال ضائع تو نہیں ہوں گے۔ البتہ ان میں وہ کورینٹ نہیں ہے گی جب تک کہ وہ شخص اس کبیرو گناہ سے توبہ نہ کرے۔ اعمال کی بربادی کی اصل وجہ شرک ہے۔ جب تک کسی شخص میں شرک کا نام موجود ہوگا۔ اس کی نماز، روزہ، صدقہ، خیرات، جہاد رائج غرضیکہ کچھ بھی قبول نہیں ہوگا، سب رائیگاں جائیں گے اگر کوئی شخص توحید پر قائم تھا، نیک اعمال بھی انجام دیتا مگر بعد میں کسی وقت شرک میں غوث ہو گیا تو اس کی ساری نیکیاں برباد ہو گئیں۔

اسی طرح جو شخص مرتد ہو جائے اس کی بھی ساری نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ جیسے سورۃ بقرہ میں موجود ہے: وَمَنْ يَنْتَدِرْ مُنْكَرًا عَنْ دِينِهِمْ فَيَسْأَلْهُمْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ جَبَلَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَايَةً (۱) جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور اسی حالت میں اُسے موت آجائے کہ وہ کافر

اللہ کے رسول
کی اطاعت

ہی ہے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں برابر ہو جائیں گے۔ عذرہ میں جس شخص کے دل میں شک یا اتفاق پیدا ہو گیا یا اس کا عقیدہ خاسد ہو گیا تو وہ بھی ٹھیکوں سے محروم ہو گیا۔ جو شخص حد تک اس پر اصرار جتا ہے یا اذیت پہنچا یا ریاکاری کا مزاج ہو رہا ہے تو وہ بھی اعمال کو برابر کر دیتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ کا واضح فرمان ہے کہ اے ایمان والو! لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِکُمْ بِالْحَنَنِ وَالْأَذَى دَآئِبٌ ۝ ۲۶۴ اے لوگو! اپنے صدقات و خیرات کو ریاکاری کرنے والے آدمی کی طرح اصرار جتا کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کرو۔ مطلب یہ کہ ان امور سے نیکی کو برابر ہو گئی ہو گناہ لازم آ گیا۔ اسی لیے فرمایا اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اس کے خلاف کر کے اپنے نیک اعمال کو برابر نہ کر بیٹو۔

حل شروع
کر کے
ترک کرنا

اس آیت سے امام ابو حنیفہؒ نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی نیک کام شروع کرنے کے بعد اُسے درمیان میں چھوڑ دیتا ہے تو اُسے اس کی قضا دینا نہیں ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص نفل روزہ رکھتا ہے اور کبھی اُسے ہار کر چکی بھرنے درمیان میں افطار کر دیتا ہے تو اس کے بدلے اس کو روزہ رکھنا ضروری ہو جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے نفل روزہ رکھی۔ مگر کسی وجہ سے توڑ دیا تو حضرت علیہ السلام نے فرمایا لَا قَضَاءَ لَکُمَا ذَاکَ یَوْمًا اَنْتُمَا اِیْکُمَا کِیْ جِلْبَاسٍ وَکُمْ سَکَرٌ یَوْمَ ذَاکَ قَضَاءُ کَرِیْمًا۔ البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نفل روزہ توڑنے سے قضا لازم نہیں آتی۔

بعض عبادات ایسی ہیں کہ شروع کرنے کے بعد اگر ترک کر دیا جائے تو تمام اثر کے نزدیک ان کی قضا واجب ہوتی ہے۔ مثلاً حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر کسی وجہ سے اللہ ترک کر دیا تو اب اُس حج یا عمرہ کی قضا لازم ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ اسی سے قیاس کر کے فرماتے ہیں کہ حج اور عمرے کی طرح نفل روزہ اور روزے کی قضا بھی ضروری ہوگی۔ انہیں ادا کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ آیت کا سیاق بتاتا ہے کہ اے ایمان والو! اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرے

اعمال کو خدائے شکر عطا فرمائی ایا کام نہ کرنا جس سے اعمال خدائے پر ہونا غلط
 ہو جیسے پتھر میں کیا کرنا یا کڑی، لذت کتنی پانے یا اس میں جتن سے اعمال پر
 ہو جیسے ہیں۔ تاہم کام کو خدائے شکر سے دور رکھیں۔ یا ان کو یاد ہے کہ اس عمل کو
 شروع کر کے کتنا یاد جائے گا اس کی قضاء لازم آئے گی۔

۲۳ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَا تَوَّوْا
 وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝ ۲۴
 اِلَى السَّلَامِ ۚ وَاَنْتُمْ الْاٰخِلُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتْرُكَكُمْ
 اَعْمٰلَكُمْ ۝ ۲۵ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ اَوَانٌ
 تُؤْمِنُوْنَ وَتَسْتَفْتُوْنَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَسْأَلُوْا اَمْوَالَكُمْ
 اِنَّ يَسْأَلَكُمْوْهَا فَيُصْفِيْكُمْ تَبَةً لَّوْا وَيُخْرِجَ اَصْنَافَكُمْ ۝ ۲۶
 هٰذَا كُمْ هٰؤُلَاءِ تَدْعُوْنَ لَتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمَنْ
 مِّنْ يَّجْحِلٍ وَمَنْ يَّجْحِلٍ فَاِنَّمَا يَجْحِلُ عَنِ نَفْسِهٖ وَاللّٰهُ
 الْعَلِيْمُ ۚ وَاَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۚ اِنَّ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا
 غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَلَكُمْ ۝ ۲۷

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے (دوسروں کو) پھر مرنے (اسی حالت میں) اور وہ کفر کرنے لگے تھے، پس ہرگز نہیں بخلائے گا اللہ تعالیٰ ان کو ۲۴۔ پس نہ سست ہو تم (لے لو ایمان) کہ تم پکارتے تھے مسیح کی طرف اور تم ہی بند ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو گا۔ اور ہرگز نہیں کم کرے گا وہ تمہارے اعمال کو ۲۵۔ بیشک دنیا کی

زندگی کیلئے لود تلاش ہے اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ دیگا تمہیں تمہارا بدلہ اور نہیں مانے گا وہ تم سے تمہارے سب مال ⑤ اگر وہ مانے تم سے مال پھر وہ تاکید کہے تمہارے لیے تو تم بخل کرنے لگو گے اور نکالے گا وہ تمہارے اندر کے کمبوٹ کو ⑥ سزا لے لوگا تم کو جلا جاتا ہے بلکہ تم خرچ کرو اللہ کے راستے میں۔ پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرے گا شکستہ وہ بخل کریگا اپنے نفس کے لیے اور اشتہار غنی ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم روگڑانی کرو گے تو جل سے گا وہ تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو پھر وہ نہیں ہوں گے تمہارے جیسے ⑦

کفار کے لیے عذاب

جہاد کے ضمن میں منافقین کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ قرآن پاک میں قیام کا نام دنیا میں رائج کرنا چاہتا ہے اس کے منافقین ملعون لوگ ہیں۔ ایسے ہی کفار، مشرکین، سیور، نصاریٰ اور منافقین کا تعاقب کھلی آیات میں بھی تھا اور آج کے دور میں بھی ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ جو انہوں نے کفر کا شہیرو اختیار کیا۔ يَمِينُ اللَّهِ تَعَالَى کی وعدہ انیت کو تسلیم نہ کیا، اللہ کے فیصلے کا انکار کیا۔ قرآن کریم الہی نشانہ، اللہ کی کتابوں، فرشتوں اور بعثت بعد الموت پر ایمان نہ لائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وَأَعَنُ سَبِيلَ اللَّهِ کو مدد کرنے پر مائل تھے ان کے راستے میں بھی طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی نہیں تھیں گوارا دینا، لڑکے دیا یا کسی اور طریقے سے حق کی طرف نہ آنے دیا۔ دنیا کی زندگی میں وہ اسی ڈگر پر چلتے رہے تَسْعَمَ أَتَوَا یہاں تک کہ انہیں موت آگئی وَهُمْ كَذِبٌ

اس حالت میں کہ وہ کافر ہی ہے تو ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے
فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ کہ وہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ انہیں اپنے
 غلط عقائد اور بڑے اعمال کی وجہ سے راہی منزل میں جتو ہونا پڑے گا۔

اہمیت قرآن
 کی حقیقت

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی هَذَا نَبَأُ الْكَافِرِينَ
 کی ایذا اور سائنوں، افراری قوت اور ساز و سامان سے مراد ہرگز سست نہ پڑ
 جائے، اور اس قدر ہمت نہ اٹھائے وَكَذَّبُوا إِلَى السَّلَاحِ کہ خود انہیں صلح کی دعوت
 دینے مگر صلح کی بات بظرف نہیں ہوتی بلکہ یہ تو طرفین کی خواہش پر ہوتی ہے اللہ
 نے سورۃ الانفال میں اس کا یہ قانون بیان کر دیا ہے اِنْ جَاءَكَ الْمُؤْمِنُونَ
فَاتَّخِذْ لَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آیت ۴) اگر غنائم فریق صلح کے لیے
 آگاہ ہو، اور وہ اس کی پیشکش کریں تو اس کو قبول کر لو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔
 مطلب یہ کہ کمزوری یا بزدلی کی وجہ سے از خود صلح کی دعوت نہ دو بلکہ ہمت
 اور حوصلے کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرتے رہو، اور تسلی رکھو وَأَسْتَعِزَّزُوا
تَمَّ بِهِنَّ یعنی غالب رہو گے وَاللَّهُ مُتَكَلِّمٌ کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے
 شامل حال ہے۔ تم اللہ کے دین کی خاطر جہاد کر رہے ہو قرآن کے پروگرام کی تفصیل
 تمہارا مقصد ہے، تم دنیا کو اس کا گوارہ بنا چکے ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ ضرور
 تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تمہیں کامیاب کرے گا۔ اور ساتھ یہ خوشخبری بھی ہے کہ تم
 میں غلو صبیحیت اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر میدان میں اترے ہو بہت بڑا عمل ہے۔
وَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ أَعْمَأَكُمُ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں کمی نہیں کرے گا۔
 جبکہ ان کا لہذا پروردگار عطا فرمائے گا۔ گزشتہ درس میں بھی گزر چکا ہے أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْطُلُوا أَعْمَأَكُمُ وَلَا تَبْطُلُوا اللہ اور اس کے رسول کی
 اطاعت کرتے رہو تو تمہارے نیک اعمال ضائع نہیں ہوں گے اللہ تعالیٰ
 ان کی قدر دانی کرے گا اور تمہیں دشمن پر غلبہ حاصل ہوگا۔

اگے اللہ نے دنیا کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ یاد رکھو إِنَّمَا الدُّنْيَا

دنیا فانی ہے
 سرورِ مہربان ہے

میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال
 اُس گنے کی ہے جس سے سات باتیں آئیں اور ہر مال میں نحو سو گنے ہوں، اگر ایک
 گنے کے پے سات سو گنے حاصل ہوتے ہیں، مطلب یہ کہ اللہ کی رضا کے لیے
 خرچ کردہ مال کا اجر سات سو گنا تک ہوتا ہے، بلکہ فرمایا وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ
لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ رَّازِقَاتِهِ (۲۶۱۰) اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس سے بھی
 زیادہ عطا کرتا ہے۔ شاہ عبدالقادر سمنگانی کہتے ہیں کہ اتفاق فی سبیل اللہ کا
 صلہ مسلمانوں کو یہ ملتا کہ حق تعالیٰ نے کس خرچ کرنے، جوڑے عرصہ کے لیے اہل ایماں کو
 اپنی طریقت خرچ کرنا پڑا اس کے بعد اللہ نے خرچ کردہ مال سے سو گنا زیادہ دیا۔
 فرمایا، یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر تمہارے مال کی ضرورت ہے، نہیں
 بلکہ وَاللّٰهُ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وہ تو مہربان اور بے نیاز ہے، اُسے تمہارا مال کی ضرورت ہے۔
 اس میں تو خود تمہارا ہی بدلہ ہے کیونکہ وَأَنْتُمْ أَفْقَرُ تم ہر ضرورت
 تمہیں ہے۔ اس دنیا میں خرچ کر کے قریبیاں بھی ایک کے پے ہزار ملے گا۔
 اور پھر آخرت کا بدلہ تو لانا ہی ہے، لہذا بخل نہ کرو بلکہ بخوشی خاطر اُس کی راہ
 میں خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اتفاق کے بغیر بھی اپنے غنی کی مدد اور دین کو قائم
 کر سکتا ہے۔ مگر اس طرح تمہاری دولت کے اسباب پیدا ہو جائیں گے، لہذا جب وہ
 خرچ کرنے کا حکم ہے تو فوراً بیکار ہو اور اسی میں تمہاری بستی ہے۔

فرمایا وَإِنْ تَوَلَّوْا اور اگر تم روگردانی کر لو، قرآن کے پروگرام کی باری گنتی
 کی بجائے اپنی خواہشات کی پیروی چلنے لگے تو اور رکھ کر وہ اس بات پر بھی قادر ہے
 کہ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا خَلْفَهُمْ وہ تمہاری جگہ دوسٹر لوگوں کو کھڑا کرے، تمہیں
 منظر سے ہٹا کر ایسے لوگوں کرے گئے ثُمَّ لَا يَكُونُ لَكُمُ الْفَيْدُ جو تمہارے
 پیچھے نہیں بلکہ تم سے زیادہ بستر ہوں گے، مفسرین کو ام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام
 کے صحابہؓ نے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی تو اللہ نے ان کی کس حکم کر دیا۔
 انہوں نے جہاں وفال کی قرآنیاں پیش کیں تو اللہ نے انہیں نصرت دنیا کا والی

بنادیا۔ جہاں انہوں نے مکمل طور پر اسلامی نظام نافذ کیا۔ انہوں نے دنیا میں قرآن کے نظام کو نافذ کیا قرآنی کی جگہ کسی دوسری قوم کو ملنے کی ضرورت نہ پڑی۔ صحابہ کے بعد انشور نے ایرانی دلوں سے بڑا کام لیا، ان میں بڑے بڑے فتنہ اور تحریکیں ہوئے جنہوں نے دین کی بڑی خدمت کی۔ اس کے علاوہ انشور نے ترکوں سے بھی دین کی بڑی خدمت لی۔ تاتاری ابتدا میں اسلام کے بدترین دشمن تھے مگر پھر انشور نے ان کے دلوں کو پھیر کر اسلام کا سر پرست بنادیا۔ جب مکر والوں نے دین کو قبول نہ کیا تو یہ سعادت حدیث والوں کو حاصل ہو گئی۔ انشور نے قریش کی بجائے انصاریوں سے دین کی خدمت لی پھر جب عربوں کی سستی پیدا ہو گئی تو انشور نے ان کی جگہ بلوچیوں اور تاتاریوں کو کھڑا کر دیا۔

بہر حال ایمان والوں کو تیسرہ کی گئی ہے کہ مطلوبہ جاتی اور مالی قرآنی سے گریز نہ کرنا کیونکہ اس میں قصار ہی فائدہ ہے۔ انشور نے بھل سے منع فرمایا، ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی اور اس کی حکمت بعد بیان فرمادی۔ جبار کا حکم اور منافقین کی خدمت جس طرح اس سورۃ میں بیان کی گئی ہے، اسی طرح اگلی سورۃ فتح میں بھی یہ مضمون دہرایا گیا ہے اور اسلام کے اجتماعی نظام اور جماعتی نظم و نسق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

سُورَةُ الْفَتْحِ
(مَكِّيَّةٌ)

ناریکی میں نظر

ہجرت کا پچھٹا سال ہمارا تھا۔ ششوار میں غزوہ احزاب پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے یہ دوا اور احمد کی جگہیں پر چکی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹی مرنی جھڑ میں واقع ہرجا تھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان سخت کشیدگی پائی جاتی تھی فریقین کو ہر وقت کسی مزید جنگ کا خطرہ ہمیشہ رہتا تھا جس کے مکان ہجرت ہجرت کے درمیان تھیں۔ مگر قریش حتیٰ الامکان اُن کو روک رہے تھے اس دوران میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب دیکھا کہ آپ باع صحابہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرو اور افراتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر کا خواب قوی الخ کی ایک قسم ہے اور یہ سچا ہوا ہے اور پھر آیت ۲۰ میں اس کی تفسیر بھی آ رہی ہے حضور علیہ السلام نے اس خواب سے یہ انداز کیا کہ انہیں عمرو کی سعادت اسی سال نصیب ہو رہی ہے، لہذا آپ نے صحابہ میں عمرو کے لیے تیاری کا اعلان فرما دیا اور آس پاس کے قبائل میں بھی پیغام بھیج دیا کہ ہم عمرو کے لیے ہائے ہیں، جو کوئی ماننا چاہے، ہمارے ساتھ جاسکتا ہے۔

ذی قعدہ کے آغاز میں تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلمان پرمشکل یہ قافلہ عمرو کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا۔ ذی کے اونٹ چلوے۔ ذی الخلیفہ سے احرام باندھا اور بیگ بیگ پکڑتے ہوئے سفر شروع کر دیا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش کا یہ دستور تھا کہ وہ حج و عمرہ کے لیے آنے والے کسی شخص کو نہیں روکتے تھے۔ خواہ وہ ان کی کاہت ہی بڑا دشمن کیوں نہ ہو۔ اس کے باوجود حضور علیہ السلام نے مکہ میں اپنا ایک قاصد روانہ فرمایا تاکہ قریش کو بتا دیا جائے کہ ہم لوگ عمرو اور اکہ نے کے لیے آئے ہیں، ہمارا نہ کوئی سیاسی مقصد ہے اور نہ ہی ہم لڑائی کی نیت سے چلے ہیں ہم نے احرام باندھ رکھے ہیں اور قریش کے مالور ساتھ ہیں، لہذا ہمارے راستے میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہونی چاہیے۔ جب یہ خبر قریش تک پہنچی تو وہ سخت سٹ پائے۔ دستور کے مطابق وہ دھمکی بھی نہیں دے سکتے تھے۔ مگر وہ یہ بھی خواہش نہیں کرتے تھے کہ مسلمان عمرو لے کر آجائیں۔

مسلمانوں کی یہ جہالت جب کہ منکر سے دس بارہ میل کے غلطے پر مصر کے
مقام پر پہنچی جسے آج کل خمیسہ بھی کہتے ہیں تو مشرکین کی طرف سے اعلانِ جنگ کر دیا گیا
اور عمرو کو مارنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں اور اگر عثمان بغیر رہے تو وہ جنگ
کے لیے بھی تیار ہیں۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر
بھیجا تاکہ وہ قریش مکہ کو باور کرائیں کہ ہم صرف عمروؓ کو مارنا چاہتے ہیں جس کے بعد
وہ پس پٹے جائیں گے۔ انکار ہوا تو اسے راستے میں خراہم نہ ہوں۔ مشرکین یہ فیصلہ پہلے
تھے کہ وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ انہوں نے
حضرت عثمانؓ کی پیشکش کی کہ اگر وہ چاہیں تو عمروؓ مار کر کھتے ہیں مگر باقی مسلمانوں کو
میں نہیں آنے دیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن کی یہ پیشکش قبول نہ کی اور فرمایا
کہ جب تک حضور علیہ السلام اور باقی مسلمان عمروؓ کو ادا نہیں کریں گے، وہ بھی ایسا نہیں
کر سکتے۔

اس دوران میں یہ خبریں پہنچی کہ مشرکین نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے
یہ خبر سننے پر حضور علیہ السلام نے صحابہؓ سے شروع کیا اور پھر فیصلہ ہوا کہ اگر یہ خبر
درست ہے تو پھر ہم حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ اگرچہ
ہم جنگ کے لیے نہیں تیار نہ ہمارے پاس سامانِ حرب و حرب ہے، مگر ہم
اس قتل کو برداشت نہیں کر سکتے، اغواء ہم سامنے کے سامنے شہید ہو جائیں۔
چنانچہ اس مقصد کے لیے ایک دست کے چنے آپؐ نے بیعت کی جو بیعتِ اُحُد
کے نام سے مشہور ہے اور جس کا ذکر اس سورۃ میں بھی کر لیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ
کی شہادت کی خبر غلط ثابت ہوئی اور قریش مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کی پیشکش
کی جس کے لیے انہوں نے بڑی کڑی شرائط رکھیں جن کا ذکر احادیث میں موجود ہے
اور وہ یہ تھیں۔

(۱) یہ صلح دس سال تک نافذِ عمل رہے گی اور اس دوران فریقین ایک دوسرے
کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔

(۱۲) اس دوران اگر قریش کا کوئی آدمی ہجرا کر دین چاہے گا۔ تو اُسے وہیں کر دیا جائے گا۔ اگر حضور کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس آجائے گا۔ تو اُسے وہیں نہیں کیا جائے گا۔

(۱۳) عرب قبائل میں سے جو جس فریق کا حلیف بنا چاہے اُسے اختیار ہوگا۔
(۱۴) مسلمان اس سال عمرو اور ایکے بغیر وہیں چلے جائیں گے اور آئندہ سال صرف تین دن شکر کر عمرو اور اگر سکیں گے۔

سنانوں کو یہ شرائط بالکل پسند نہیں تھیں مگر حضور علیہ السلام نے ان کو منظور کر لیا۔ اس دوران کچھ ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں سے حضور علیہ السلام کے فیصلے کی تائید ہوتی تھی۔ شدہ مدبر سیہ کے مقام پر اگر حضور علیہ السلام کی اونٹنی خود بخود ڈک ٹائی اور گشتش کے باوجود آگے چلنے کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا:

حَتَّىٰ يَكُونُوا بِسُورِ الْفَيْثِلِ اس اونٹنی کو انہی ذات نے یہاں روک دیا ہے۔ جس نے اب رہے کے لائقوں کو ان کے قریب روک دیا تھا اور انہوں نے مکر پر چڑھائی سے انکار کر دیا تھا۔ اور پھر چھوٹے چھوٹے پندوں کے ذریعے اللہ نے حملہ آور لوگوں کو تیس نہیں کر دیا۔ یہ حال صلح کا یہ معاملہ طے پا گیا۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ

کو حکم دیا کہ قرانی کے جو جانور ساتھ لائے ہیں۔ وہ اسی مقام پر ذبح کر کے احرام کھول دیے جائیں۔ صحابہ نے تعمیل حکم کی اور اس کے بعد قاعدہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں یہ سورۃ فتح نازل ہوئی جس میں اللہ نے فتح کی بشارت سنائی۔

آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ آج رات مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے احکابُ اِلٰہِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا جَمْعٌ مِّمَّا اُرِيَا اور انہا سے زیادہ پیاری ہے۔ آپ نے یہ سورۃ تلاوت فرمائی تو صحابہ کا فہم فہم ہو گیا اور وہ کہنے لگے کہ اگر یہ معاملہ مدبر

بظاہر مسلمانوں کے خلاف جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں اہل ایمان کی بہتری رکھ دی ہے۔ یہ یقیناً شکر کا واقعہ ہے۔ ان کے تین ماہ بعد یعنی شکر کے آغاز میں اللہ نے سنانوں کو خبر فتح کرایا جس کی وجہ سے دلائ کی ساری زمین، اہانت

اور مال و دولت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پہلا انعام تھا جس سے مسلمان خوشحال ہو گئے۔ پھر اسی سال حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ نے عمرہ فضا ادا کیا۔ آپ فی قعدہ کے مہینہ میں اپنی صحابہؓ کو ہمراہ لے کر مکہ پہنچے جو بیعت رضوان میں شامل تھے۔ شرائط صلح کے مطابق مسلمانوں نے مکہ میں تین دن قیام کیا اور پھر واپس مدینہ چلے گئے۔ یہ عمرہ القضاء کلا ہے۔

مضامین

مذکورہ پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں پیس کے نام سے دس واقعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ واقعہ مدینہ کے ضمن میں بیعت رضوان کا ذکر اور پھر صحابہؓ صلح کا ذکر بھی کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کے نام سے خطاب کا ذکر ہے اور ساتھ صحابہؓ کو ان کی صفات و بیان کی گواہی دینا عقیدت کا تقاضا اس سورۃ مبارکہ میں بھی کیا گیا ہے، ان کی سازشوں کا پرہیز فاسل کیا گیا ہے اور پھر ان کی سخت و جید بھی دکھائی گئی ہے۔ حدیث کی طرف روٹنے کے وقت آپ نے بعض دبیاتی منافقوں کو بھی چلنے کی دعوت دی تھی مگر وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان دشمن کے گھر میں خود چل کر سانس دیں، یہ زمانہ واپس نہیں آئیں گے۔ لہذا انہوں نے عمرہ کی ادائیگی کے لیے جانے سے انکار کر دیا۔ پھر جب آپؐ غبر کی طرف روانہ ہوئے تو انہیں مسلمانوں کی فتح کا یقین تھا۔ لہذا مال حاصل کرنے کے لیے انہوں نے ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اور کہا کہ ہمارے ساتھ وہی لوگ جائیں گے جو واقعہ مدینہ کے وقت گئے تھے، اس طرح یہ منافق غبر کے مال سے مستفید نہ ہو سکے۔ یہ واقعات بھی اس سورۃ میں اشارۃً مذکور ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ میں اصلاح کے پہلو پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ انفرادی طور پر اصلاح کا آغاز عقیدے سے ہوتا ہے۔ پہلے ایمان کے عقیدے کا اصلاح ہوا پھر عمل کی اور پھر اخلاق کی۔ اس کے بعد اجتماعی اصلاحات کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر جو لوگ اصلاحی پروگرام کو قبول نہیں کرتے، ان کے ساتھ جنگ کرنا پڑتی ہے

زاتی اصطلاح کے بعد قرصی رشتہ داروں کی اصطلاح ذکر کر رہی ہے۔ جیسے اشتر حملے کے حضور علیہ السلام کو حکم دیا وَأَشْدِرْ عَشِيقَ تِلْكَ الْأَفْرِسِيْنِ (اشتر کو ۲۱۴) آپ اپنے قرصی رشتہ داروں کو رشتہ داریں بنا کر ان کی اصطلاح ہو جائے۔ اس کے بعد پھر پوری قوم کی اصطلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اشتر کا فران ہے إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (سورہ ۲۰) ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ اشتر کے پیغمبر کی زبان عربی، آپ کی قوم کی زبان عربی، لہذا اشتر نے قرآن کو بھی عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے اور مسلمانوں کی ایک اولیٰین جماعت تیار ہو جائے جو اس قرآن کے پروردگار کے کہے کردنیامیں پھیل جائے تاکہ ساری دنیا کی اصطلاح ہو جائے، غرضیکہ سورۃ نہدا میں یہ ساری باتیں آگئی ہیں۔

مشخصین
 ارشاد دہتا ہے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ہے شک ہم نے آپ کو روئے پیغمبر (کھلی فتح سے نوازا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ دس سال کے لیے کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے قرآن معاہدہ کی پوری پوری پاسداری کی مگر خود مشرکین جن کی اشتر پر معاہدہ ہوا تھا۔ اُسے قائم نہ رکھ سکے اور انہوں نے خود ہی اس کو توڑ دیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اشتر میں اشتر نے مکہ کو فتح کر لیا۔ چنانچہ مبین مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ جس کی ابتداء اشتر تعالیٰ نے سنائی تھی، مگر یہ درست نہیں ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ لوگ فتح مکہ کو فتح مبین کہتے ہیں۔ مگر ہم صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس صلح کی وجہ سے جنگ کا خطرہ ٹل گیا، راستے کھل گئے۔ جس کی وجہ سے حبیب لوگوں نے دینہ پہنچ کر مسلمانوں کے حالات دیکھے تو انہیں اسلام کی سہاٹی پر یقین آگیا اور وہ دھڑا دھڑا اشتر اسلام میں داخل ہوئے۔ اگلے صلح مدینہ دراصل اسلام کے لیے ایک پیمانہ تک کا کہنا تھا کہ لوگ جو قرآن و حق اسلام قبول کرنے لگے جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑی تقویت ملے گی۔

صحابہ صحابہ دراصل پوری قریب اسلامیہ کے لیے فتح کی فریاد تھی۔ اس کے بعد غیر فتح ہوا۔
مگر فتح ہوا اور پھر سارے عرب مسلمانوں کے زیرِ نگیں آگیا۔ بعض قبائل نے تشریف بہت
مزا امت کی جو پہلی ہی ختم ہو گئی اور عربوں کی اکثریت اسلام لے آئی۔ لہذا اس کو فتح نہیں
سے تعبیر کیا گیا ہے۔

امام صفائی
کی بشارت

صحابہ صحابہ کے فتح میں قرار دینے کے ساتھ ساتھ ائمہ نے فرمایا: **لَا يَغْفِرُ اللَّهُ**
اللَّهُ مَا قَدْ قَدَّمَ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَمَا تَكْتُمُونَ سِرًّا سِغِيرًا اللہ نے آپ کی تمام گنہگاریاں
معاف فرمادی ہیں جو چھپے ہوئے ہیں اور جو چھپیں گے، وہ آپ کی تمام گنہگاریاں
معاف فرمادی ہیں جو چھپے ہوئے ہیں۔ اللہ نے ایسی ساری گنہگاروں سے بھی مدد فرما
دیا ہے۔ جو شکر یہ خطاب حضور علیہ السلام کر رہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! آپ کو
یہ صفائی مبارک ہو مگر ہمارے لیے اللہ کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ آگے جو تھی آیت: **يَا**
أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا سُلُوكَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ قَبْلِكُمْ وَلَكِنْ اتَّبِعُوا سُلُوكَ الَّذِينَ آمَنُوا
اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے بھی ایسی ہی بشارت سنائی۔ اسی لیے حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے واقعہ صحابہؓ میں صدقہ ایمان میں سے
کوئی بھی چیز نہیں جانے گا۔ ان میں سے صرف ایک شخص کو مستثنیٰ کیا گیا، جو ستر
اونٹ والا تھا۔ یہ وہ حقیقت منافق تھا اور اس نے بیعت بھی نہیں کی تھی۔

جن لغزشوں کی صفائی کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے امام شاہ ولی اللہؒ اس
کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت سے
آپ اللہ کے نبی ہیں اور اس حیثیت میں آپ کی اطاعت تمام اہل ایمان پر فرض
ہے۔ آپ کی دوسری حیثیت امیر جماعت کی ہے۔ آپ خدا کے خلیفہ ہیں اور
جماعت المسلمین کے امیر بھی۔ یہ ایک مسئلہ اس ہے کہ جماعت کی غلطیوں میں ان کا
امیر بھی شریک سمجھا جاتا ہے، جماعت کو قلعہ ہر ناقصان، فتح ہر شکست امیر جماعت
پر بھی ضروری عائد ہوتی ہے تو اس لحاظ سے جماعت کی غلطیوں میں چونکہ امیر جماعت
بھی شامل ہوتا ہے۔ لہذا ایسی ہی غلطیوں اور کوتاہیوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ
اُس نے آپ کی ان گلی کھلی سب غلطیوں معاف فرمادی ہیں۔

اس معانی کے علاوہ اللہ نے دوسری بات یہ فرمائی وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ اور انکو اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمت پوری کرے۔ اس نعمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو نہ صرف منصب نبوت پر مقرر فرمایا بلکہ آپ پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا۔ پھر آپ کی بعثت کسی ایک قوم یا کسی خاص خط کی طرف نہیں بلکہ اللہ نے فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا حَقَّاقًا بَلَاغِ (سب ۲۸) آپ کی بعثت تمام بنی کرج انسان کے لیے ہے۔ آپ کو اللہ نے غیر عام اور عامہ مطلقاً اور یہ غیر آپ کی امت کو بھی حاصل ہوا۔ آپ کا لایا ہوا دین ساری دنیا میں پھیلنا اور قیامت تک قائم ہے گا۔ یہ سب انعامات ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ اُس نے اپنی نعمت آپ پر پوری کر دی۔

اور ساتھ یہ بھی فرمایا وَيُخْلِدُ بِكَ جو اچھا مستحق تھا اور آپ کی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کی یعنی آپ اس صراطِ مستقیم قائم و دائم ہیں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ اس کے علاوہ وَيُضَلِّلُكَ اللَّهُ دُشمنانِ اللہ میں اللہ نے آپ کی زبردست مدد فرمائی۔ واقعہ مدینہ میں ہی حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ برپا ہوئی مگر آپ کو اللہ نے سلامت رکھا۔ آپ بعد میں شہید بھی ہوئے مگر اس وقت تک مسلمان قیصر و کسریٰ کے تحت الٹ چکے تھے اور نصف دنیا اسلام کے زیرِ نگیں آ چکی تھی۔ اس سے بڑی نصرت الہی کیا ہو سکتی ہے! اللہ نے عرب کے بے سرسلاہ لوگوں کو جو محض قبائلی زندگی سے واقف تھے بڑی نظم اور حکیم سلطنتوں کا ملک بنادیا۔ کافر و مشرک مغلوب ہوئے اور دینِ اسلام دنیا بھر میں پھیل گیا۔

افرض! آج کے دور میں چار باتوں کا ذکر کیا ہے یعنی تفسیروں کی عام معافی، نعمت کا اتمام، راجہ و راست پر استقامت اور زبردست نصرتِ الہی۔ اب اگلی آیت میں صراحت کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ سے یکے کے وعدوں کا ذکر کرنا ہے جو ان کا ذکر اُس سے لگے دور میں نہیں آئے گا۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا
 إِيمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ ۖ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ
 وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑤ لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
 جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفَّرُ
 عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ⑥
 وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ
 الظَّالِمِينَ ۖ بِاللَّهِ ظَنُّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۖ وَ
 غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ
 مَصِيرًا ⑦ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ
 عَزِيزًا حَكِيمًا ⑧

ترجمہ: وہ وہی ذات ہے جس نے انار ایمان ایمان دل
 کے دلوں میں تاکہ وہ زیادہ ہوں ایمان میں اکی کے ایمانوں
 کے ساتھ۔ اور انہیں ہی کے لیے ہیں نیک آسمانوں اور زمین
 کے، اور انہیں ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے ⑤ تاکہ
 داخل کر دے انہیں ایمان مہرودوں اور ایمان مہرودوں
 کہ اکی بہشتوں میں کہ جہنم میں جن کے نیچے نہیں۔ جہنم
 پہنچے گئے ہوں گے اکی میں، اور وہ کہ گئے گا انہیں

اُن سے اُن کی برائیاں۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی گناہی ہے ⑤ اور تاکہ سزا سے اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو گناہ کرتے ہیں اللہ کے پاس میں بڑا گناہ۔ انہی پر ہے یہی گمراہی۔ اور اللہ تعالیٰ غضبناک ہوا اُن پر۔ اور اُن پر لعنت کی، اور عیاں کیا۔ اُن کے لیے جہنم۔ اور بہت بُری ہے لڑنے کی جگہ ⑥ اور اللہ ہی کے لیے ہیں ٹکڑے آسمانوں اور زمین کے، اور اللہ تعالیٰ مہربان اور رحیم ہے ⑦ سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو حجِ بیعت کی خوشخبری سنائی اور ساتھ اپنا زبردست نصرت کا بھوکھین دلیا حضور علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ صباغ کے ہمراہ عمرو کریمہ ہیں، مگر آپ اور انکی عمرو کے صحیح وقت کا اندازہ نہ کر سکے اور خیال فرمایا کہ شاید یہ سعادت اسی سال حاصل ہو جائے گی لہذا آپ ڈیڑھ ہزار جماعتِ صباغ کے ہمراہ مدینہ کی طرف چل پڑے۔ مگر جب آپ مدینہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین نے آپ کو عمرو کے لیے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، بالآخر گفت و شنید کے بعد ملے، آیا کہ مسلمان اس سال بغیر عمرو کے واپس چلے جائیں گے اور اگلے سال اگر ایسا کر سکیں گے۔ مگر چہ صباغ کرنا آپ کے لیے یہ فیصلہ سخت دل شکن تھا مگر حضور علیہ السلام کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا پڑا۔ اللہ نے فرمایا کہ اس نے ایمان داروں میں کمال دینے کا عذرِ اطاعت رکھ دیا تھا۔ اس اطاعت کا ذکر سورۃ فہم میں کثرت کے ساتھ جگہ جگہ آیا ہے۔

نور الیخت

اس موقع پر انصاریہ کریم کے دل میں سخت تردد تھا کہ وہ عمرو نہیں کر سکے مگر اللہ کا نبی اس معاملہ میں بالکل مطمئن تھا کیونکہ آپ جان چکے تھے کہ اسی میں اسلام اور اہل اسلام کی بہتری ہے۔ باقی صباغ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کہی بھی کمال

حبیب کا اطمینان حاصل تھا اور وہ اس فیصلے پر اہل راسخی تھے۔ اللہ نے اسی ہتھکڑی کو
 کیا ہے لَھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ خُذْ تَحَاطُّوْا
 دلائلِ عظیم و کَرِیْم ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں سکینت، اطمینان اور تسلی ڈال
 دی ہے۔ اگرچہ انہیں مذکورہ فیصلے سے رنج تھا مگر اعلیٰ حضرت رسول کے ہذب
 نے انہیں یہ فیصلہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔

اس موقع پر حضور علیہ السلام نے صلح کی گزشتہ ترین شرط قبول کی۔ یہ چیز بھی صلح
 کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرطِ عذاب میں اگر عرض کیا حضورؐ
 کیا اسلام بوجہ حق نہیں اور ہم سچے نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں، اسلام بوجہ حق ہے۔ اللہ ہم
 سچے ہیں۔ پھر عرض کیا، کیا ہمارے مقتول جنّت میں اور کافروں کے مقتول جہنم میں
 نہیں جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا، بالکل ایسا ہی ہوگا حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ پھر وہم
 اتنی گزشتہ شرط کیوں تسلیم کریں؟ حضور علیہ السلام نے جواب دیا، میں اللہ کا پی ہوں
 اور اللہ تعالیٰ ہرگز مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے یہی بات حضرت ابو بکرؓ
 کے ساتھ بھی کی تو ان کا جواب بھی یہ تھا کہ حضور علیہ السلام اللہ کے پی ہیں، اور
 اللہ تعالیٰ آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا۔ بہر حال حضرت عمرؓ کی تسلی ہو گئی اور انہوں
 نے قرآن کی کر کے احرام کھول دیا۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں
 میں سکینت نازل کر دی لِیَقُوْا اَوْ اٰیْمَانًا فَهَبْ اٰیْمَانًا فَهَبْ تاکہ وہ ڈر نہ جائیں
 ایمان میں ان کے ایمان کے ساتھ صحابہ کرام ایمان میں تو پہلے ہی کامل تھے۔ مگر
 دلوں میں سکینت نازل ہونے کی وجہ سے ان کے ایمان مزید مضبوط ہو گئے اور وہ
 دین کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

ارشادِ باری ہے وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ اُوْلٰئِکَ
 لیے ہیں عسکر آسمانوں اور زمین کے۔ آسمانوں کے لشکروں سے مراد اللہ کے فرشتے
 ہیں جن کے ذریعے اللہ نے ہدایت کو نازل فرمایا جو کہ دینِ قریبہ اور ایمان ہے اس
 میں انسانیت کی خدمت اور بنی نوع انسان کی بہتری کا پروگرام ہے۔ پھر یہ ہے

ارشادِ باری
 کے لشکر

کہ فرشتے اللہ کی معصوم مخلوق ہیں جس کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہے لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (آیت ۶۰) فرشتے اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ ہر بھی حکم دیا جاتا ہے اُسے بجا لاتے ہیں۔ اب اللہ نے حضور علیہ السلام کے توسل سے صحابہؓ کی جو جماعت تیار کی تھی، انکی کا خاصہ یہی سی تھا کہ وہ فرشتوں کی طرح اللہ اور اُنس کے رسول کی اطاعت کرتے تھے۔ نافرمانی نہیں کرتے تھے اور ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ تو اللہ نے فرشتوں کے اس آسمانی لشکر کے ذریعے صحابہؓ کے زمینی لشکر پر سکون اور اطمینان نازل فرمایا۔ آسمانی لشکروں نے بدر اور حنین میں زمینی لشکروں کی راہنمائی مدد کی۔ وَلَقَدْ كُنَّا نَكُنُّمُ اللَّهُ يُبْدِي ذَٰلِكَ لَكُمْ (آل عمران ۱۲۳) اللہ نے میدانِ بدر میں تمہاری مدد فرمائی حالانکہ اُس وقت تم بے سرو سامان تھے۔ پھر آگے قین جہز اور پانچ ہزار فرشتوں کے نازل کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسی طرح سورۃ تورہ میں جنین کے موقع پر فرشتوں کے ذریعے مدد کا ذکر آیا ہے لَقَدْ كُنَّا نَكُنُّمُ اللَّهُ يُبْدِي ذَٰلِكَ لَكُمْ (آل عمران ۱۲۵) اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کی، خاص طور پر حنین جگہ کے دن۔ اور پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَكِيْنُ فَاِذَا دَعَا رَبُّكَ فَقُلْ اِنِّىْ سَمِعْتُ وَاتَّقِ الْوَعْدَ الَّذِيْ لَكَ وَاعْلَمْ اَنَّكَ لَتَكُوْنُ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران ۲۶) اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر لکھیں نازل فرمائی اور تمہاری مدد کے لیے فرشتوں کے (لشکر نازل فرمائے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں اور زمین کے وَكَانَ اللّٰهُ يَكْتُمُ خَيْبَتَكُمْ (آل عمران ۴۸) اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعے علم و حکمت کو نازل فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ اس علم و حکمت کو اسے کہ دنیا میں پھیل جائیں اور اُسے بنی نوع انسان تک پہنچائیں۔ دین اسلام کا شیعہ علم و حکمت پر مبنی ہے جب کہ باقی تمام ادیان

یا اقرارِ شرک اور جہالت میں مبتلا ہیں۔ اظہار نے یہ بات سمجھائی ہے کہ دیکھو! اُمّی نے اہل ایمان کے لیے سیکسٹ لٹل لٹل فرما کر اُن کے ایمان میں اضافہ کر دیا ہے اور اُن کے یقین مزید پختہ ہو گئے ہیں۔ ایمان کا اقرار تو سبہر حال یکساں رہتا ہے اور اس میں اضافہ نہیں ہوتا۔ مگر اس کی طمانیت میں تو لڑنا اضافہ ہو جاتا ہے جس میں دو آسانی حکم کی طرح ہر من اعانت شمار بن جاتے ہیں اور ہر قسم کی قرانی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

اہل ایمان کے لیے نکاحات

بیعت رضوان کا مندرجہ ذیل گزشتہ درس میں چھپکا ہے۔ جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو صحابہ کرام نے آپؐ کو نبی کے لیے مرنے کی بیعت کی۔ یہ بہت اہم فیصلہ تھا جس نے مشرکین کو صلح پر آمادہ کر دیا۔ اگرچہ انہوں نے بڑی کڑی شرطیں پیش کیں مگر حضورؐ علیہ السلام کی فراست نے یہ جان لیا تھا کہ اگرچہ یہ شرط بظاہر مسلمانوں کے خلاف ہیں مگر حقیقت ان میں اہل اسلام ہی کا فائدہ ہے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے فتحِ بیہین قرار دیا۔

ان اہل ایمان کے متعلق خداوند تعالیٰ نے فرمایا: لَا تُؤْمِنُ جُنُودٌ مِنْ نَحْنُ اَلَا تَهْوٰی اِلَيْهِمْ مَّا دَخَلَ كُرْسٰی اللّٰهِ تَعَالٰی مَوْنٌ مُّردوں اور عسکر توں کہ پشتوں میں جن کے پیچھے نہریں بہتی ہیں۔ وجہ ظاہر کہ عسکر آدمی ہمیشہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے ہر کام کرتے ہیں۔ اہل ایمان خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر پختہ ہوتا ہے، جب کہ کفار و مشرکین اور منافقین میں یہ چیز نہیں پائی جاتی۔ مسلمانوں کے قلب و ذہن میں ایک طرف خدا تعالیٰ کی رضا اور دوسری طرف خدمتِ خلق کا مشورہ ہوتا ہے۔

رضا اللہ اللہ
خدمتِ خلق

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ دین کا پختہ اور خلاصہ اَلْعِظَمُ اَلَا مَرْءٌ اللّٰهُ وَشَفَعَةُ عَلٰی كَلْبِیْنِ اللّٰہِ اللہ کے حکم کی تعمیل اور مخلوقِ خدا پر شفقت ہے۔ مراد اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دوس میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نبی کی اطاعت ہے اور مخلوق کو خدمت سے راضی کر لو کیونکہ دین کا سبب اباب ہیں ہے امام شاہ ولی اللہ

بھی فرماتے ہیں کہ ہر شریعت آدمی کا طبی اعتنا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی رضا حاصل کرے اور
 اپنی طرح انسانی کی خدمت بکھاوے۔ خدمتِ خلق تو غیر مسلم بھی کرتے ہیں اور اس
 کے لیے جہاد باگ دھوئے بھی کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات دھوئے اصل خدمت
 سے بھی پرہیز جاتا ہے۔ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ انسانیت کی
 خدمت کرتے ہیں حالانکہ وہ ان بدترین قسم کی ڈکٹیٹر شپ ہے ان کا قہلم حکومت
 ایک فرد کی بکھائے ایک جماعت کی خلقِ انسانی ہے۔ اور پھر طغی کی بات یہ
 ہے کہ جہاں ضرورت ہو وہ اپنے سوشلزم کے اصولوں کو بھی فراموش کر دیتے ہیں
 چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم میں کمیونسٹوں کا اپنی ملک دوس امریکہ اور
 برطانیہ جیسے سراپہ دلاؤں کے ساتھ مل گیا اور اپنا مطلب نکال دیا، غرضیکہ غیر مذہب
 والوں کی خدمتِ خلق محض ذہانی دھڑلے تک محدود رہتی ہے جب کہ اصل خدمتِ خلق
 وہ ہے جو اس قدر پیش کر آئے، اور جس کا مقصد دنیا میں تشریف نہیں بلکہ اللہ کی رضا
 ہوتا ہے۔ اسلام کے عقیدہ و جزائے عمل سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ
 اہل ایمان خدمتِ خلق کا معاوضہ کسی مخلوق سے نہیں بلکہ خالق سے طلب کر آئے
 جب کہ غیر ایمان والے اور دوسرے لوگ اپنی نام نہاد خدمتِ انسانی کا معاوضہ اسی دنیا
 میں نقدی، جنس، عہدے یا اقتدار کی صورت میں وصول کرنے کے متنبی ہوتے ہیں
 اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مومنوں کے لیے اللہ نے اپنے ہاں بہشت تیار کر رکھے
 ہیں جن کے نیچے ندریں آتی ہیں خُلدِ دین فیہا کمون لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں
 گے، وہاں کی نعمتوں سے مستفید ہوں گے اور وہاں سے کبھی نکلے نہیں جائیں گے
 یہ ان کی خدمتِ خلق کا بدلہ ہوگا۔

اہل ایمان کے لیے ایک اور انعام یہ ہوگا وَبِكُلِّ نَفْسٍ مِّنْهُمْ نَفْسًا مِّنْهُمْ
 کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی برائیاں اور کراہیاں نڈر کر دے گا۔ ظاہر ہے جنگ
 کے دوران یا دیگر مواقع پر بشری نقصانوں کے مطابق ان لوگوں سے کچھ غلباں بھی
 سرزد ہو جاتی ہیں مگر اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو صاف فرمائے گا۔ کوکات

فَرَأَىٰ عِندَ اللَّهِ كَافِرًا مُّؤْمِنًا اِنَّ خُذَ اللّٰهُ الْعَاقِبَةَ لَخَالِفٌ لِّمَآ تَرَىٰ عَیْۤنُ الْبَاطِلِ اِنَّهٗ سَرِیۡسٌ ۝۱۰
 انسان کی غلطیاں سماعت پر مبنی ہیں اور وہ اللہ کی رحمت کے مقامِ جنت میں پہنچ جائے۔
 بہر حال فرمایا کہ اللہ نے صحابہ کی جو جماعت تیار کی تھی اُن کی نظر پر اللہ کی رضا تھا۔ وہاں
 مقصد کے لیے خدمتِ خلق اور عبادت و ریاضت کرتے تھے اور ایسے ہی لوگوں
 کے متعلق فرمایا کہ اللہ انہیں بہشتوں میں داخل کرے گا، اُن کی غلطیاں سماعت فرمادیں گے۔
 اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

مشرکوں اور
 منافقوں
 کیلئے سزا

اس کے برخلاف فرمایا وَقَعَدَۤبَ الْمُتَفَقِّهَیۡنَ وَالْعَٰلِفَیۡنَ وَالْمُشْرِکِیۡنَ
 وَالْمُشْرِکَیۡتِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی سَزَاۤءُ مَنَاقِبِ مُّرَوِّدِیۡنَ اور منافق عمورتوں کو اور مشرک
 مردوں اور مشرک عورتوں کو۔ قرآن کے یہ دو گرام کی مخالفت میں منافقوں اور مشرکوں
 کے دونوں گروہ ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ منافق وہ لوگ ہیں جو بیجا ہر ذکرِ توحید
 پڑھتے ہیں۔ نبی کی مجلسوں میں بھی شریک ہوتے ہیں مگر جب جنگ پر جانا ہوتا ہے
 یا دوسری مشکل درپیش ہوتی ہے تو اُن کی خباثت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اُن کے دل
 کھڑے سمیرتے ہوئے ہیں اور وہ ہمیشہ باطنی سازشوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں
 کو نقصان پہنچانے کے منصوبے رتبے ہیں اور مشرک بھی جو کلمہ کلا دین کی مخالفت
 کرتے ہیں، اُن کے راستے میں ہر رکاوٹ کھڑی کرتے ہیں اور اللہ کے دین اور
 اس کے پیروکاروں کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔ منافقین اور مشرکین کے علاوہ
 یہود و نصاریٰ بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ وہ بھی اسلام کو پھینکا پھونکا نہیں دیکھ سکتے
 حقیقت میں اُن کا دین بھی دینِ ابراہیمی تھا۔ جس کا اعلان تَعَالٰی عَلَیۡہِ سَلَامٌ
 مُّشْرِکِیۡنَ ۝۱۱ (المعج، ۳۱) صرف ایک خدا کی وحدانیت پر قائم ہو جاؤ اور اس کے
 ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، مگر انہوں نے اصل دین کو بگاڑ دیا اور کفر و شرک میں
 ہی مبتلا ہو گئے۔ ان کو بھی اللہ تعالیٰ سزا میں مبتلا کرے گا۔ قرآنی ہد گرام سے
 انحراف کرنے والے بلکہ اس کی مخالفت کرنے والے قدیم ہندو اور جدید کھنڈ بھی ہیں
 اس کے علاوہ بدعتِ زمانے ہیں جو مشرقِ بعید کے ملکوں میں رہتے ہیں۔ یہ سب مشرکین

میں شامل ہیں اور مزار کے مستحق ہیں۔

مشرک کے
مستحق
ہنگامی

فرمایا اللہ تعالیٰ انہی منافقوں اور مشرکوں کو سزا دے گا الْمُشْكَاتِیْنَ یا اللہ تعالیٰ انہی منافقوں اور مشرکوں کے ساتھ نڈا لگائے جاتے ہیں۔ برے گمراہ سے یہی سرواڑہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی خود ساختہ نیکیوں کو ہی اقبال و آخر سمجھتے ہیں اور اپنی پر عمل کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے منافقوں کو عمرو کے لیے ساتھ چلنے کی دعوت دی مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بدگمانی کی اور مسلمانوں کی حرکت کا غلط فہم کیا اس لیے ان کی کثرت اس وقت پر مسلمانوں کے ہزارہ گئی۔ انہیں مشرکین کہہ کر بدگمانی یعنی کہ شاید مسلمان مشرک اور بیت اللہ شریف پر قبضہ ہی کریں، لہذا انہوں نے اہل ایمان کو گمراہی داخل ہی نہیں ہونے دیا اور صلح نامہ کی آڑ میں عمرو کی اونٹنی اگلے سال پر ہتھی کر دی۔ اگرچہ اس میں بھی مسلمانوں ہی کی بہتری تھی مگر مشرکوں نے اپنی بدگمانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

فرمایا منافق اور مشرک بدگمانی کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے عَلَيْهِمْ ذُنُوبُهُمْ اللہ تعالیٰ کہ اس بدگمانی کی بری گردش اپنی پر پڑ چکی اور باوجود یہی مستحب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو غالب کر لگا۔ وَفُضِّلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ اور اللہ تعالیٰ پر ارض ہوا اور ان پر لعنت اور پشکار کی۔ چنانچہ یہ لوگ مستحب اور ملعون ہو گئے۔ اللہ نے دنیا میں بھی انہیں ناکام بنایا۔ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ اور آخرت میں ان کے لیے جہنم تیار کر دی ہے وَأَعَدَّ لَهُمْ مَقْصُورًا جو کہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بڑی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بدگمانی کرنے والوں کا انجام بھی بتا دیا۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خدائی لشکر والی بات کو دہرایا ہے وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا تعالیٰ ہی کے ہیں۔ آسمانی لشکر اللہ کے مقرب فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔ اور زمینی لشکر میں آپ کے صحابہ کرام ہیں جن کو حضور علیہ السلام نے آسمانی لشکر کے نمائندے پر قائم کیا۔ ان کے ہمیشہ نظر بھی ہمیشہ اللہ کی رضا اور جنت نوازی کی

خدا تعالیٰ

خدمت ہوتی ہے۔ یہ ہر قربانی ہمیشہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور انہوں نے اپنی اعانت کا نمونہ سب سے اوقات پر پیش کر دیا۔ ان کی اس قربانی کے نتیجے میں اللہ نے ان کو غالب بنایا اور دنیا کی کوئی طاقت ان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکی۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کا زمانہ اجماعی لحاظ سے ساری امت کے لیے نمونہ ہے۔ انہی کے نقیض قدم پر چلنے والی جماعت کو کامیابی حاصل ہوگی۔ مگر اس کے لیے شرائط بڑی سخت ہیں۔ یہاں تو سرورِ وحیؐ کی بازی لگانی پڑتی ہے، تب جا کر کامیابی نصیب ہوتی ہے فرمایا ارض و سما کے لشکر اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وَسَيَكُنِ اللّٰهُ يُزَيِّنُ اَحَدَكُمَا اور اللہ تعالیٰ زبردست، کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔ وہ جو چاہے کرے، اس کے سامنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی اور اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ پر بدگمانی کر کے اُس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے اور ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتے ہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۸ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَتَعَزَّوْهُ وَتُقِرُّوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝۹
إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ
يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ
عَلَى نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَيَسْتَوِئْهُ
أَجْرًا عَظِيمًا ۝۱۰

ترجمہ :- بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو
شام جا کر اور غوثگیری بیٹے والا اور ثر ملنے والا ۝۸
بلکہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر ، اور
اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور اس کی تسبیح
بیان کرو صبح اور شام ۝۹ تحقیق وہ لوگ جو بیعت کرتے
ہیں آپ سے بیشک وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے ۔
اللہ کا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر ہے ۔ پس جو شخص توڑے
گا ، پس وہ توڑا ہے اپنے ہی نقصان کے لیے ۔ اور
جو پہلو کرے گا اُس چیز کو جس پر اُس نے اللہ سے
عہد کیا ہے ، پس مغرب سے گے گا اُس کو اللہ تعالیٰ
اجر عظیم ۝۱۰

سجادہ مدنیہ میں کمزور شریکوں کی اصلاح کی گئی تھی اس لیے
ایمان والوں کے دلوں میں غلبہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے رفع کیا اور اُن

پہنچا جس اطمینان لہذا فرمایا۔ اُن کے ایمان میں اضافہ فرمایا، اور جہد انکسارات کی جہاد بھی دی۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفائی کا اعلان بھی فرمایا اور حاصل ہونے والے فوائد کو فریضہ عظیم قرار دیا۔ اس کے برصافات معنائی اور دھرمک سرودوں اور عورتوں کے متعلق فرمایا کہ وہ برگامانی کرتے ہیں۔ انکی پر بڑی گردش پڑے گی، اللہ تعالیٰ کا غضب نہ نصرت ہوگی اور ان کے لیے جہنم بھی تیار ہے۔ پھر فرمایا فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، تمام آسمانی اور زمینی لشکر اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ وہ آسمانی لشکر نما کر ایمان والوں کی تائید فرماتا ہے۔ اللہ کے نبی نے زمین پر صحابہ کی جماعت تیار کی ہے جو فرشتوں کی طرح تعین و حکم کرتے ہیں، اور یہ تنظیم کے ساتھ کام کرتے ہیں اور اللہ نے انکی کمر بعد میں آنے والوں کے لیے بطور نمونہ بنایا ہے۔ جو اللہ اور اس کے نبی کے بیان کردہ پروگرام کو آگے چلاتے ہیں۔ اب آج کی امت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے پانچویں خبر کی حیثیت کو واضح کیا ہے اور پھر بیعت خراک میں شامل ہونے والی صحابہ کی جماعت کا تذکرہ ہے۔

وہی خبریہ شام

یہ خبریہ معلوم کی حیثیت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّا ارْسَلْنَاكَ شَاحِدًا عَلَی الْاَشْرَکِیْنَ دُھول! ہم نے آپ کو شامہ بنا کر بھیجا ہے۔ شامہ کا ایک معنی قرگراہ آتا ہے۔ جیسے سورۃ بقرہ میں ہے وَکَذٰلَکَ جَعَلْنَا کُرْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتُکَوِّنُوْا شَہِدًا عَلَی النَّاسِ فَاَیْکُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا (آیت ۱۴۳) اور اس طرح ہم نے تمہیں افضل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بن جاؤ، اور اللہ کا رسول تم پر گواہ بن جائے۔ اس طرح سورۃ النساء میں واضح کیا گیا ہے فَکَیْفَ اِنَّا جَعَلْنَا مِنْ حَیْلِ اُمَّةٍ شَہِیْدًا وَجَعَلْنَا بِکَ عَلٰی اَهْلِ الْاَدْلٰہِ شَہِیْدًا (آیت ۴۱) اُس وقت کی منظر پر ہر گاہ جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور پھر آپ کو آپ کی امت پر ہر گواہ پیش کریں گے۔ ساری امتوں کے انبیاء اپنی اپنی امت کی گواہی دیں گے اور پھر حضور علیہ السلام بھی اپنی امت کے بارے میں تبلیغ رسالت کی گواہی

ہیں گے کہ اللہ نے جو کام میرے سپرد کیا تھا، اور جو عیال ہے کہ مجھے بھیجا تھا، وہ میں نے اپنی امت تک پہنچا دیا۔

شاہ عبدالعزیز شاہ کاسمی مسلم کہتے ہیں، اللہ وہ مسجدِ نبی کی آخری آیت سے استدلال کرتے ہیں، جہاں اللہ نے فرمایا، لازم پکڑو مکنت اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی۔ اُنہوں نے تمہارا نام سلطان رکھا ہے، اس سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا رَسُولَ اللَّهِ** اور تم مسلم ہو لوگوں کے علیٰ انیس تاکہ رسولِ مسلم رہو (والہ) ہو تمہارا، اور تم مسلم ہو لوگوں کے گویا حضور علیہ السلام کی ایک حیثیت مسلم کی بھی ہے، معلم اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا ہے اور پھر ان کے ذمے کام بھی لگاتا ہے، اسی طرح آپ کی دوسری حیثیت سرِ جماعت کی بھی ہے، یعنی آپ **نَافِذُ أَمْرِ** اور امیر جماعت المسلمین بھی ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ کو نبی مقرر کیا، یا مسلم بنا کر بھیجا ہے۔

یہ حیثیت معلم حضور علیہ السلام کی اور کئی تعلیم اپنے صحابہ کے لیے یہ بتاتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائیں، اور دینِ اسلام کے تقاضوں کو پورا کریں۔ بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت فطرۃً ہر شخص کی روح میں ڈال دی ہے۔ اور اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی کفر و مخلوق کی خدمت کرے۔ قیامت ملے دن لوگ اللہ کی محبت کے بڑے دعوے کریں گے، مگر اللہ تعالیٰ ان کو جھٹکا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے آدم کے بیٹے! میں تیرے پاس بھیجا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، اللہ تعالیٰ کی محبت سے تیرے پاس بھیجیت مسافر آیا تھا، مگر تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انسان حیران ہو کر عرض کرے گا کہ پروردگار! تو رعبِ عظیم ہے۔ غلامِ مخلوق اور ہر چیز پر قادر ہے، تو کیسے مسافر بن سکتا ہے اور کیسے بھیجا گیا؟ اور بہرہ نہ ہو سکتا ہے؟ اللہ فرمائے گا کہ میرے نفل بندہ تیرے پاس نکلتا ہے کہ آیا تھا، اُن کے پاس کھانے پینے اور پہننے کے لیے کچھ نہیں تھا، اسی طرح نفل

بندہ میرے پاس نہای ہیں کہ اے خدا مگر تم نے ان کی کڑی مذمت نہ کی۔ اگر ہم
 جس کے کہہ دیتے، پیلے کو چوتے، اگلے کو پہناتے اور مسافر کی خبر گیری کرتے
 تو آج میری رضا کرتا۔ تم اس امتحان میں ناہم ہوئے لہذا امتحانِ امت کا دعویٰ
 جس کا ہے۔

پیغمبرِ بحیثیت
 بشرِ لونی

اس کے برخلاف جو لوگ دین کا کام صحیح طریقہ پر کرتے ہیں، ایک طرف
 اللہ کی مرضیات پر چلتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور دوسری
 طرف مخلوقِ خدا کی مذمت بہاوتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے حضور علیہ السلام شام
 کے علاوہ قُبْحِیْنِیْزِ یعنی غوغائی بننے لگے ہیں۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے ان کی بیاہ
 ہوں گے۔ ان کی ترقی نصیب ہوگی اور ان کو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ اور جو
 لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے، قرآنی پروگرام کی مخالفت کرتے
 ہیں، اپنی رجعت پسندانہ سرگرمیوں پر مصر ہیں، ان کے لیے حضور علیہ السلام کو کَذِبُوا
 یعنی ڈرسنے لگے ہیں۔ یعنی آپ ان کو ان کے بُرے انجام سے ڈرانے
 والے ہیں۔

آگے اشارے عام لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ وَإِنَّمَا يُنَادِيكُمُ
بِالنَّاسِ وَذُرِّيَّتِهِ تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا دین کی بنیاد ہے اور رسول اللہ تعالیٰ
 کا نائب ہے۔ وہ اس حیثیت سے اپنے آپ کو تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے،
 اس میں اور بہت والی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اس پر بھی ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت
 کرو۔ یہ ضروری ہے کہ لوگ اللہ کا فراموشی نہ کرے فَلْيُطِيعُوا اللَّهَ الَّذِي تَخْتَلَفُ فِيهِ
الْأَفْئِدَةُ وَالنَّسَاءُ (۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے گمراہی اللہ تعالیٰ ہی کی
 اطاعت کی۔ نیز فرمایا وَلْيُطِيعُوا الرَّسُولَ اور اس کی مدد کرو۔ یعنی اس کے دین کی مدد
 کرو۔ دین کی تعلیمات پر خود بھی عمل کرو اور اُسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ اس کا
 نامہ گزشتہ سورۃ محمد میں گزر چکا ہے إِنْ تَصْضُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُخْرِجْكُمْ

اَقْدَامُكَ كَرَامَتٌ ۛ) اگر قسم اللہ معنی اُس کے دین کی مدد کر دے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا۔

پھر اللہ نے عام لوگوں سے یہ بھی فرمایا: وَلَا تَقْرَؤْهُ اور اس کی تفسیر مجاہدؒ - اُس کی عزت اور توقیر کرو۔ کیا کرنی کام نہ کرو جو اس کی عظمت کے خلاف ہو وَلَا تَقْرَؤْهُ یعنی وَلَا تُخَيِّلُوْهُ اور صبح اور شام اُس کی تسبیح بیان کرو۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر قسم کی تقصیر سے معاف کر دے گا۔

بیعت رضوی کا ذکر تفسیر کے طور پر پہلے اور دوسرے درجہ میں ہو چکا ہے۔ حدیث کے مقام پر تقریباً پندرہ سو صحابہؓ کی جماعت نے حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی تھی کہ حضرت عثمانؓ کی خدمات کا بدلہ لینے کے لیے ہم جانوں پر کیل جائیں گے۔ چنانچہ اسی بیعت کے نتیجہ میں اہل اسلام اور مشرکین کو کھار دیا صلح کا معاہدہ طے پایا جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیعت کا مزید ذکر آگے تیسرے رکع میں بھی آ رہا ہے، تاہم یہاں پر اس بیعت کی فضیلت کا ذکر ہے۔ ارشاد ہر اس ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَبَايِعُوْكَ فَاَنْصَبِيْكَ يَعْوْنُ اللّٰهُ بَيْعَكَ وہ لوگ جو آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں، حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ كُلِّ اَيْدٍ فَهِيَ اَنْ کے ہاتھوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، طلب یہ کہ جب وہ بیعت رضوی کر رہے تھے تو انی

نے تَقْرَؤْهُ، وَلَا تَقْرَؤْهُ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو کر اس کی رضا مندی سے کہ ترجمہ میں کر دی گئی ہے۔ جنہوں نے ان کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی تائید و مدد دین کی مدد کرے۔ اور اس طرف سے اَللّٰهُ فَوْقَ كُلِّ اَيْدٍ فَهِيَ اَنْ سے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وقار و عظمت سے خوف نہیں کھاتے یا اسکی قریح اور وسعت نہیں سمجھتے اگر پہلی دو خبریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوں تو یہی درست ہے اپنی تفسیر و تکرار نہ کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے ہر حال تسبیح یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہی راجع ہو (مترجم)

بیعت رضوی
کی فضیلت

بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک پر اس بات کی بیعت بھی کی کہ وہ سخت پر قاضی رہیں گے اور بدعات سے بچتے رہیں گے۔ پھر خود انہوں نے بھی اس بات کی بیعت کی کہ وہ شرک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، زانیہ نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، نہ اپنے اہل عیالوں میں کوئی جھگڑا نہ اٹھائیں گی، دھبی خیر کی اولاد نہ پیدا کریں گی، اور نہ عیال کا سر میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔ اس بیعت کا ذکر سورۃ التہذیب میں موجود ہے۔ بیعت کی ایک قسم بیعتِ تبرک بھی ہے۔ حضرت زبیرؓ اپنے آٹھ سال کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے گئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرایا، یہ بھی بیعت تھی اور نہ بچے کے لیے بیعت کی ضرورت نہ تھی۔

بعض اوقات جنگِ دین کے کسی مسئلہ میں داخل ہونے کے لیے بیعت کی جاتی ہے یعنی بیعتِ سلوک کی بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ عام طور پر ہندو گائی دین کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے اور جو مرتد ہے اس کا مطلب یہ اقرار کرنا ہوتا ہے کہ ہم ارکانِ دین کی پابندی کریں گے، عبادت و ریاضت اور ذکر و تلاوت کا رواج قائم رکھیں گے اور جانتے جاہل غائب و غیوب ہوں اور اشتراکِ اقرب حاصل ہو سکے۔

ایک بیعتِ خلافت بھی ہے جو علیؓ کے انتخاب کے لیے ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی اور اسی طرح دیگر خلفائے راشدینؓ کی بیعت بھی ہوئی، بیعت کی یہ تمام قسمیں حضور علیہ السلام سے ثابت ہیں۔ البتہ اس مقام پر جس بیعت کا ذکر ہو رہا ہے وہ بیعتِ جہاد تھی جو تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہؓ نے حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک پر سواریہ کے مقام پر کی تھی اور جس میں جان کی بازی لگانے کا اہم کیا تھا۔

شاہدِ رفیع الدینؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ کسی بزرگ کے ہاتھ پر محض دنیاوی فوائد حاصل کرنے کی بیعت کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ جہاد کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسے اپنی سزا سنائی دے گی۔ شاہدِ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھی بیعت ہے جس

کا کچھ فائدہ نہیں۔ البتہ بیعت کی باقی یعنی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ وہ درست ہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے پیر یا بزرگ سے بیعت ہونا درست ہے، جس میں حسب ذیل اوصاف پائے جائیں۔

(۱) پیر کتاب و سنت کا علم رکھتا ہو، خود پرہیزگار علم حاصل کیا ہو یا کسی بزرگ کی صحبت حاصل کی ہو، بہر حال اس کے پاس کتاب و سنت کا علم ہونا چاہیئے۔

(۲) کبار ائمہ سے محبت اور عارف پر اصرار نہ کرے۔ کبار کا ترک بیعت کا اپنی نہیں ہونا کیونکہ وہ ضائق میں شمار ہوتا ہے۔

(۳) بیعت لینے والا دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی طرف رغبت رکھتا ہو۔

(۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عامل ہو۔ اپنے متعلقین کو اچھی بات کا حکم دے اور گمراہی میں کوئی بری بات دیکھے تو فوراً روک دے۔

(۵) پیر خود رکن نہ ہو، بلکہ برطرہ قسم اس نے بزرگی سے یکجہ ہوا الی کی صحبت اختیار کی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی وفات کے بعد بیٹا جیسا کیا یا بی بی جیسی بیٹی ہو گئی تھیں ہو گی نہ کسی کے سیکھا، نہ کسی کی صحبت اختیار کی اور نہ علم حاصل کیا۔ یہ سلسلہ تو بہاؤ کن ہے جو آجکل کثرت رکھتا ہے۔

اگر وہ شرط کو پورا کرنے والا کوئی بزرگ مل جائے تو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لینا چاہیئے، تاکہ نہ ناشائستگی نہ کینہ کے سے محفوظ رہ سکے۔ ویسے یہ بیعت نہ فرض ہے اور نہ واجب، البتہ سنت ہے۔ بزرگاری دین میں سے حضرت وفاق اور شیخ عبدالعزیز جیلانیؒ سے بھی منقول ہے کہ اگر کوئی کابل آدمی مل جائے تو بیعت کر لینا چاہیئے، البتہ کسی غلط کار، فاسق، شرکیہ اور بدعتیہ اعمال کرنے والے پیر کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مرنے والی فرماتے ہیں۔

لے لے با ایلیں آدم روئے ہست

ہم ہر مستیہ نیا پر دارو دست

اس قسم کے لوگ انسانی شکل میں شیطان ہیں، اس لیے ہر ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھ دینا چاہیئے نہ وہ شرک اور بدعت میں مبتلا کر دیں گے اور انسانی کو گمراہ کر کے رکھ دیں گے۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی

شیخ عبد القدوس گنگوہی دسویں صدی کے بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کا تعلق چشتیہ خاندان سے تھا۔ آپ شاہ عبد الحق رددولی کے فرزند کے مرید تھے۔ آپ کا نام حضرت خواجہ نظام الدین لویاڈا قاری ندانہ ہے۔ آپ اپنے نادری زبان کے مکررات میں اپنے ننانے کی تمام پیری مریدی کا رد ان الفاظ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔
 ”یہ بات ایسا امر و از بد و زنا است کہ جہاں از پیری و مریدی
 پڑشد و زنجی خبر از مسلمانی نیست“

افسوس کہ آج کا زمانہ ہمارے لیے کتنا بڑا ناز ہے کہ سدا جہاں پیری مریدی سے بڑھے لیکن مسلمانی کی خبر بالکل نہیں۔

ایک دوسٹر مکتوب میں فرماتے ہیں ”امروز از بد و زنا است“ پیری مریدی کہاں ہے جو عزت پرستی و خود پرستی نیست؟ ہمارے قدر کتنا بڑا دور ہے کہ یہاں پیری مریدی نہیں بلکہ بت پرستی اور خود پرستی ہے آج کل گری فیشن عام طور پر ہی پکڑ کر رہے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ”امروز درویشی بمقتد فروش است“ یعنی آج کی درویشی وروشی نہیں بلکہ یہ تو بمقتد فروش ہے۔ یہ تو دین فروش ہے کہ دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کے لیے پیری مریدی کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ یہ گنبد، پختہ قبریں، چادریں اور چٹھائے اسی مقصد کے لیے ہیں۔ حضرت گنگوہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ”نامہ برائے دار“ خدا تعالیٰ ہم ایسے بد نصیب لوگوں کو جس قسم کی درویشی اور دین فروش سے قرعہ کہنے کی توفیق عطا فرمائے؟ اول بابائے مسلمانی درست کلمہ و درویشی ہم سب سے پہلے دین اور عقیدے کو درست کریں اور اس کے بعد درویشی اور پیری مریدی کی طرف توجہ دیں۔ مگر حقیقہ اور اسلم ہی درست نہیں تو اس پیری مریدی کا کیا فائدہ؟ آج کل کی پیری مریدی تو بڑا دھوکہ اور فرار ہے۔ اس میں شرک اور بدعت کے سوا کچھ نہیں البتہ یہ کہ امام شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے اگر نہ کہہ پاکی شرط کا حامل کوئی بزرگ مل جائے تو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہیے اگر اُن کی شیطان کے پسند سے بچ جائے

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَقَلْنَا مَوَالِكَ
وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْنَا يَفْقَهُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي
قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ
ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۱﴾
بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى
أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزَيَّنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنًّا سَوْفًا
وَكُنْتُمْ قَوْمًا يُونُسَ ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ يُغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَكَانَ
اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ:۔ عنقریب کہیں گے آپ کے سامنے تیغیے پہنے
لئے دیباں کہ مشغول کر دیا ہیں ہمارے مالوں اور ہماری
اورادوں نے۔ پس آپ بخشش طلب کریں ہمارے
لیے۔ (اللہ نے فرمایا) کہتے ہیں یہ اپنی زبانوں سے وہ
بات جو ان کے دلوں میں نہیں۔ آپ کہہ دیجئے (لئے
پیشہ) پس کون ملک ہو گا تمہارے لیے اللہ کے سامنے
کسی چیز کا اگر وہ ارادہ کرے تمہارے بارے میں نقصان

کا یا ازارہ کرے تھامے معلق فائدہ پہنچانے کا ۔ بلکہ
 اللہ تعالیٰ ، جو کچھ تم کام کرتے ہو ، اس کی خوب خبر رکھنے
 والا ہے ⑪ بلکہ تم نے گمان کیا کہ ہرگز نہیں واپس
 لوٹے کر آئیں گے اللہ کے رسول ، اور ایمان والے اپنے
 گھروں کی طرف کبھی بھی ۔ اور مزیں کی گئی ہے یہ بات
 تھامے دلوں میں ، اور عثمان کیا تم نے بڑا گمان ، اور تم
 تم لوگ چاک ہوئے وائے ⑫ اور جو شخص ایمان نہیں لائے
 گا اللہ اور اس کے رسول پر ، پس جیسا کہ ہم نے تیار
 کی ہے کفر کرنے والوں کے لیے جیسا کہ پھر بھی ہم نے آگ ⑬
 اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین
 کی ۔ وہ بخشتا ہے جس کو چاہے اور سزا دیتا ہے جس
 کو چاہے ۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا مہربان ہے ⑭

اس سورۃ مبارکہ میں فتح میں اور رسول خدا اور اہل ایمان پر کیے گئے احسان
 کا ذکر ہوا ۔ معاہدہ حدیبیہ کی کنوینشن کی وجہ سے اہل ایمان کے دلوں میں جو ایک
 قسم کا شک اور نفوس پیدا ہو گیا تھا ، اس کا ازالہ اللہ نے ایمان والوں کے دلوں میں
 تسلی اور اطمینان نازل فرما کر کیا اور اس طرح ان کے ایمان میں اضافہ فرما دیا ۔ اللہ
 نے اہل ایمان کے سراب عالیہ کا ذکر بھی کیا ، حضور علیہ السلام نے اپنی تربیت کے
 اور یہ صابر کی جو جہالت تیار کی تھی اللہ نے اس کی حیثیت اور مرتبہ میں برائی
 فرما دیا ۔

خدا تعالیٰ نے دین حق اور قرآن کی پروگرام کی مخالفت کرنے والے مختلف
 طبقات کا ذکر بھی کیا ۔ ان میں منافق اور مشرک ہر دو گروہوں کے سرور و زوال شامل
 ہیں ۔ ان کے علاوہ یہود و نصاریٰ ، صابی ، مجوسی اور بدعت سب خدا تعالیٰ
 کے نازل کردہ پروگرام کے مخالف ہیں ، ان سب کو جیسے انجام سے آگاہ کیا گیا

ہے پھر آسمانی لشکر یعنی فرشتوں کے ذریعے اہل ایمان کی تعزیت اور حائید کا ذکر کیا
پھر پیغمبر علیہ السلام کی حیثیت کے بارے میں فرمایا کہ اللہ نے آپ کو شاہد، مبشر اور
نذیر بنا کر بھیجا ہے، اور ساتھ ساتھ ایمان والوں کو خدا تعالیٰ کی توبہ اور نجات کی ہدایت پر
ایمان لانے، پیغمبر کے واسطے ہونے والی کی مدد کرنے، پیغمبر خدا کی عزت و توقیر کرنے اور
خدا تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرنے کا حکم دیا۔

بیسویں عنوان کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد و
پیمان کیا گیا تھا کہ اہل ایمان ان کی راہ میں سر و سرکار کی بازی لگانے سے گریز نہیں کریں
گے۔ اسی ہیئت کے نتیجے میں کفار اور اہل ایمان کے درمیان صلح ہوئی جسے فتح کہیں
کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس کی وجہ سے اسلام میں داخلے کے لیے تمام دروازے
کھل گئے اور لوگ دوسرا دوسرا اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ مسافر کا اخلاق
اور عمل لوگوں کے سامنے آگیا اور لوگ قرآنی نظام کو سمجھنے لگے۔

اب اس رکوع میں اللہ نے منافقین کی مذمت بیان فرمائی ہے جنہوں نے اسلام
کے زمانہ میں تو اعتقادی منافق تھے جو بظاہر لاکھ پڑھتے تھے مگر حقیقت میں انکی
کے دل کفر کے ساتھ ہی مطمئن تھے۔ ان کے بعد کے دور میں اور موجودہ زمانے
میں بھی اعتقادی منافق تو نہیں ہیں البتہ عملی منافقوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ منافقوں
کی یہ قسم مسلمانوں میں بھی کثرت سے پائی جاتی ہے۔ جن کی زبان اور دل، قول اور
فعل دکھائے کہ باطن آپس میں متضاد ہیں۔ کج کے زمانہ میں صحیح، سچے اور خلص مسلمانوں
کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے۔ بہر حال اسلام کے مخالفین میں منافقوں کو خاص حیثیت
حاصل ہے۔ یہ باطنی طور پر اہل اسلام اور خود دین اسلام کو سخت نقصان پہنچانے
والی جماعت ہے اللہ نے مختلف سورتوں میں ان کا عمل بیان کر کے ان سے بچنے
کی تلقین کی ہے، پھر ان کی باطنی خواہش کی وجہ سے ان کو جو رسوائی ہوتی ہے اللہ
نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ خدا پرست ہوتے ہیں، اگر کہیں فائدہ نظر آئے

توسلی نرس کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں اور جہاں کسی نقصان کا خطرہ ہو وہاں پہلو بچا جاتے ہیں۔ چونکہ انٹرنیٹ ویج کی انست کی قیام کس کے لیے ہر مخالفت دین سے جہاد کا حکم دیا ہے، لہذا اس لکھا ہے جہاد کی زندگی میں ناقصین پر بھی پڑتی ہے اس دکت میں انٹرنیٹ نے حضور علیہ السلام کے نام کے اختیاری ناموں کی اس صفت کا ذکر لکھا ہے کہ ان کے پیش نظر ہمیشہ ذاتی مفاد ہوا ہے اور دین سے ان کی کوئی غرض نہیں ہوتی۔ چنانچہ ستر میں جب حضور علیہ السلام نے عمرے کا ارادہ فرمایا تو یہیہ کے اطراف میں دیہاتی گواروں کو بھی ساتھ چلنے کا پیغام بھیجا مگر ان میں سے جو نہ اتنی صفت لوگ تھے وہ اس سفر میں شامل نہ ہوئے ان کی عدم شمولیت کی وجوہات آگے آرہی ہیں۔

پھر جب آپ اور آپ کے صاحبزادے عمرو سے بغیر دینی فح میں کی خوشخبری نے
 کرواہیں آئے تو ان منافقین کو اپنی تحریک کا احساس ہوا۔ ابتدائی قہر سمجھتے تھے کہ مسلمانوں
 کو عمرو کی موت کی کدیاں نصیب ہوگی، لیکن اگر وہ جان بچا کر واپس آنے کی کوئی امید نہیں۔ وہ
 سمجھتے تھے کہ جن کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو دین میں ہی چین سے نہیں بیٹھنے دیا اور
 اعداء اور احزاب جیسے واقعات پیش آچکے ہیں، یہ سب گمراہ ہوئے مسلمانوں کو
 مگر واپس آنے دیں گے؟

جب سلمان دینہ واپس آئے تھے تو منافقین کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ کہ یہ نیک کر گئے ہیں۔ اب ہماری شامت اُن کے والی ہے۔ چنانچہ انہوں نے سفرِ عمرہ میں عدم شمرات کے جیلے بنانے کا شکر کرنے شروع کر دیے، مگر اللہ نے ان کے اس فعل کی خبر حضور علیہ السلام کو واپس کے سفر کے دوران دینہ پہنچنے سے پہلے ہی کر دی۔ چنانچہ جب آپ حدیبیہ سے چل کر میں بایس میں کا مسافت پر آئے تو رات کے وقت اشرے نے یہ سورۃ کمال فرمائی اور آپ کو شامت مانی اور منافقین کا مذاقہ منافقوں کی جلد بازی سے بھی آگاہ کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَفَرٌ عَمْرٍو سے دیکھو وہ ماننے والے عنقریب آپ سے

123

تاریخ

کیوں گے شَعَلْتُ اَمْوَالِي وَ اَكْطَلْتُ نَفْسِي جیسے ہمارے مالوں اور گھروں نے اس سفر سے شغل کر دیا۔ یعنی ہمارے بعد ہماری زمینوں اور باغات اور دیگر اموال۔
 رومنٹ، میٹرز، بکریاں وغیرہ کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا اور نہ کوئی ایسا شخص تھا جو ہمارے گھر یا کسی عمارت کے لئے اہم آپ کے ساتھ شریک سفر ہو سکے ملاحظہ ہمارا دل تو رہا ہوتا تھا کہ آپ کے ساتھ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کی بیشکی اعلان حضور علیہ السلام کو بعض دیگر مواقع پر بھی ملی۔ مثلاً جب خوی قبیلہ کا حکم ہو رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو پہلے ہی بتلادیا سَيَقُولُ الشُّعْبَةُ اَوْ هِيَ النَّاسِ مَا وَلَهُمْ عَن قَوْلِهِمْ الَّذِي كَانُوا عَلَيْهِمْ (البقرہ ۱۴۲) منصرف احسن لوگ کیوں گے کہ مٹیں جس قبیلہ میں بیت المقدس پر تھے اُس سے کس چیز نے انہیں بیت اللہ شریف کی طرف پھیر دیا پھر اُسے اللہ نے خود ہی اس کا جواب بھی بتوایا کہ آپ کو دیں کہ مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے، اسیدھے دُھنے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

بہر حال یہ صحیح رہ جانے والے منافقین نے مال اور گھر یا کسی حفاظت کا بہانا بنا کر اپنی گناہی کا اعتراف کیا۔ اور ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔
 فَاسْتَقْرِضْنَا اَبَا هَامَّ اے یے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ہماری یہ گناہیں معاف کر دے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ معافی کا عام اصول یہ ہے اِذَا اَصْرَفْتَ الْعَبْدَ وَقَابَ قَابَ اللّٰهُ عَلَيْكَ جِسْمُكَ بِنَدْوِ اِنِّیْ غُلِيٍّ اَوْ اَصْرَفْتَ كَرَمَكَ قَوْمًا كَرَمًا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اُس کی توبہ کو قبول فرما دیتا ہے۔ اور مرتضیٰ شریف اور ابن ماجہ میں یہ روایت بھی موجود ہے اَلْاَشَاطِرُ مِنَ الدَّائِبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ لَمْ يَكُنْ مِنَ التَّائِبِينَ سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہے۔
 جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جب گناہ معاف ہو گیا۔ تو پھر وہ باقی نہ رہا۔ اسی اصول کے تحت منافقین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ

جہاں سے یہ بخشش کی دُعا کریں۔

پیشتر اس کے کہ اللہ کا نبی منافقین کے لیے معافی طلب کرے، اللہ نے پہلے ہی بتوایا يَقُولُ كُونْ بِالْأَيْمَنِ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ یہ لوگ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کے دل لوٹنا میں تضرع ہے اور یہ سچی بات نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کے دلوں میں تو کفر اور فتنہ کی گندگی بھری ہوئی ہے اور یہ اس طریقے سے اپنے جرم کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی اللہ نے اس کا جواب بھی بتوایا۔ قُلْ لَّيْسَ بِغَيْرِ آپ ان کو کہیں لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا کافر حضرات کو اللہ کوپہنچا لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا ان کے لیے اگر وہ تمہارے ساتھ نقصان کا ارادہ کرے یا تمہارے ساتھ فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرے، ظاہر ہے کہ نفع و نقصان کا ٹھکانہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کی مشیت اور ارادے میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ لہذا تمہارا فیصلہ اپنی مشیت کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔ یہاں پر نقصان کے ساتھ نفع کی بات کر کے منافقین کو قدسے امید بھی دلا دی کہ وہ اگر اب بھی وہ راست پر آجائیں، منافقت کو دل سے نکال کر چکے پچے مسلمان بن جائیں تو نہ صرف ان کی غلطیاں معاف ہو جائیں گی بلکہ وہ اللہ کے دامن اجر کے بھی مستحق بن جائیں گے۔ چنانچہ آگے چل کر ان منافقین میں سے بہت سے لوگ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو گئے۔ پھر یہاں فرمایا کہ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ بَلْ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِمْ وہ تمہارے تمام کردہ اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے لہذا تم اپنی چرب زبانی اور عید سازی سے نمود با اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ وہ تمہارے ظاہر و باطن اعمال سے واقف ہے اور اپنی کے مطابق تمہیں بدلے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اس بدگمانی کا ذکر کیا جس کی بنا پر وہ عمر کے سفر میں شامل نہ ہو سکے۔ فرمایا جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ جھوٹ ہے، حقیقت یہ ہے

بَلَىٰ طَلَفْتُ لَكُمْ أَن لَّنْ يَنْقَلِبَ إِلَيْنَا الْمُرْسَلُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا
 بکھرتے یہ گمان کیا کہ اللہ کا رسول اور میں لوگ اپنے گھروں کی طرف اب بھی واپس
 نہیں آئیں گے بکھرتے گمان کیا کہ انہیں میں غمزدہ کر دیں گے۔ یہ ہے اصل بات جس کی
 وجہ سے تم شرک و سحر سے لگے وَأَن تَبْتَغُوا مِنِّي مَالًا اور یہ بات تھا کہ
 دلوں میں مزین کر دی گئی تھی یعنی تمہارے کہہ دیا تھا کہ تمہاری ساری اہل و عیال درست ہے
 کہ سہاگن بھی زندہ سلامت دینے واپس نہیں آئیں گے وَقَدْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ
 اور حقیقت میں یہ تمہاری سخت ہنگامی تھی جس کی وجہ سے وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجُورًا
 تم جاک بھرتے ملے لوگ تھے، تم نے ایسی ہنگامی کر کے اپنی جاکت کہ خود دھرت دی۔
 اس سے یہ بات ثابت ہوئی وَمَنْ لَّغَوِثُ بَعْضُ النَّاسِ بَالِ اللَّهِ وَدَسُّوْا لَهُمُ
 کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لانا۔ نہ اللہ کی وحدانیت کو مانا ہے
 اور رسول کی رسالت کو تسلیم کرنا ہے اور اللہ کے نازل کردہ قرآنی پروگرام کو کھنکھ
 ستر کر دیتا ہے۔ تَرْفِقُونَ مَا أَنفَكْنَا وَلَكُمْ كَفِيرٌ سوچنا کہ ہم نے کافروں
 کے لیے بھرتے ہوئی آگ بھی تیار کر رکھی ہے یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ کامیابی کے
 راستے کو چھوڑ کر گمراہی اور خدا و پستی کی راہ پر چل بیٹھے، لہذا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف
 سے سزا کے سنی ٹھہرے۔

معاذ اللہ
 سزا کا قانون

آگے اللہ نے معافی اور سزا کا قانون بھی بتو دیا ہے وَلِلَّهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے وہی
 اس کائنات کا مالک و متصرف اور مدبر ہے۔ وہ قادر مطلق اور عظیم کل ہے۔ لہذا
 جو شخص اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نظام اور اس کے رسول کی رسالت کو تسلیم نہیں
 کرتا، وہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف جو لوگ عزائم و مقاصد کے
 مسافر ہوں گے، اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر ایمان دہیں گے،
 وقرع قیامت اور جزائے عمل کا خوف دل میں رکھتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ انہیں عطا
 فرمائے گا۔ اور وہ کامیاب ہو جائیں گے اسی لیے فَرَأَىٰ الْمُفْرِقُ لِمَنِ النَّصْرُ

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِمٍ لِّتَأْخُذُوا
 ذُرِّيَّتَ النَّاسِ عَمَّا يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ قُل لَّنْ
 تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ
 بَلْ عَصَيْنَاكَ إِنَّا كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ⑤
 قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدُّعُونَ إِلَى قَوْمِ أُولَى
 بِأَيْسَ شَدِيدٍ يُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسَلِّمُونَ ۚ فَإِنْ تُطِيعُوا
 يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ
 قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ⑥ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ
 وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ
 وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي
 مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا
 أَلِيمًا ⑦

ترجمہ: عنقریب کہیں گے نیچے رہ جانے والے جب کہ
 تم ہاڑ گئے غنیمتوں کو لینے کے لیے، پھوڑ رہے ہیں کہ ہم
 بھی تمہارے ساتھ چلیں، یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات
 کو تبدیل کر دیں (لے پیغیر) آپ کہہ دیں، تم ہرگز ہار
 ساتھ نہ پلو، اسی طرح ہے بات جو اللہ نے پہلے فرمایا

ہے۔ پس کہیں گے یہ لوگ، بھگت تم ہمارے ساتھ
 جد کرتے ہو (نہیں ہیں نہیں) بھگت یہ لوگ نہیں تھے
 عمر بہت کم (۱۸) آپ کہہ دیجئے پیچھے رہنے والے
 دیباہوں سے کہ مغرب تم کو بلایا جانے کا ایسی تم
 کے ساتھ ٹھکانے کے لیے جو سخت ڈرنے والی
 ہے۔ پس تم ان سے لڑو گے یا پھر وہ مسلمان ہو جائیں
 گے۔ پس اگر تم نے آمیزش کی تو اللہ کا تم کو اچھا
 اجر ہو مگر دگر دانی کا تم نے جیسا کہ تم نے پہلے دگر دانی
 کی، تو وہ سزا ہے تم کو کہ دنگ سزا (۱۹) نہیں ہے
 اندھے شخص پر کوئی خرچ اور نہ لنگڑے پر کوئی خرچ
 اور نہ بیمار پر کوئی خرچ۔ اور جو شخص الامت کرے
 ہم اللہ کی اور انکے رسول کی وہ اس کو داخل کرے گا باغوں میں کہ سچے
 ہیں ان کے سلسلے نہیں۔ اور جو دگر دانی کرے گا اہل کو
 سزا ہے گا دنگ سزا (۲۰)

جلد آیت

واقعہ مدینہ کی تفصیلات گزشتہ دوں میں گزر چکی ہیں۔ چودہ یا پندرہ سو صحابہؓ
 کی جماعت حضور علیہ السلام کی قیادت میں عمرو کے لیے تیار ہوئی۔ آپ نے مدینہ
 کے اطراف میں پہنچنے والے منافق صفت گنوار دیباہوں کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت
 دی۔ انہوں نے خیال کیا کہ مسلمان اپنے دشمنوں کے گھر گھر میں جا رہے ہیں اور ان
 کو زندہ سلامت واپس نہیں آئے دیں گے۔ لہذا اس سفر میں مسلمانوں کے پہلو جانا
 ہلاکت کی دعوت دینا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ عمرو کی اور انکی کے لیے ہمارے چلنے پر تیار
 نہ ہوئے۔ پھر جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرامؓ مکہ سے واپس مدینہ
 کا طرف آئے تھے تو راستے میں یہ سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں ایک طرف
 تو مسلمانوں کو فتح ہمیں کی خوشخبری سنائی گئی اور دوسری طرف ان دیباہی منافقوں کا

پردہ چاک کیا گیا۔ چنانچہ گذشتہ درس میں اس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ جب آپ خیر و عافیت دینے کا ارادہ فرمائیے تو فرمائیے **سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ** **مِنْ الْأَعْرَابِ** تو بعض چمچے رہ جانے والے منافق صفت دیوانی آپ سے معذرت کریں گے کہ ہم اپنے لوگوں اور گھروں کی حفاظت کے خیال سے آپ کے ہمراہ نہ جاسکے لہذا ہم سے یہ اللہ سے بخشش طلب کریں۔

مالِ غنیمت
کا بے بہت

صلح حدیبیہ جس کو اللہ نے فتح میں قرار دیا بظاہر فتح نہیں تھی کیونکہ حضور علیہ السلام نے یہ صلح مسلمانوں کے حق میں نہایت کمزور شرائط پر کی تھی مگر حقیقت میں اس صلح سے مسلمانوں نے اسلام میں داخل ہونے کے لیے دروازے کھول دیے اور لوگ دھڑا دھڑا اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہ فتح ہمیں اس لحاظ سے بھی تھی کہ اللہ نے مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ملنے کی بھی خوشخبری سنائی چنانچہ آج کی پہلی آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اس مالِ غنیمت سے مراد غیر کی زمینیں اور لواحقین تھے جو غنیمت مسلمانوں کو پہنچنے والے تھے جب آپ دینہ واپس اپنے قریب مدینہ پہنچے آپ نے خیر کی طرف چلنے کا اعلان فرمادیا۔ اس جتنی کے یہودی بڑے سازشی لوگ تھے جو اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع نہ ملتا تھا ان سے نہیں ہانے پڑتے تھے ان کی بیخ کنی کا وقت آپ کا تھا لہذا آپ نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ پہلے تو دیوانی قسم کے منافق اس زعم میں تھے کہ مسلمان کدو سے بچ کر نہیں آئیں گے مگر جب وہ بخیر و عافیت واپس آئے، اسلام کو ترقی حاصل ہونے لگی تو انہیں یقین ہو گیا کہ اب مسلمان خیر کو بھی فتح کر کے چھوڑیں گے اور وہاں کی زمینوں اور لواحقین سے فائدہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ مالِ غنیمت کے لالچ میں اگر ان منافقوں نے بھی حضور علیہ السلام کی معیت میں نہ خیر کے سحر کر پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

منافقین کے
لیچے پانچ

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے خیر کی طرف ہانے اور وہاں کے مالِ غنیمت سے مستفید ہونے پر پابندی لگا دی۔ چنانچہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا **سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ** **إِذَا أَطْلَقْتُمُ الْوَأَدَّ**

مَقَرًا لِّمَنْ أَخَذَ وَهَذَا مَقَرُّ رِجَالِهِمْ بِرِجَالِهِمْ سَبْعَ سِنِينَ وَلَمْ يَمُوتُوا
 کہیں گے جب کہ تم غیبتوں کر لینے کے لیے خبر کی طرف چلو گے ذُرُوسًا
 مُبْتَلًى کھڑے ہیں چھڑ دو مہینے ہیں اجازت ہے دو کہ ہم بھی تمہارا اتباع کریں یعنی
 تمہارے ساتھ خبر کی طرف چلیں مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اسلام کے ساتھ
 منسلک نہیں ہیں بلکہ محض مالی غنیمت حاصل کرنے کے لیے آپ کے ساتھ
 جانا چاہتے ہیں۔ لہذا ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہونی چاہیے کیونکہ قُرْیٰنٌ وَّكَ
 اَنْ یَّجِیْدَ لَوْ اَحْكَمَ اللّٰهُ یَہ لوگ تو اللہ کی بات کو نہانا چاہتے ہیں مطلب
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو یہ ہے کہ خبر کا مالی غنیمت اُنی مجاہدین کے حصے
 میں آئے گا۔ جنہوں نے صرمیہ کا سفر اختیار کیا اور پھر دلوں پر رحمت و مہربانی میں
 شریک ہو کر سرد صحر کی بازی لگائیے کا عزم کیا۔ اور یہ لوگ تو دینے میں یہ مضبوط
 اب یہ غنیمت کے مختار یکے ہو سکتے ہیں۔ یہ قرظیت و حمل کر کے اللہ
 کی بات کو نہانا چاہتے ہیں مگر ایسا نہیں ہوگا۔

چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا
 آپ ان منافق صفت لوگوں سے کہ جن کے تم ہرگز ہمارے ساتھ خبر کی طرف نہ جاؤ
 كَذٰیكُمۡ قُلْ لِّلّٰهِ مِنْ قَبْلِ بَاتِ اِی طرح سے جو اللہ نے پہلے ہی کہہ دی کہ یہ
 لوگ خبر کی طرف نہ پہنچے پائیں۔ اللہ نے مزید فرمایا کہ بات یہیں ختم نہیں ہو جائے
 گی بلکہ جب ان منافقین پر پابندی لگ جائیگی تو وہ طے اپنی بری چیزوں پر محمول کھنے
 کی بھلے فیتقوا لَوْ اَنَّ بَلَّ تَحْسَدُوْا وَتَمْدُوْا کہیں گے کہ تم ہمارے ساتھ حسد
 کرتے ہو جو اُنکی وجہ سے ہیں ہمارے جانے کے لیے تیار نہیں، اُنم چاہئے ہو کہ
 ہم بھی مالی فائدہ نہ اٹھائیں۔ اللہ نے اس اعتراض کا جواب بھی دے دیا اور فرمایا
 بَلْ كُفَّارُوْا لَا یَقْلِبُوْنَ کَذٰلَ اَقْلِبُوْا بَلْ حَقِیْقَتٌ یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے
 بے سمجھ ہیں مگر بہت کم۔ ان کی بے سمجھی یہی تھی کہ انہوں نے سفر صرمیہ کی حرکت
 خیالی کیا اور ساتھ نہ گئے، مگر جب مالی فائدہ حاصل ہونے کا وقت آیا تو پھر لگا

کو شہیدوں میں شامل ہونے لگے۔ اللہ نے فرمایا، یہ لوگ اس مال سے مستفید نہیں ہو سکتے کیونکہ اس کا وعدہ تو اللہ نے حدیبیہ والوں سے کر رکھا ہے، انہوں نے ایسے آڑے وقت میں موت کی بیعت کی تھی۔

آئندہ کے لیے وعدہ

مذکورہ لوگوں نے وقتی طور پر اپنی منافقت کا اظہار کیا، مگر اللہ کے علم میں تھا کہ آئندہ چل کر ان میں سے بہت سے لوگ مخلص مسلمان بن جائیں گے، لہذا آئندہ کے لیے انہیں امید بھی دلا دی کہ وہ یکسر ایسے نہ ہوں بلکہ اگر وہ غلوں نبیت کے ساتھ آئندہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے تو اللہ کے ہاں ان کے لیے اجر کی کوئی کمی نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے قُلْ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنَّا أَجْرٌ مِّمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ چنانچہ آپؐ نے پیغمبر! آپؐ ان پیغمبر رہ جانے والے دیانتداروں سے فرمادیں کہ آئندہ چل کر تمہارے پیروکاروں میں ہرگز جب کہ مُسْتَعْتَبُونَ لِّمَا قَوْمٌ أُولُواْ نِیَاسٍ شَدِیدٌ تم جانے جاؤ گے۔ ایسی قوم کے ساتھ جگہ کرنے کے لیے جو کثرت بخیر ہے، انہیں ان سے متاثر نہ ہو گا ثُمَّ لَیْسَ لَکُمْ فِیْہُمْ أَفْیُہٌ تمہیں ان سے جگہ کرنا ہو گا یا وہ از خود اسلام قبول کر میں۔ یَطْلُبُہِ کہ اگر تم نے آئندہ پیش آنے والی جنگوں میں غلوں کے ساتھ حصہ لیا، فَإِنِّیْ یَطْلُبُکُمَا اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کی یُثَبِّتُ لَکُمُ اللّٰہُ اَعْبَارًا حسناً تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا اجر عطا فرمائے گا تمہیں مالی قیمت بھی ملے گا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بس جنگِ روم کے ساتھ متابہ کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض شیعہ میلہ کذاب کے ساتھ پہلے طے مسر کے پر محمول کرتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا۔ بعض اے غزوہ حنین سے تعبیر کرتے ہیں جو خود حضور علیہ السلام کے زمانہ میں واقع ہوا۔ وہاں پر مسلمانوں ایک دفعہ مغلوب بھی ہو گئے مگر پھر اللہ نے علیہ عطا فرمایا، اس واقعہ کا ذکر سورۃ توبہ میں مذکور ہے۔ البتہ شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق زیادہ قریب قیاس ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسی جنگِ روم سے مراد دوم اور ثانی کے لوگ ہیں۔

خداوند فرشتوں کے زمانے میں یہ دونوں سلطنتیں دنیا کی سپر پاورز قیسم کی جاتی تھیں۔ یہ باقاعدہ حکومتیں تھیں۔ جن کی اپنی فرج تھی اور دیگر سادہ سادہ مسلمان موجود تھا۔ دنیا کی ذاتی چھوٹی موٹی سلطنتیں بعض روم کے زیر اثر تھیں اور بعض فارس کے۔ اپنی ذہنی طاقتوں کے ساتھ مسلمانوں نے حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروقؓ کے زمانے میں فیصلہ کن جنگیں لڑیں۔ چنانچہ بنی حنیظہ کے ساتھ معاہدہ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں پیش آیا اور ایہ یوں اور بدویوں کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں زیر دست جنگیں ہوئیں۔ چنانچہ حدیبیہ کی مشہور و معروف جنگ مسلسل تین دن رات تک لڑی گئی جس کے نتیجے میں مشرکے اپنی ہاریت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ تو ہر شام کچھ قزاقوں پر مورک کا سر کر بھی حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں پیش آیا اور جس میں اہل ایمان نے بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ غرضیکہ اس جنگ کو قوم سے روم اور فارس طے لوگ مراد ہیں۔ جن سے جنگوں کے نتیجے میں مسلمانوں کو کثیرا کثیرا سیرت کی سرفرازیاں ملیں۔ یہ شریک ہونے والے مہادوں کے حصے ہیں دیگر سادہ کے علاوہ بارہ سو دھرم نقدی بھی آئی۔

فرمایا، اگر امانت کرو گے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی لڑائی میں اپنا ہر عطا کرے گا۔ وَإِنْ تَوَلَّوْا كُنَّا تَوَلَّيْنَاكُمْ قَبْلُ اور اگر روگردانی کرو گے جیسا کہ پہلے کہ چلے ہو، یعنی جہاد سے گریز کرو گے يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک سزا دے گا۔ دردناک سزائیں یہ جہانی اور دینی سزا کے علاوہ غلامی کی سزا بھی شامل ہے۔ جب کوئی قوم غلامی کا ارتکاب کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں دوسروں کی غلامی میں بھی بکڑ دیتا ہے۔ یہ حال اللہ نے اُمیہ میں دہری کر اگر تم آئندہ صبح جذبے اور خلوص نیت کے ساتھ جہاد میں شریک ہو گے تو اللہ تعالیٰ بہتر اور عطا کرے گا اور اگر پہلے کی طرح سناغت کا اظہار کیا تو پھر اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا کرنے پر بھی قادر ہے۔

ہونے کا حکم دیا ہے وہاں معتزوں کو جنگ کے متعلق بھی قرار دیا ہے۔ ارشاد
 ہوا ہے لَيْسَ عَلَى الْاَكْفَنِ حَرَجٌ اذہے پر کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ جنگ
 میں شریک نہیں ہوگا تو وہ معذور ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح وَلَا عَلَى
اَلْمُتَخَرِّجِ حَرَجٌ منگڑے پر بھی کوئی حرج نہیں ہے وَلَا عَلَى الْمَرْغِيبِ
حَرَجٌ اور نہ ہی بید پر کوئی اگر لشکر ہے کیونکہ وہ بھی طوائف لڑنے کے قابل نہیں۔
 اس قسم کا استشاد اشرے نے سورۃ التوبہ میں بھی بیان فرمایا ہے کہ کفرزدوں، مرتدوں
 اور آل سے محروم لوگوں پر کوئی حرج نہیں اِذَا نَفَعْتُمُوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ دَیْتُمْ (۹۱)
 بشرطیکہ وہ اشرار اس کے رسول کے حق میں غیر غواہ ہوں۔ غیر غواہی کی کئی صورتیں
 ہو سکتی ہیں مثلاً اگر جہانی طاقت نہیں رکھتا اور مال موجود ہے تو وہ قطع کرے۔ اگر
 مال میں نہیں ہے تو ذرا بلی طور پر ہی اسلام اور مسلمانوں کی غیر غواہی کا حق ادا کرے۔ اسلام
 کے حق میں پیش کرے، اگر دین کے خلافت پر اپنا بیڑا شروع کر کے دین کی بنیادوں
 کو کمزور کرنے کی کوشش کرے۔ اگر کوئی شخص معذور ہونے کے باوجود دین اور
 مسلمانوں کا غیر غواہ نہیں ہے تو وہ معذروں میں شمار نہیں ہوگا۔

آگے فرمایا وَمَنْ قُطِعَ اِلَیْہِ رَسُوْلُہٗ فَمِنْ خِصْمٍ اشرار اہل کے رسول کی
 تابعداری کرے گا، اہل کے دین کے ساتھ غیر غواہی کرے گا اور اہل کے احکام کی
 تعمیل کرے گا۔ یَسْتَوْفُوْہُ جُعِلَتْ جَنَّتُہٗیْ مِنْ تَحْتِہَا اَلْاَنْهَارُ اشر تعالیٰ کے
 باغات میں داخل کرے گا، جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں گی یہ قرآنیت کی جہاں ہے۔
 ہم دنیا میں بھی اشر تعالیٰ انہیں اہل کی قربانی کی بدولت قسط عطا فرمائے گا۔ یہودیوں
 نے اشر کے دین کو بگاڑ دیا، انھوں نے اہل کے اشر نے اہل کو بھلائی ہوئی نعمت
 بھی چھین لی اور وہ دنیا میں زمیں و آسمان پر گھر گئے۔ بہر حال اس حدیث آیت میں مذکورہ
 انصاف اطاعت پر قائم ہے، جیسا کہ قرآن لوالی کے مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

اطاعت
 جنت کی جہاں

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ
وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (۱۸) وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا
وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (۱۹) وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ
كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ
النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ
صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ (۲۰) وَآخَرَى لِمَ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا
قَدْ احَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرًا ۝ (۲۱) وَلَوْ فَاتَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوْا الْأَدْبَارَ لِمُ
لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (۲۲) سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ يَجْدِلُ سُنَّةَ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ (۲۳)

ترجمہ۔ ابتر خنق اللہ رضی ہوا ایمان والوں سے
جب کہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ کے ہاتھ پر درخت
کے نیچے۔ پس اللہ نے معلوم کیا جو کچھ ان کے دل
میں تھا، پس انہیں اُس نے ایمان ان پر اور جملہ
مرا ان کو فتح قریب کا ۝ (۱۸) اور بہت سی غنیمتوں کا
جس کو وہ میں گئے، اور اللہ تعالیٰ زبردست اور

حکمت والا ہے ⑨ اشر نے وعدہ کیا ہے تمہارے
 ساتھ بہت سی نعمتوں کا جن کو تم حاصل کرو گے پس
 جلدی کی ہے اس نے تمہارے لیے اس (نعمت)
 کو، اور مدد دیا ہے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے
 اور تاکہ یہ نشان ہو ایمان والوں کے لیے، اور
 چلانے کا وہ تم کو سیدھے راستے پر ⑩ اور ایک
 دوسری فتح بھی ہے جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے
 اشر تعالیٰ احاطہ کرتا ہے اس کو۔ اور اشر تعالیٰ ہر
 چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ⑪ اور اگر راستے
 تم سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو پشت پھر کر
 بھاگتے، پھر نہ پاتے وہ کسی کو حمایت اور نہ مددگار ⑫
 اشر کا دستور ہے اکی لوگوں میں جو پہلے گزرے
 ہیں، اور ہرگز نہ پاؤ گے اشر کے دستور میں
 تبدیلی ⑬

درجہ کثرت

بچھل آیت میں اشر تعالیٰ نے سفرِ عبرت سے بچھے رہ جانے والے
 منافق قہر کے گزروہ لوگوں کی مذمت بیان فرمائی اور پھر چچے اور غصہ لیا خداؤں
 کے متعلق فرمایا کہ جب آپ نعمت حاصل کرنے کے لیے خیر کی سر زمین کی
 طرف جائیں گے تو منافق لوگ بھی ساتھ جانے کی خواہش کریں گے، مگر اشر
 نے منع فرمادیا کہ اشر کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ خیر کی طرف بھی وہی لوگ جائیں گے
 جو حدِ عبرت کے مقام پر بہت عنوان میں شامل تھے۔ جو لوگ وہاں نہیں گئے
 وہ خیر کے اہل نعمت سے بھی محروم رہیں گے۔ پھر اشر نے منافقوں کی گردی
 ذہنیت کا ذکر فرمایا کہ وہ یوں کہیں گے کہ تم حد کی وجہ سے، ہمیں خیر کے سفر
 میں لے جانے کے لیے تیار نہیں ہیں اشر نے فرمایا کہ ایسی بات نہیں ہے

حدیبیہ سے تین ماہ بعد ہی اللہ نے عطا کر دی۔ اور اس ضمن میں فرمایا وَمَقَالَةُ الْوَكِيلَةِ
يَأْخُذُ وَثَقًا اور بہت سی غنیمتوں کا حصول بھی شامل تھا۔ وَصَحَابُ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ
حَكِيمٌ اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر غالب
 ہے، وہ کفار کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں اور کفار کو جو روک ٹوک عمرہ کو
 سکتا تھا۔ مگر اس نے نہایت حکمت کے ساتھ ایسا انتظام فرمایا کہ خود کفار کے
 ہاتھوں ایسی شرائط پیش کر آئیں، جن کی وجہ سے اسلام کو ترک کرنا نصیب نہ ہوئی اور وہ
 بہت جلد مغلوب ہو گئے۔

صلح حدیبیہ میں شریک مسلمانوں کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا أَشْهَرُ
نَحْيٍ أَهْلِي الْأَرْضِ تم روئے زمین پر ستریں لوگ ہو۔ نیز آپ نے یہ بھی ارشاد
 فرمایا لَا يَدْخُلُ الشَّارَ أَحَدٌ بَابِي تَحْتَ الشَّجَرَةِ جن لوگوں نے اس
 درخت کے نیچے بیٹھ کر میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی ٹوٹخ
 میں نہیں جائے گا۔ اس جہالت میں بعد ازیں قیس انصاری ایک منافق آدمی تھا
 وہ بیعت جنواں میں شریک نہیں ہوا تھا کیونکہ اس کا سرخ اونٹ گم ہو گیا تھا اور
 وہ اُنہی کی تلاش میں پھرا رہا۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ بیعت رضوان
 میں شریک لوگوں میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا کیونکہ اللہ نے ان کی غیروں
 کو معاف کر دیا ہے سوائے سرخ اونٹ والے کے۔

امام ابو بکر جہاں اور بعض دوسٹر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں غنمہ و اشتر
 کے کاف الاہیان ہونے کی شہادت ہو رہی ہے کیونکہ وہ سب اس بیعت میں موجود تھے
 اور اللہ نے سب کے لیے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا۔ حضرت عثمان بیعت کے وقت
 حدیبیہ کے مقام پر موجود نہیں تھے کیونکہ وہ مسلمانوں کے سفیر کی حیثیت سے کفار
 سے گفت و شنید کے لیے گئے تھے۔ چنانچہ صحیح میں موجود ہے کہ جب تمام
 حاضر صحابہؓ نے حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کر لی تو آپ نے
 فرمایا کہ اس وقت عثمانؓ ہی ہم میں موجود نہیں ہیں، لہذا ان کی طرف سے یہ خود بیعت

خلفاء کرامؓ
 کے ایمان
 کی شہادت

در اصل صلح حدیبیہ مسلمانوں کی اخلاقی فتح (MORAL VICTORY) قریب فتح
 تھی۔ حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کے حق میں کمزور شرائط کو بھی تسلیم کر لیا۔
 لوگوں کے دل میں تردد تھا مگر اللہ نے ان کے دلوں میں اطمینان نازل فرما کر
 اس تردد کو رفع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فتح سے حدیبیہ کی فتح ہے جو سادہ سہ میرے چڑاؤ بعد ہی
 مسلمانوں کو حاصل ہو گئی۔ غیر دین سے تقریباً ایک سو میل دور اطراف شامل تھا
 یہ علاقہ بڑا سرسبز تھا۔ دلوں پر نہ غیر زمینیں اور ہرے بھرے باغات اور کھیتیں
 تھیں۔ یہاں کے یہودیوں نے عزیز خندق کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف سازش
 کی تھی، لہذا مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے ان سے یہ علاقہ چھین لیا۔ جس سے مسلمانوں
 کی معاشی سطح آسودگی میں تبدیل ہو گئی۔ اللہ نے فرمایا وَعَدَكُمْ اللّٰهُ مَعَ الْفَتْحِ
كَثِيرَةً فَاتَّخَذُوا مَعًا اللہ نے تمہارے ساتھ بہت سی قیمتیں کا وعدہ کیا ہے
 جن کو تم حاصل کرو گے فَفُتِحَ لَكُمْ كَثْرٌ مِّمَّا كُنْتُمْ تُرِيدُونَ یہ جلد ہی منظور
 کر دی ہے۔ اس سے ملاویں غیر کی فتح اور دلوں سے آمدہ مالی قیمت ہے جو بہت
 قوت سے وقت میں مسلمانوں کو حاصل ہو گیا۔ پھر بعد میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں اور
 مسلمانوں کو ہر چیز کی فراوانی حاصل ہو گئی۔

اس کے علاوہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ یہ احادی بھی کیا وَكَفَّ اللَّهُ عَمَّا
كَانَ يَحْكُمُ لَكُمْ لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، میں کافروں کے تم پر ہاتھ
 نہ اٹھایا۔ چنانچہ نہ تو حدیبیہ کے مقام پر لڑائی ہوئی اور نہ ہی غیر کے محاصرے میں کوئی نیاں
 غزامت ہوئی۔ ایک معمولی سی جھڑپ ہوئی اور پھر یہودی مغلوب ہو گئے مطلب
 یہ کہ مسلمانوں کو جنگ کے ذریعے جانی اور مالی نقصان بھی نہ ہوا۔ فرمایا ایسا اس کے
 کیا وَلَيْتَ كُنْتُمْ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ تاکہ مسلمانوں کے لیے اس بات کی علامت
 بن جائے کہ اللہ تعالیٰ قدرت کاملہ اور حکمت کاملہ کا ایک ہے اور اپنے وعدے
 کے مطابق نقص مسلمانوں کو ہر موقع پر غالب نہ لے گا۔ وَيَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الْمُسْلِمِينَ
 اور تم کو سیدھے راستے کی رہنمائی بھی فرمائے گا۔ وہ تمہاری نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے

لہذا وہ تمہیں ہر معرکے میں ثابت قدم رکھے گا اور کامیابی عطا فرمائے گا۔

فرمایا اس قرعہ فتح کے علاوہ وَأَخْلَىٰ كَتَمًا تَغْشَىٰ وَأَعْلَىٰ تَغْلَىٰ دوسری فتح بھی ہے جس پر تم بھی قادر نہیں ہوئے اور یہ بعد میں حاصل ہوگی قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا الشَّرُّ تَعَالَىٰ نے اس فتح کا بھی احاطہ کر رکھا ہے اور وہ بھی جلدی ہی حاصل ہو جائے گی مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے جو شتر میں مسلمانوں کو حاصل ہو گئی اور بعض طے دوسری شترحات پر عمل کرتے ہیں جو مسلمانوں کو قطیف عرصہ میں حاصل ہو گئی۔ فرمایا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا الشَّرُّ تَعَالَىٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ تمہیں ہر طرح سے کامیابی عطا فرمائے گا بشرطیکہ تمہارا اخلاص، ایمان، جذبہ جہاد اور رضائے الہی کی طلب کمال درجے کی ہو جب تک تم مال و جان کی قربانی کے لیے مستعد رہو گے، الشَّرُّ تَعَالَىٰ بھی اپنا وعدہ پورا کرنا ہے گا۔ اور تمہیں ہر معرکے میں فتح نصیب ہوتی ہے گی۔

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ فَتَنَّاكُمُ الْفِرْعَوْنَ كَفَرًا لَّا تُؤْمِنُونَ اگر یہ کافر لوگ تمہارے ساتھ جنگ کرنے قریشت پیر کر جھاگ جاتے۔ یہ واقعہ حدیث میں سے متعلق بات ہو رہی ہے کہ وہاں پر جنگ کی نوبت آئی، تاہم اگر بالفرض کافر اختیار بند ہو کر تم سے جنگ شروع کر ہی دیتے تو پھر اللہ تعالیٰ کو تمہارا خلوص اور تمہاری جہان بازی اس قدر پسند تھی کہ وہ تمہارے مسئلے میں ضرور شکست کھا جائے۔ اگرچہ تم تمہارے اُن سے کہیں کم تھے۔ اور پھر کافر لوگ عیسائے وقت نَحْنُ لَا يَخْذُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيًّا نہ الٰہی کا کوئی حامی ہو رہا اور نہ مددگار۔ مطلب یہ کہ انہیں شکست سے کوئی نہ بچا سکا۔

فرمایا سَنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الشَّرُّ تَعَالَىٰ کا دستور ہے جو پہلے لوگوں میں بھی گزر چکا ہے۔ اللہ کے نبی اور اُن کے مخلص پیرو کاروں نے جب بھی دشمن کا مقابلہ کیا۔ تو اللہ نے انہیں کامیاب بنایا۔ درمیان میں خواہ کتنے ہی عداوتیں پیش آئے ہوں، اہل ایمان کو جان و مال کی قربانی دینی پڑی ہو یا ناشن

کفار کی
کامیابی

پر آمیزش کافی ہو کر اللہ کے پاس کے دستور کے مطابق فتح باکراہل ایمان کر ہی حاصل
 ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کَتَبَ اللّٰهُ لَآخِلَآئِنَا اَنَا وَرُسُلِي ذَا الْجِدَادِ اَنْ
 کو میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔ اس کا یہ بھی قرآن ہے اِنَّا لَنَقْصُصُ
 رُسُلَنَا وَآلِدِيْنِ اَتَمُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَوَعْدُكُمْ يَتَقَوَّمُ اَلَا شَهِادَةُ (المؤمن)
 ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ
 کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت) اگر بھی ہم ان کی مدد کریں گے۔ اللہ کے اس وعدے
 کا ادھیں فوراً صدیق کے موقع پر ظاہر ہوا جب اللہ نے قلیل تعداد کے ادھر وہ انہی
 کی مدد فرمائی۔ پھر آگے چل کر بھی ہزاروں سالوں تک کھوں کا فزوں، مشرکوں اور اہل ایمان
 پر غالب آتے رہے۔ فرمایا اللہ کا دستور ہے وَلَٰكِنْ يَّحْذَرُ لِسُنُوْهُ اللّٰهُ
 تَبْدِيْلًا اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اللہ تعالیٰ
 اپنے انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی مدد کر کے ان کو غالب کر رہا ہے گا۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ
 بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ
 اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۳۸﴾ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ
 صَدُّواكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا
 أَنْ يَبْلُغَ حِجْلَهُ وَلَوْلَا رِجَالُ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءُ
 مُؤْمِنَاتٍ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوَّهُمْ فُقُصِبَتْ
 مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ
 مَنْ يَشَاءُ لَوُتَزَيَّلُوا لَعَذَابُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
 عَذَابٌ أَلِيمًا ﴿۳۹﴾ إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ
 الْحِجْمَةَ حِمْيَةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّ اللَّهَ سُكِّنَتْهُ عَلَى
 رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى
 وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلُهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ
 شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی وہی ذات ہے جس نے
 لوگ دیا تھی (مشرکین کو) کے ہاتھوں کو تم سے ، اور
 تعالیٰ ہاتھوں کو ان سے کہ شہر کے قریب بعد اس

کے کہ تم کو اُن پر کامیاب کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ
 تم کام کر سکتے ہو اُن کو دیکھتا ہے ﴿۲۳﴾ وہ لوگ وہی
 ہیں جنہوں نے کفر کیا اور انہیں تمہیں مسجد حرام سے ۔
 اور قربانی کے حوالہ دے کے ہونے سے اس بات
 سے کہ انہیں وہ اپنے ٹھکانے تک ۔ اور اگر نہ ہوتے
 کچھ مومن مرد اور کچھ مومن عورتیں جن کو تم نہیں جانتے کہ
 تم اُن کو پال کر دو گے۔ پس پہنچے گی تم کو اُن کی طرف
 سے خلعت بغیر علم کے ، تاکہ اللہ تعالیٰ داخل کر دے۔
 اپنی رحمت میں جس کو چاہے ۔ اور اگر وہ اُنک ہوتے
 تو ہم سزا دیتے اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا اُن
 میں سے دردناک سزا ﴿۲۴﴾ جب کہ شہر یا اُن لوگوں نے
 جنہوں نے کفر کیا اپنے دلوں میں اکثر جاہلیت کی۔ پس
 ہماری اللہ نے تمہیں اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر
 اور انہم کو دیا اُن پر تقویٰ کا کلمہ ، اور وہ اُن کے
 زیادہ دائرے تھے اور اُن کے اہل تھے۔ اور اللہ تعالیٰ
 ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے ﴿۲۵﴾

شانِ نزول

سورۃ الفتح میں واقعہ مدینہ کے مختلف پہلوؤں کی طرف اشارت ہے
 ہیں۔ مدینہ کا معاہدہ طرہ ایمان کے بعد بھی مشرکین کے بعض گروہوں نے
 غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا ، اور کچھ لوگ مختلف راستوں سے ہرگز مسلمانوں کے ٹھکانے
 پر پہنچے تاکہ کسی طرح حضور جلیل الصلوٰۃ والسلام کا کام تمام کر دیا جائے۔ اور یہ بات
 نہ ہی پورا ہو تو کم از کم مسلمانوں سے جبراً ایمان لے کر لیا جائے گا ،
 اور اس طرح اُن کو استعمال دلا کر اُن کو لڑائی پر آمادہ کیا جائے گا۔ مشرکین کے
 اسی منصوبے کے تحت ایک سکھان شہید بھی ہو گیا۔ یکسب کے مطابق کفار کے ستر

آدمی مسلمانوں میں افراتفری پیدا کرنے کے لیے پیادری کی کچھلی طرف سے نازے اور انہوں نے مسلمانوں کو ہتکارا۔ اس پر کسی مسلمان نے بلند گونہ سے یہ بھی کہا کہ جاکہ ساحی بن زیم کو قتل کر دیا گیا ہے۔ لہذا مسلمانوں نے مقابلے کے لیے نکل آؤ ایسے مواقع پر مسلمانوں میں شعلیں ہو سکتے تھے مگر ہوا یہ ہے کہ بیشتر اس کے کہ حملہ آور مزید کوئی نقصان پہنچاتے وہ سب کے سب مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کی طرح کسی وقت کے پاس تھے، وہاں پر چار خیرین آئے اور آپ نے ایک ہی سب کو قہر کر لیا۔ پھر سائے ستر آدمی قیدیوں کی صورت میں حضور علیہ السلام کے سامنے پیش کیے گئے۔ آپ چاہتے تو ان سے انتقام لیا جاسکتا تھا کیونکہ انہوں نے ایک مسلمان کو شہید بھی کر دیا تھا۔ مگر اس وقت تک معاہدہ حدیبیہ طے پا چکا تھا، اسلئے آپ نے مزید کئی کاروائی کرنا مناسب نہ سمجھا، اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّيْلُ وَالنَّجْوَى۔ اور اسی انہی کی طرف سے ہوئی اور اس کا دہرا بھی انہی کی طرف سے ہوا ہے۔ لہذا ان کو چھوڑ دو۔ مسلمان اس موقع پر کبھی فتح کر سکتے تھے مگر مصالحت اسی میں ٹھیک کھیلنے کی پاسداری کی جاسکتی تھی۔ یہ آگے چل کر مسلمانوں کے حق میں بہت مفید ثابت ہوئے والی تھی۔ چنانچہ طرفین کی طرف سے کسی نے بھی باقاعدہ جنگ کا آغاز نہ کیا۔

جنگ سے
اجتناب

آج کا ایٹم بم اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے وَلَا تَقْرَبُوا الْقَوَاعِدَ كَفَّ أَيْدِيَكُمْ عَنْهُم وَاتَّقُوا إِلَهُكُمْ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے مشرکین کو کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو ان کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ مطلب یہ کہ جنگ کی قربت نہیں آئی اور یہ واقعہ کہاں پیش آیا پہنچنے سے بچنا۔ شرک کے قریب۔ بطن کا لغوی معنی قریب ہوتا ہے یعنی جین کو کہے کی گریباں پر معنی قریب ہے کیونکہ معاہدہ حدیبیہ شر میں نہیں طے پایا تھا بلکہ تقریباً دس میل دور حدیبیہ پر یہ ساری واقعات پیش آئے مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ۔ اور اس کے کہ تم کو

ہی پر کامیاب کروایا تھا، مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے سزاؤ کی تعدادی گرفت میں کچھ تھے۔ اگر تم متحکم لینا چاہتے تو سہ سکتے تھے مگر حضور علیہ السلام نے معاہدہ صلح پر عمل درآمد کرتے ہوئے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا وَقَضَاهُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا تَفْعَلُونَ بِوَسِيلَةٍ اور تم جو بھی کام کرتے ہو سب اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ مشرکین کی سزاؤں اور سزاؤں اور الی بیان کا جذبہ ایمان و قرآنی اور پھر اس پر استقامت سب اللہ کے سامنے ہیں، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

آگے اللہ نے مشرکین کی خدمت بیان کر کے ہرے فرمایا هُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنِّي وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ وَقَدْ كُفِرْتُمْ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ تمہیں مسجد حرام سے نکال دیا۔ بیت اللہ کا طواف کرنے اور صاف رو کر سنی کرنے کی اجازت ددی حالانکہ تم کسی جنگ کے لیے نہیں بلکہ خالصتاً عمرہ کی ادائیگی کے لیے آئے اور ہی کے جانور بھی تمہارے ساتھ تھے اور پھر مکہ کا یہ قدیم سے راستہ بھی چلا آ رہا تھا کہ قریش کسی بڑے سے بڑے وطن کو بھی حج و عمرہ کی ادائیگی سے نہیں روکتے تھے مگر یہاں وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے غافل تھے اور سمجھتے تھے کہ مکہ میں داخل ہو کر شاید یہ باقی مسلمانوں کو بھی۔ افسوس جانیں لہذا انہوں نے کہ شر اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے ہی روک دیا۔ فرمایا مَشْرُكِينَ نے خدمت اہل ایمان کو مشرکوں کی حالت سے روکا بلکہ وَالْفَقْدَى مَنْ كُنِيَ خَاَنَ يَبْلُغُ مجھ کو قرآنی کے جانور اور کبھی قرآن کا وہ لنگ پہنچنے سے روک دیا جن کو مسلمان پٹے ساتھ لائے تھے اور جن کے گلوں میں تھامے پڑے ہوئے تھے جو کہ قرآنی کے جانور کی معروفت علامت بھی جاتی تھی۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت تھی وہی جاتی تریہ کامیاب ہو سکتے تھے مگر عدم تصادم میں ایک اور مصیبت بھی تھی اور وہ یہ کہ مکہ کے بعض ایٹم اور مرد اور عورتیں اپنے ایمان کو چھپا کر مکہ میں گود لواتے کہ یہ تھے کہ مکہ ان کے پاس ہجرت کر جانے کیلئے بھی وسائل موجود نہیں تھے۔ ایسے موقع پر اگر مسلمان مکہ پر چڑھائی کر دیتے تو مشرکوں

مقدم
کاحلت

کے ساتھ وہ بے گناہ ایسا نذر بھی مائے جہنم بنے کہ جو کچھ مشرک لادنا اچھے جنگ کے
 لیے آگے لائے۔ اور اگر وہ انکار کرتے تو خود مشرکوں کے مقام کا شکار بننے۔
 لہذا مصلحت اسی میں تھی کہ جنگ کو مفتی کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ ایسا کچھ پانے
 ملے یہ لوگ حضور علیہ السلام کو مشرکوں کے منصوبوں سے بھی خفیہ طور پر آگاہ کرتے رہتے
 تھے۔ لہذا ان کی ان خدمات کے پیش نظر بھی جنگ کو نہ چھیڑا گی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی مصلحت کو بیان فرمایا ہے وَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ
 إِذَا مَتَّيْتُمْ لَهَا يَوْمَ ثَمَرُهَا وَقُلُوا لَهَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ هَٰذَا بَلْ كُنْتُمْ
 مَوَدَّةَ بَيْنٍ بَيْنَ يَدَيْهِمْ يَوْمَ تُبْطَلُ أَلْفَاظُ الْقَوْمِ لَكِنِ لَهُمْ
 حُكْمٌ عَذَابِيٌّ كَثِيرٌ۔ قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ تم لاطمی کی وجہ سے پال
 کر رہتے۔ قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ تم لاطمی کی وجہ سے
 تمہیں ان کی طرف سے سخت عیسائی سختی۔ مطلب یہ کہ اگر مسلمانوں کے ہاتھوں
 مسلمان ہی مائے جہنم بن جاتے تو تمہیں اس کا سخت غلش ہرے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس
 موقع پر جنگ کی اجازت نہ دی۔

مدم تصادم کی ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ لیڈر خد اللہ فی رحمۃہ من
 یثابہ اللہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی راست اور ہدایت میں داخل کرے۔ یعنی آج
 کو یہ مشرک اور کافر بڑے غرور و تکبر کا انداز کر رہے ہیں اور ایسا ہی کہ فرما گئے کہ بڑے
 نہیں ہیں۔ مگر جس ممکن ہے کہ حضور اس موقع سے پر ہی لوگ ایسا ہی آئیں اور حضور
 کی ہدایت ان کے شامل حال ہو جائے۔ پھر خاص طور پر کفر و ایمان اور مسلمانوں کے متعلق
 فرمایا لَوْ تَرَىٰ كَثِيرًا مِّنَ الْاَکْثَرِیْنَ مِّنَ الْاَکْثَرِیْنَ مِّنَ الْاَکْثَرِیْنَ مِّنَ الْاَکْثَرِیْنَ
 جس کی وجہ سے ان کو سچا مشکل تھا لَعَدَّ بَنَّا الْاَکْثَرِیْنَ۔ کفر و ایمان
 عذابا الیسا تر ہم کافروں اور مشرکوں کو دردناک سزا دیتے۔ یہ تو ایسا ہی کہ مفتی
 کہنے ملے لوگوں کی وجہ سے فی الوقت مشرک بھی سزا سے بچ گئے، اور نہ ہی
 کو پتہ چل جائے کہ اللہ کے بندوں کو عمرو کی ادائیگی سے کس طرح روکا جاتا ہے۔

صالح مدیریہ کی ایک شق یہ بھی تھی کہ بیرونی افراد و قبائل میں سے جس کا بھی

چاہئے مسلمانوں کی حمایت کرے اور جس کا بھی چاہے مشرکوں کا طرد فرما دے۔ اس معاملہ میں فریقین صلح کر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس شرط کی وجہ سے کفر و مشکلاتوں کو بھی حق بن گیا تھا کہ وہ اپنے ایمان کو کھلم کھلا اعلان کر کے مسلمانوں کی حمایت چاہ لیں۔ اور اس طرح مشرکوں کے مطالبہ سے کبھی بائیں۔ صلح حدیبیہ میں یہ بھی ایک اہم صلح تھی۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس وقت کی خداوندیٹ و مہر کی خدمت بیان کی ہے۔ اِنْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ

جب کہ مشرکوں نے کفر کرنے والوں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی اکثر مشرکین اور کفار کی جاہلانہ حمیت کی کئی مثالیں صلح حدیبیہ کے موقع پر سامنے آئیں۔ مثلاً معاہدہ کے آغاز میں جب حضور علیہ السلام نے پسندیدہ اللہ الرحمن الرحیم کو کھسکا اور مشرکین نے اعتراض کر دیا کہ ہم کسی رحمن اور رحیم کو نہیں جانتے، انہا پرانے دستور کے مطابق یَسْتَوُونَ الْغُلَامُ کُفَّ حَانَ۔ آپ نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے یہی الفاظ کھسکائیے۔ پھر آپ نے فریقین معاہدہ کے نام کھسکائے هَذَا مَا خَافُنِي تُخَفُّوْنَ رَسُولُ اللَّهِ یہ وہ معاہدہ ہے جو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان طے پایا ہے۔ اس پر پھر مشرکین کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیں تو پھر جیگر اکیا رہ جاتا ہے۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے۔ اس کی بجائے محمد ابن عبد اللہ کے الفاظ کے جائیں حضور علیہ السلام نے یہ مطالبہ بھی مان لیا اور حضرت علی سے فرمایا کہ تُوخُّوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَاثَرُوْا۔ وہ کہنے لگے کہ مجھ سے تو یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ انہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کے الفاظ کٹائیے اور ان کی جگہ محمد ابن عبد اللہ کھسکوا دیا۔

معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کے کا کوئی آدمی بھاگ کر دین چلے جائیگا تو مسلمان اُسے واپس لے لیں گے، اور اگر کوئی دین سے بھاگ کر نہ آجائے، تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ کو اس شرط کا بھی بڑا اتفاق تھا کیونکہ یہ شرط فریقین کی برابر کہ حیثیت کے غلام تھی۔ اس وقت مشرکوں کی قید میں بہت سے ایسا غلام تھے

جاہلیت کی
ہشدرہری

مگر اس شرط کے تحت سے اُن کو رہا نہ کر لیا جاسکا۔ مگر اگلے پہل کر اس شرط کا قائلہ بھی ملانوں
 کہ یہی سچا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اسی ضد و عناد اکثر اور جاننا نہ سمیت کا تذکرہ
 یہاں کیا ہے کہ وہ کبیر قسم کے ہٹ دھرم لوگ تھے۔

ان حالات میں مسلمانوں کے دل سخت مغرم تھے کیونکہ حضور علیہ السلام نے
 مسلمانوں کے حق میں بڑی کمزور شرط کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے خوشخبری
 دی کہ صلح حدیبیہ کے ذریعے اسلام کو فتح حاصل ہوگئی۔ جیسا کہ غرض کیا حضور!
 کیا یہی فتح ہے کہ ہم نے نہایت ہی کمزور شرط پر بھرتہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا: ہاں
قَاتِلُوا اللَّهَ سَبْعِينَ سَنَةً عَزَّ وَجَلَّ۔ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔ پس اللہ تعالیٰ نے
 اپنے رسول اور مومنین پر ایمان نازل فرمایا جس سے اُن کا سارا تردد و دودھ ہو گیا اور
 اطاعت کا جذبہ غالب آگیا۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَوةِ السَّعَادَةِ اور اللہ نے اُن
 پر تقویٰ کا کلمہ لایم کر دیا۔ وَصَلُّوا أَحَقَّ مِنْهَا وَأَهْلُهَا اور یہی لوگ اس
 کلمہ کے زیادہ واقف اور زیادہ مستدار تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے
 مطابق اس کلمہ تقویٰ سے مراد کلمہ توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ مومنوں نے
 اس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کر کے ثابت کر دیا کہ وہی ہنس کے زیادہ مستدار تھے
وَصَلَّى اللَّهُ بِكُمُ اللَّيْلَ كُلَّهَا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے
 مشرکوں کی نافرمانی، ضد و عناد بھی اُن کے علم میں ہے اور اہل ایمان کے جذبہ
 اخلاص کے بھی وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ انہوں نے نبوت کی بیعت کر کے اپنے اس جذبہ
 کا بھرپور اظہار میں اظہار کر دیا۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے انہی ابدی علم میں ہیں۔

تفہیم
 سکینت

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّعْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ
 الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ
 رُؤُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ
 تَعْلَمُوا فَجَلَّ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ هُوَ الَّذِي
 أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى
 الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

ترجمہ۔۔ البتہ ختیجہ سپا کر دکھایا اللہ نے اپنے رسول کو
 خواب حق کے ساتھ۔ البتہ حضور داخل ہو گئے تم مسجد
 حرام میں، اگر اللہ نے چاہا، اس سے، منڈولے والے
 ہر گئے تم اپنے سروں کو اور دکھا کرٹانے والے اگر گئے
 اپنے بالوں کو۔ تم پر کچھ غرت نہیں ہو گا۔ پس اللہ
 نے جانا جو تم نہیں جانتے ہیں اللہ نے ٹھکانا اس کے لئے
 ایک قریب فتح ۝ وہ وہی ذات ہے جس نے مجاہد،
 اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور بچے دین کے ساتھ
 تاکہ اس کو ظاہر کرے تمام ادیان پر۔ اور کاٹنے سے اللہ
 گواہی دینے والا ۝

ہیں، بیت الاشتر کا طواف اور صغاسروہ کی سعی کی ہے، اور پھر کچھ لوگ سرخدا ہے
 میں اللہ کچھ بال کتر و اسے ہے ہی۔ جب حضور علیہ السلام نے اس خواب کا تذکرہ صحابہ کرام
 سے کیا تو وہ بیت الاشتر شریف کی محبت میں ریاب ہو گئے اور انہوں نے سمجھا
 کہ انہیں غنیمت ہے بیت الاشتر شریف کی زیارت نصیب ہو گئی۔ حضور علیہ السلام نے
 سفر مکہ کا عام اعلان فرمایا اور لوگوں نے تیار ہی شروع کر دی تھی کہ تقریباً پندرہ سو
 صحابہ کی جماعت نے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے، وہی
 کے جانور بھی ہمراہ تھے اور صحابہ کا خیال تھا کہ اپنے پرانے دستار کے مطابق قریش کے
 انہیں عمرو کی اولاد سے نہیں روکیں گے۔ مگر جب یہ قافلہ مدینہ کے مقام پر پہنچا
 تو مشرکین نے کہے جانے سے روک دیا۔ صحابہ کرام کو سخت پریشانی لاحق ہوئی کہ اس
 لمبا سفر کر کے آئے ہیں مگر منزل مقصود تک رسائی مشکل ہو رہی ہے۔ جیسا کہ گزارشہ
 دروس میں بیان کیا جا چکا ہے، مشرکین کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ جاری ہوا جس کے
 نتیجے میں صلح کا معاہدہ طے پایا جس کی اولین شرط یہ تھی کہ مسلمان اس سال بغیر عمرہ
 اور اچھے واپس پٹے جائیں گے، البتہ آئندہ سال صرف تین دن مکہ میں قیام کر کے
 عمرو ادا کر سکیں گے۔ اگرچہ مسلمانوں کے حق میں یہ شرط نہایت کمزور تھی۔ مگر
 اشتر کے نبی نے انہیں منظور کیا اور قرآنی کے جہانہ وہیں فراق کر کے احرام کھول
 دیے اور مدینہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ جب واپسی کا جس بائیس میل کا سفر طے
 ہوا تو راستے میں یہ سودۃ الصغیر نازل ہوئی جس میں صلح حدیبیہ کو فتح میں قرار دیا گیا،
 اور اشتر نے مسلمانوں کے دلوں میں تلکیں ادا فرما کر ان کی عکس کو دور کر دیا اس
 سودۃ میں مشرکین کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ذکر ہوا، اور جنگ نہ کرنے کی ہمت
 بھی بیان ہوئی۔ اسی وقت مکہ میں بعض کمزور مسلمان تھے جنہوں نے اپنے ایسا ہی کو
 چھپا رکھا تھا اور وہ حضور علیہ السلام کو بغیر پیغام بھی بھیجتے کہتے تھے۔ اگر اس
 وقت جنگ شروع ہو جاتی تو مشرکین انہیں مسلمانوں کے سامنے دکھڑا کرتے جس
 کی وجہ سے بچے مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہائے جلتے۔ اور اگر وہ لوگ مسلمان

کے خواب مختلف سے گریز کرتے اور مشرکوں کے عقائد کا فکھ بختے۔ انٹر تھالی کے پاس جنگ کے الزام کی یہ بہت بڑی ہمت تھی۔ چنانچہ انٹر نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے طاقتور مشرکوں سے اور مشرکوں کے طاقتور سے روک لیے یہی جنگ کا تربت نہیں آئے دی۔

اگرچہ مسلمان اس غیر متوقع واقعے مطمئن ہو چکے تھے مگر جب دیر نہ ہو اس پہلے تو منافقوں نے طعنہ زنی شروع کر دی کہ تم تو کہتے تھے کہ انٹر کے نبی کو خواب آیا ہے اور تم لوگ اس خواب کی صداقت پر یقین کر کے ہی عمرو کے لیے روانہ ہو سکتے تھے مگر اب کام لوٹے مسلمانوں نے اس بات کا ذکر حضور علیہ السلام کے سامنے بھی کیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے جو خواب دیکھا تھا وہ یہی ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ خواب عمرو کی ادائیگی کی ہی پیشین گوئی تھی مگر میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ بیت مشرک کی زیارت اس سال ہی نصیب ہو جائیگی۔ یہ خواب بالکل سچا ہے اور جیسا کہ صلح کے معاہدہ میں طے پایا ہم انشاء اللہ اگلے سال بیت مشرک کی زیارت سے مشرف ہو سکیں گے۔ چنانچہ انٹر نے اس درس میں اسی خواب کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی تقریبی فتح کا بھی۔ اس کے علاوہ پورے عالم میں اسلام کی فتح کا قافلی بیان فرمایا ہے، اور پھر سورۃ کا آخری آیت میں اُس جاہلیت کی عظمت آ رہی ہے جس کے قدم پورے دین حق پر ہی دنیا میں غالب آنے والا تھا۔

ارشاد ہر اسے لَعْنَةُ اللَّهِ مَوْتُهُ الْخُلُوعُ بِالْحَقِّ اِنَّهُ خَفِيَ الْمُرَّ
نے اپنے نبی کے خواب کو حق کے ساتھ سچا کر دکھایا۔ ترمذی قمریوں کی روایت میں
آ آہ رُوِيَ الْأَنْبِيَاءُ وَنَحْوُهَا یعنی نبیوں کا خواب ایک قسم کی وحی ہوتی ہے جس
کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ نبی کے خواب میں نفسانی یا شیطانی اثرات امکان
نہیں ہوتا۔ ایسے خواب کی تعبیر میں اشتباہ یا تاخیر واقع ہو سکتی ہے۔ حضرت علیہ السلام
والسلام کی ہجرت سے متعلق جو خواب آیا تھا اُن میں بھی ایسی قسم کا اشتباہ واقع ہوا
تھا۔ آپ کو خواب میں ہجرت کا ایسا مقام دکھایا گیا تھا جہاں چترلی زمین، پانی اور

کجور پر نظر آئیں، حضور علیہ السلام نے اس مقام کو زمین میں واقع جبر کے مقام پر حمل کیا
حالانکہ ہجرت کا مقام قرآن میں دینہ کو مقرر فرمایا تھا۔ اور مذکورہ نشانیاں
وہاں بھی پائی جاتی تھیں۔ اُس وقت دینہ کو شراب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔
مطلب یہ کہ زمین کا خواب تو بہر حال سچا ہوتا ہے، البتہ اس کی تعبیر میں اشتباہ ہو
سکتا ہے۔ یا اس کی تکمیل میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ عمرو کی لڑائی کے لیے خواب کریم، اللہ
نے سچا تو فرمایا ہے، اب ہم اس کی تکمیل میں آئیے۔ سال کا وقفہ آگیا۔

مسجد حرام
میں اللہ

فرمایا اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا اَلَمْ تَرَ اَنَّا فَخَّرْنَا مُحَمَّدًا وَآلَهُ
اِنَّ شَاءَ اللّٰهُ اَمِيْنٌ تم انشاء اللہ عنقریب مسجد حرام میں پر امن طریقے سے
داخل ہو گے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّا فَخَّرْنَا مُحَمَّدًا وَآلَهُ یہ ہے جس کا مطلب ہے
کہ تم ضرور بہ عزت و شرف مسجد حرام میں داخل ہو گے، یعنی اس میں شے وال کوئی بات نہیں
ہے۔ انشاء اللہ کا لفظ عام طور پر ایسی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی چیز کا
سوقصدی یعنی نہ ہو بلکہ وہ کام انشاء تعالیٰ کی مشاء پر موقوف ہو۔ اب ہم جعفر رضی اللہ
پر انشاء اللہ کا لفظ بے یقینی کے طور پر نہیں بلکہ ارب کے لیے بھی استعمال ہوا
ہے۔ اس کی مثال حضور علیہ السلام کی بھائی ہوئی دنیا میں بھی ملتی ہے جو قبرستان
میں جا کر کی جاتی ہے۔ وہاں آتا ہے کہ اے قبروں والو! تم پر سلامتی ہو وَلَا تَقْرَبُوا
اَنْشَاءَ اللّٰهِ مَرْکُزًا لَّا جَعَلُوْا اور ہم بھی انشاء اللہ قسم سے جلد ملنے والے
ہیں۔ اب اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں کہ موت سب پر طاری ہوتی ہے اور
سب کے پسوں کے ساتھ ہی جا کر فنا ہے مگر یہاں بھی انشاء اللہ کا لفظ بعض ارب
کے لیے لایا گیا ہے۔ اس سے یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے ہر
مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دینا چاہیے، بلکہ اس بات کا حکم تو خود اللہ تعالیٰ
نے سورۃ النجمت میں دے دیا ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا اَنْشَاءَ اللّٰهِ فَاَعْلَمُ ذٰلِکَ
حَدّٰہُ اِنَّ اَنْشَاءَ اللّٰهِ (آیت ۳۳) یعنی مستقبل کے کسی کام سے متعلق ہر
نہ کو کر میں ملے کل انجام سے دوں گا۔ مگر ساتھ ہی کو کہ اگر اللہ نے چاہا۔ گویا

اس کو اللہ کے سپرد کر دو۔ اگر اس کی قیمت ہوگی تو تمہارے لڑکے کے مطابق کام ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

مذکورہ خواب میں ایک تر اللہ تعالیٰ نے اس دامادی کے ساتھ مسجد حرام میں داخلے کی ہدایت دی اور ساتھ عمرہ کی ادائیگی کی تصدیق اس طریقے سے کر دی تَحْقِيقِیْنَ زَوْسَکُمْ وَمُحَقِّقِیْنَ کہ تم میں سے بعض سوں کو اُسٹرے کے ساتھ منڈوانے والے ہوں گے اور بعض بالوں کو کترنے والے۔ چونکہ عہدِ عمرے کا طواف اور سعی کرنے کے بعد بڑائی جاتی ہے، اس لیے ابنِ الفاظ میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ تم مسجد حرام میں داخل ہو کر عمرہ بھی ادا کر دو گے۔ سر کا منڈوانا یا بالوں کا کترانا حج اور عمرے کا اہم کام ہے، تاہم سر کا منڈوانا زیادہ افضل ہے۔ حضور علیہ السلام نے سر منڈوانے والوں کے لیے تین دفعہ دعا فرمائی اور بال کٹانے والوں کے لیے صرف ایک دفعہ۔ ہجۃ الوداع کے موقع پر بھی خود حضور علیہ السلام نے سر کا منڈویا تھا، لہذا یہ افضل ہے اور ساتھ فرمایا کہ عمرہ کی ادائیگی میں آگے نکلنا اچھا ہے۔ تم کسی قسم کا خوف محسوس نہیں کرے گے، مسجد حرام میں داخلے کے لیے بھی اہمیت کا لفظ آچکا ہے اور یہاں عمرے کی ادائیگی کو بھی بلا خوف و خطر قرار دیا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا لَا تَقْلِقُکُمْ اللہ تعالیٰ وہ کچھ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے بظاہر تو عمرے کا التزام صحابہ کے لیے بڑا پریشان کن تھا، مگر اللہ نے فرمایا کہ اس التزام میں بھی تمہارے لیے کئی بھتری ہے، یہ اللہ ہی جانتا ہے، تمہارے علم میں نہیں اس لیے اپنے علم اور حکمت کی بنیاد پر بھتری کیا ہے۔

فرمایا لَا تَقْلِقُکُمْ ذُوْنِ ذَکَ فَتَحَقِّقُوْہِا اور اس کے ورے اللہ نے قرہی فتح بھی رکھ دی۔ یعنی جو عمرہ اور انیس کر سکے اس کی تسلیہ سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قرہی فتح سے بھی لڑانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ عنقریب تمہیں ایک بہت بڑی فتح حاصل ہونے والی ہے جس میں تمہیں بہت مال و دولت، زمینیں اور باغات بھی قیمت میں ملیں گے۔ اس فتح سے مراد

قرہی فتح
کا ٹھہری

خبر کی فتح ہے جو حدِ حبیب سے واپسی کے جلدی بعد ہی حاصل ہو گئی۔ اہل ایمان خبر کے سوال سے خوب مستفید ہوئے اور اسی کی تسکین دور ہو گئی۔ مسلمانوں کے دلوں سے غم سے عدمِ اوائیگی کے قلق کو دور کرنے کے لیے اللہ نے اس قریبی فتح کی خوشخبری بھی سنائی۔ یہی سنائی۔ بہر حال اس پیشین گوئی کے مطابق اگلے سال یمن شہر میں مسلمانوں نے نہایت شان و شوکت کے ساتھ عمرو اراکیا، اور حضرت واپس آئے۔ یہ افلاقی فتح یا فتحِ مبین تھی جس کا ذکر سورۃ کی ابتدا میں آچکا ہے۔ اور اسی فتحِ غیر کی صورت میں حاصل ہوئی جس سے نہ صرف علاقے میں یورو کا اثر و شرف ختم ہو گیا بلکہ مسلمانوں کے ہاتھ بہت سال، امانت اور زمینیں بھی آئیں۔

اسلام کی
داعیٰ فتح

اب اگلی آیت میں اللہ نے اسلام کی داعیٰ فتح کا قانون بھی بتا دیا ہے اور یہ ہے۔ هُوَ الَّذِي كُرِّسَ رَسُولُهُ بِالْهُدَىٰ مِنَ اللَّهِ تَعَالَىٰ كَذَاتٍ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے۔ وَدِينَ الْحَقِّ اور ساتھ سچائی میں حکم کیا ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى

الدِّينِ كُلِّهِ تاکہ وہ اس کے دین کو درست کر دے اور اس پر ظہر کرے یعنی غالب کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے دینِ اسلام نازل ہی اس لیے کیا ہے تاکہ دنیا میں صرف یہی دین قائم رہے اور باقی سب ختم ہو جائیں۔ اسی مخرج کی آیات قرآن میں دوسری جگہ بھی موجود ہیں۔ ثُمَّ سَوَّاهُ صَفًّی اور سورۃ قمر میں بھی یہی الفاظ ہیں هُوَ الَّذِي كُرِّسَ رَسُولُهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ اور آخر میں ہے وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ اللہ کی ذات وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، تاکہ اسے باقی تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے۔ اگرچہ مشرک لوگ اسے ناپسند ہی کریں۔ البتہ اس محاسن پر ان آخری الفاظ کی بھلائی وَكُفِّرُوا بِاللَّهِ مَشْهَدًا کے الفاظ ہیں یعنی اللہ کی کافی ہے گواہی دیتے والے۔

ہدایت دین کی روح اور اصل حکمت یہی ہے، اور دینِ حق، اعتقادِ اہل

عبادت، معاملات، معاشرت، سیاست اور اخلاقیات سے متعلقہ اصول اور قوانین ہوتے ہیں۔ اس آیت میں مذکورہ غلبہ دین کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عام مفسرین اس آیت کا غلط سمجھانے سے عاجز رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کی حیثیت مبارکہ میں تو وہی حق کو عمومی غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک اسلام جزیرۃ العرب تک پھیلا تھا، اور اس کے باہر قیصر و کسری جیسی عظیم سپر طاقتیں موجود تھیں جو ساری دنیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ اس مسئلے میں حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ اس غلبہ سے مراد وہ غلبہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے بعد وہی حق کو حاصل ہو گا۔ اس کے برخلاف مفسر قرآن حضرت حسن ابن فضلہ کا قول ہے کہ اس غلبہ سے مراد سیاسی غلبہ نہیں بلکہ دینی اور برائی کا غلبہ ہے۔ یعنی دلائل کی ٹوس سے دینی اسلام تمام ادیان پر ہمیشہ غالب رہے گا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دیگر مفسرین میں سے اس شافعی کی تفسیر زیادہ بہتر ہے کہ شرک الی کا اور عرب کے اتنی لوگوں دعویٰ کرتے ہیں یا ایمان لائے ہیں کہ مغلوب کرنا مقصود تھا چنانچہ عرب کے سامنے اسی تو حضرت علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ میں ہی مغلوب ہو گئے۔ سدا عروب اسلام کے رہیں گی آگیا، بعض مشرک اسے لگے اور بعض نے اسلام قبول کر لیا اور اس طرح سدا جزیرۃ العرب شرک کی نہایت سے پاک ہو گیا۔ بغداد میں بخارا اور شام کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر کے جزیرہ دنیا قبول کر لیا اور اس طرح اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے وہ اسلام کے زیر نگیں آ گئے۔ یہودیوں میں سے بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع اور قیسرہ کے سب مغلوب ہو گئے۔ بعض باجگزار بن گئے اور بعض بالکل ہی ختم ہو گئے۔ چنانچہ اس لحاظ سے دینی حق کو باقی ادیان پر غلبے کا نام دیا جاسکتا ہے۔

نام شاہ ولی اللہ اس تفسیر سے مکمل اتفاق نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مراد میں ہی غلبہ دین کی بات کی گئی ہے، وہ مکمل طور پر خلفائے راشدین کے زمانہ میں واقع ہوا، حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تو قیصر و کسری جیسی سپر طاقتیں

دنیا میں موجود تھیں، اور یہ دونوں ایک طرف اہمیت اور دوسری طرف ارعاب و
 کے عقیدے میں جلتا تھیں۔ اہمیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ خود دوش اور عزت
 کے معاملہ میں کسی قانونی حاکمیت و حرمت کے پابند نہیں تھے۔ کھانے پینے اور دیگر
 استعمال کی چیزیں جیسا سے اور جیسے حاصل ہوتیں لے لیتے اور اس ضمن میں وہ
 کسی قانون کو نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح جس عورت سے چاہتے تعلق پیدا کر
 لیتے۔ اس کا طے وہ نکل کر بھی زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور ارعاب
 کا مطلب یہ ہوتے تھے کہ جو چاہا ہو کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے سب کچھ
 صاف کر دے گا اکٹلی باز پر جس میں لہذا اس سلسلہ میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔
 شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی
 کو بعوث فرمایا جس نے ایک کا آغاز کر دیا جس کے نتیجے میں دونوں عالمی طاقتیں ختم
 ہو گئیں اور دین حق کو عمومی عقیدہ حاصل ہو گیا۔ چنانچہ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں روم
 دوس، افریقہ، صحرانی، شام اور مصر وغیرہ قیصر روم کے ماتحت تھے۔ یہ منسوب
 ہوئے۔ اور اور کسریٰ کے زیر تسلط قرار دیے، توران، ترکستان، ذولقانون، باغتر
 اور کورسی سب منسوب ہو گئے۔ اس کے علاوہ تمام یورپی امپائر، ہندو، صلیب دہیں
 بھی اسلام کے ماتحت آ گئیں، حضرت عمرؓ کے زمانے میں کسریٰ ختم ہوا اور کورسیت دم
 توڑ گئی اور عیسائیت کا روم شروع ہو گیا۔ اور اور قیصر کا تسلط، مصر، شام اور فلسطین
 سے ختم ہوا اور اسلام کو عمومی عقیدہ حاصل ہو گیا۔

مسلمانوں کا
 زوال

مسلمانوں کا عروج و پیماس سال ہجری واقعہ صفین تک مکمل ہو چکا تھا اور اس کے
 بعد مسلمانوں میں اندرونی طور پر اختلافات پیدا ہونے لگے جس کو کیت کو مسلمانوں
 نے ختم کر کے اسلام کا انتظام قائم کیا تھا۔ وہی کیت خود مسلمانوں میں پیدا ہو گئی۔
 اگرچہ دین کو عمومی طور پر کافی درجہ تک تسلیم حاصل رہا، مگر مسلمانوں میں چوتھی صدی
 تک کمزوری بڑھ گئی۔ جب کہ چھٹی صدی تک صفت غفلت کا رنگ بڑھا۔ اور
 چھ ساتویں صدی میں تمام اہل کے حملہ سے مسلمانوں میں زوال آ گیا۔ جس میں وہ آج

تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ترک مسلمانوں نے یورپ کی مینار کا بڑی دیر تک مستحکم کیا مگر وہ بھی کمزوری کی حالت میں ہی ہے۔ آج مسلمان دنیا کی انسانی پس ماندہ قوم سمجھے جاتی ہے جن کا نہ کوئی اپنا کلچر ہے، نہ تہذیب اور نہ اخلاق۔ وہ اپنا داغ اور اپنی سوچ تک گنوا بیٹھے ہیں۔ اللہ کی کتاب اور اس کا دینی اسلحہ بالکل سہا ہے اور وہ قیامت تک قائم ہے مگر اس کے پیروکار ہی اس کے اصولوں کو ترک کر کے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ خاتمہ صامت فرماتے ہیں کہ دلیل اور برائی کے نام سے قادیان اسلام ہمیشہ غالب رہا ہے مگر خدا تعالیٰ کا نشانہ یہ ہے کہ اسے سیاسی طور پر بھی تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے۔ اس دین کے اصول جوشہ ناقابل تسخیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نام اقرارِ حاکم کی پہلی چیز ہے۔ فَاَتَاوْا يَسْتَوْزِرُوْنَ قُرْبٰنَ يَحْتَرِبُوْنَ (البقرہ - ۱۲۳) اگر تم بچے ہو تو قرآن پاک جیسی ایک سورۃ ہی جلاؤ، مگر یہ پہنچ آج تک کسی نے قبول نہیں کیا جو کہ اللہ کی کتاب اور اس کے دین کی صداقت کی دلیل ہے۔

مسلمانوں کو بحیثیت جماعت فرض تھا کہ دین کے اس سیاسی نئے کرشمے کو بھولنے اور غنائے راشدیٹ کے دانے میں حاصل برکات، مگر اس کی ناکامی کی وجہ سے کلیاں بھی ناکامی میں تبدیل ہو گئی۔ اس سحرة سے یہی سمجھنا مستحسن ہے کہ اگر ادا قرہ حدیث پہ فتح قیبر اور پھر فتح مکہ کہ پیش نظر رکھو۔ آج بھی تم میں وہی جذبہ اطاعت و جہاد قائم رہنا چاہیے جو مذکورہ مواقع پر مسلمانوں میں موجود تھا۔ جب تک یہ جذبہ موجود تھا۔ دنیا پر مسلمانوں کی دھماک بھٹی ہوئی تھی اور جب یہ جذبہ نرم پڑ گیا تو پھر مسلمانوں میں نہ سیاسی غلبہ نہ اخلاقی نہ سماجی اور نہ معاشرتی یہ خود در سروں کے دستہ بگر بن گئے اور قیود ملت میں جا گئے۔

فرمایا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سجاد دینی سے مکر جبرٹ فرمایا۔ اگر وہ اسے نام لویاں ہی پر غالب کرے تو کفّی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفْرَ وَالْمُنَافِقَ اللہ کافی ہے اللہ اگر ایسی چیزیں دلا۔ اس گمراہی سے مراد اللہ کے رسول کی صداقت، اس کے دین کی سچائی اور مسلمانوں کی اطاعت کی گواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے

يُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ
 بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكْعًا سَجِدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ
 وَرِضْوَانًا لِيَسَّاهُمُ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَوَّلِ السَّجْدَةِ ذَلِكَ
 مَثَلُهُمْ فِي التَّوْبَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِغْوِيلِ ثُمَّ كُرِجْ
 أَخْرَجَ شَطَاةَ فَارِزَةَ فَاسْتَقْلَطَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوْقِهِ
 يُحِبُّ الزَّرَّاعَ لِيَكْفِيَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ:- محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ لوگ جو آپ
 کے ساتھ ہیں، وہ شدید ہیں کفر کرنے والوں پر، اور
 رحمدل ہیں اپنے درمیان، تم دیکھو گے ان کو رکوع کرنے
 والے، سجدہ کرنے والے۔ نکاح کرتے ہیں فضل اللہ کا
 اور اس کی خوشنودی، ان کی لٹانی ان کے چہروں میں ہے
 سجدے کے اثر سے۔ یہ مثال ہے ان کی تورات میں،
 اور یہ مثال ہے ان کی انجیل میں۔ جیسا کہ کہیں اپنا پتھر
 نکالتی ہے، پھر اُس کو مضبوط کرتی ہے، پھر وہ موٹا
 ہو جاتا ہے، پھر کھڑا ہو جاتا ہے اپنی نال پر۔
 تعجب دانا ہے کہیں کرنے والے کو اگر غصے میں
 ڈالے ان کی وجہ سے کفر کرنے والوں کو۔ وہ کیا

سب اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے
اور جنہوں نے اپنے عمل کے لئے میں سے بخشش کا
اور اجر عظیم کا (۱۶)

رہل آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے عمری نذرین میں اس دین کو تمام
ادیان پر غالب کرنے کا ذکر کیا تھا۔ پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ
جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین سے کوئی جہالت نہ کر وہ اس دین کو
تمام ادیان کے مقابلے میں غالب کرے۔ اور اللہ ہی کافی ہے کہ اس دین کے
آپ اُن کی آیت میں اس جماعت کا ذکر ہے جس کے ذریعے اللہ نے اس
دین کو دنیا میں غالب کیا اور آئندہ کے لیے ہمہ اس کو نور بنایا۔

رسالت کی
گواہی

گزشتہ دور میں یہاں پہنچا ہے کہ صلح نامہ حدیبیہ تقریباً تین دہائیوں
نے اعتراض کیا تھا۔ محمد رسول اللہ کی پہلے محمد بن عبد اللہ کا کہنے کے بعد وہ آپ کی
رسالت کا انکار کرتے تھے۔ اب اللہ نے اُن کے اس انکار کے جواب میں حضور علیہ السلام
کی رسالت کی خود گواہی دی ہے ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ مِسْحَبٍ﴾
یہ ہے کہ جس چیز کو کفار اور مشرکین ٹھانہ پلہتے ہیں، وہ اب اللہ کا ہاتھ ہے۔

صحابہ کی
جماعت

دوسری ضروری چیز اللہ کے دین کو روک سکا اور ادا کیے غالب بنانے کا
ہے کہ یہ صرف نبی کا کام نہیں بلکہ یہ ایک اجتماعی کام ہے۔ جس کے لیے جماعت
کی ضرورت ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مقصد کے لیے صحابہ کی
جماعت کو تربیت فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس منافی کیلئے کریں۔ اسی لیے
فرمایا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں ﴿وَأَلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ﴾ اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں
یعنی آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کی جماعت اور بھی طلبہ دین کے اجتماعی کام میں برابر
کے شریک ہیں۔

اب پیغمبر علیہ السلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت میں آپ اللہ کے رسول
ہیں۔ اور اس منصب میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔ آپ کی یہ حیثیت مستقر ہے۔

آپ پر کون نازل ہوتا ہے۔ اور آپ مصروف ہیں۔ آپ کی دوسری حیثیت اہل جماعت کی ہے، اور اس منصب میں آپ اپنے صحابہ کے ساتھ شریک کار ہیں۔ وہی کہ غالب بنے میں آپ کے ساتھ صحابہ کا یہی حصہ ہے۔ جانور سرورہ قرہ میں ارشاد ہوتا ہے لیکن الرِّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لِكُلِّ الْفَائِزَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (آیت ۸۸، ۸۹) اللہ کے رسول اور اس کے ایماندار ساتھیوں نے اپنا خون اور جانوں سے جہاد کیا ہے، اپنی لوگوں کے لیے ستری ہے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہشت تیار کر رکھے ہیں جن کے سامنے خریں تختہ ہیں اور ان میں ہمیشہ بہنے والے ہوں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی اجتماعی کاوش سے اللہ نے فتح عطا فرمائی ہے اور دین اسلام کو روکے راہروای پر غالب کیا ہے۔ ان لوگوں کے متعلق گزشتہ رکوع میں بھی یہی بیان ہو چکا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَايَعُواكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (آیت ۱۸) اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے راضی ہو گیا۔ جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کر رہے تھے۔ اسی جذبہ قربانی کی وجہ سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں مسلمانوں کو تمام دنیا پر سیاسی غلبہ حاصل ہو گیا۔ غرضیکہ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ صحابہ کرام کی یہی جماعت مراد ہے۔

اجتماعی امور میں مشاہدت کی اہمیت مسلمہ ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک کہ ایسے امور میں جہاں وہی اپنی کے ذریعے کسی بات کا فیصلہ نہ کر دیا ہو خود اللہ کے نجا بھی پابند ہیں کہ آپ اہل جماعت کی حیثیت سے اپنی جماعت کے ارکان سے مشورہ کر لیا کریں۔ بعض سیاسی یا اشتغالی امور میں اللہ کی طرف سے واضح حکم نہیں آتا۔ بلکہ اسے اہل ایمان کو مزید پرچھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی معاملات میں اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے۔ وَكَانَ وَدَّخِرَ فِي الْأَمْرِ رَأَى عَمْرُو (۱۵۶) میں آپ اپنے صحابہ سے مشورہ کر لیا کریں اور پھر تمام اہل ایمان کے حق میں فرمایا وَأَمْرٌ كُنْهُ شُورَى يَتَّبِعُهُمُ (الشوریٰ: ۳۸)

یعنی ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ پھر جب کوئی معاملہ مشورہ کے ذریعے طے پا جائے تو پھر امیر کا حکم ہے۔ **وَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَشَّلْ عَلَى اللَّهِ** (آل عمران ۵۹) تو اگر امیر کی ذات پر جبر دہر کرتے ہوئے اس کام کو پائیے تو ٹھیک ایک پہنچا دو۔

مشاورت کے حکم سے متعلق بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے جو مشورہ کو احتجاج کا درجہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ واجب ہے۔ امام ابو یوسفؒ جیسا کہ اس میں مذکور ہے۔ جب امیر کے بنی بھی غیر مخصوص امور میں باہمی مشورہ کے پابند ہیں تو دنیا کے انی بادشاہ، صدور یا دیگر حکام کیسے منتہی ہو سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مشاورت کو احتجاج کے درجے میں رکھنے کی وجہ سے ہی لوگ اس کی ضرورت کو نظر انداز کر کے من انی کہنے لگے ہیں۔ بقول مولانا عبید اللہ سندھیؒ سرکاری خزانے کی اہمیت کو دنیا کے بادشاہوں، سردار اور دیگر شخصوں نے اپنی شان و شوکت، اہم و عجب اور مشہور پرستی پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔ جو اپنے معاملات میں کسی مشورہ یا رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے حالانکہ ناجائز امور میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا حرام ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کے بعض اوصاف بیان کیے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے **أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَهَٰلَا فِرْعَوْنَ** پر بڑے سخت ہیں **وَرَحِيمًا بَيْنَهُمْ** آپس میں مہربان ہیں۔ جب آپس کی بات ہوتی ہے تو نہایت نرم و مل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور جب دشمنوں سے متعلق ہو تو دوسرے کی بازی لگاتے ہیں۔ فرمایا ان کی ایک نشانی یہ ہے **تَوَاصَوْا نَكْعًا** سنجیدہ آپ ان کو دیکھیں گے رکو رہ کر رہتے ہوئے اور سمجھے کرتے ہوئے۔ گویا وہ امیر کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو عبادت پہنچتے ہیں۔ کسی بندے کا رکو رہ کر اس کے عہدہ تکلیف کو قبول کرنے کی علامت ہے۔ جب انسان اپنی پشت جھکا دیتا ہے تو وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے ہر فرمان کو قبول کر دوں گا۔ مگر یا یہ اس کے

صحابہ کرام
کے لئے

انہارِ امانت کا ایک ذریعہ ہے اس سے انسان کی عجز و کمزاری کا ثبوت بھی ملتا ہے اور پھر یہ انسان مجبور کرتا ہے تو اس کی طرف سے مکمل فریاد و زاری کا اظہار ہوتا ہے۔ پہلے سہو میں آدمی اپنے نفس کی طرف سے مکمل اطاعت کو پیش کرتا ہے جب کہ دوستِ سہو کے ذریعے وہ اپنے مال اور اپنے لواحقین کی طرف سے بھی کامل اطاعت کا یقین دلاتا ہے۔ وہ اپنے خدا تعالیٰ کی انتہائی تعظیم بجا لاتے ہوئے اقرار کرتا ہے کہ میں اپنے اور اپنے لواحقین کی طرف سے تمام ممکنہ وسائل کو برائے کار لا کر ہر مافی اور مافی قرآنی پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔

حضرت علیہ السلام کے صحابہؓ کی ایک صفت یہ بھی ہے يَتَتَفَوَّنَ فَضْلًا مِنْ اٰلِهٖ وَرُسُلَاۡنَا وہ اپنی کامل اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ فضل سے مراد ارتفاق ہے یعنی اسی دنیا میں انسان اپنی زندگی بستر طریقے سے بسر کرے۔ ظاہر ہے کہ بستر طریقے سے بسر وقات کے وسائل رزق کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کا دوبارہ کرنا ہے۔ محنت مزدوری کرنا، محنت اختیار کرنا ہے یا کھیتی باڑی کرنا ہے تو مقصد یہی ہوتا ہے کہ ایسا کہہ کے زندگی کے لوازمات حاصل کرے جس سے اُسے سکون اور اطمینان حاصل ہو۔ اس مقصد کا حصول تقویٰ کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے خود تلاشِ رزق کی ترغیب دی ہے سورۃ البقرہ میں موجود ہے۔ اور اگر واجب نمازِ جمعہ کی اذان پر چلے تو کاروبار چھوڑ کر ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ وَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَرِذُوا ۖ فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ رَاۡىَ۔ (۱) جب نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو۔ کیونکہ تمہاری زندگی کا مقصد اسی چیز ہے۔ مطلب یہ کہ فضل سے مراد لازماً مستحکم زندگی میں حین کے حصول کے لیے انسان کا محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے۔

دوسری چیز جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ فِرَاقٌ ہے۔ شاہ صاحب فرماتے

ہی کہ رضوان سے مراد اقرب ہے جس کا معنی خدا تعالیٰ کے قرب کا حصول ہے۔ انسان عبادت و ریاضت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ بہت بڑی چیز ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب جنت میں پہنچ جائیں گے اور انہیں وہاں کی تمام نعمتیں پیش کر جائیں گی تو اللہ تعالیٰ روایت فرمائیں گے کہ جنت بڑا اور کسی اور چیز کی ضرورت ہے، عرض کریں گے، مولانا کریم! اس سے بڑھ کر یہی اور کیا ضرورت ہوگی؟ اللہ فرمائے گا میں تمیں اس سے بڑھ کر نعمت دے دلا ہوں اور وہ میری رضا ہے۔ باوجود آج کے بعد ہی تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ اللہ فرض اللہ نے صحابہ کرام کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا کی تلاش میں رہتے ہیں۔

پھر فرمایا سُبْحَانَكَ فِي وَجْهِهِ قُرْآنُ آخِرِ الشُّعُورِ اُن کی نشانی اُن کے سجدوں کے اثر سے اُن کے چہروں سے نمایاں ہوگی۔ علم طور پر نمازی آدمی کو پیشانی پر سجدہ کا نشان پڑ جاتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی پیشانی رگڑا کر محراب یا گنجانے کی کوشش کرے، یہاں پر چہرے کی جس نشانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ نشانی ہرگز ملو نہیں۔ بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جو شخص اس سے اتنا رگڑا کہ نشان بنا آئے کہ لوگ اسے عبادت گزار سمجھیں۔ وہ خود نافع سمجھا ہائے گا۔ بہر حال جس نشانی کا یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ صحابہ کے چہروں سے ظاہر ہے، اس سے تراویح اور انکار کی نشانی ہے۔

ریاضت کی وجہ سے اُن کے چہروں سے خاص قسم کی کیفیت نمایاں ہوتی ہے۔ اور خاص قسم کی روحانیت نکلتی ہوئی نظر آتی ہے، عبادت اور ریاضت کرتے کرتے اُن کے چہرے اور وہ بھی ہر گز نہیں جیسا سورۃ البقرہ میں فرمایا تَقَرُّوْهُمْ بِجُوهَرٍ آیت ۱۲۷۲ اُن کی عمامہ اُن کے چہروں سے نمایاں ہوتی ہے۔ مگر وہ کسی سے سوال نہیں کرتے۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ کے نبی کے ساتھیوں کی نشانی اُن کے چہروں میں سجدے کے اثر سے ظاہر ہوتی ہے۔

بعض مفسرین کرام ان نشانیوں کو الگ الگ شخصیات پر بھی محمول کرتے ہیں

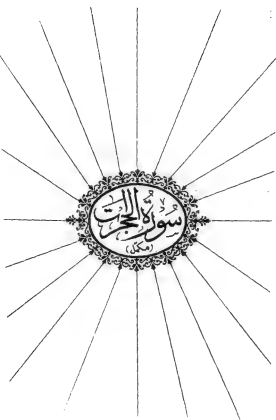
فرمایا صحابہ کہ اس جماعت کی مثال کَزْرَجِ أَخْرَجَ شَطْرَهُ ایک کھینک یا بڑے
 کہ ہے جو اپنا پشتر نکالتی ہے۔ فَانْدَرَا پھر اس کی کمر مضبوط ہوجاتی ہے فَاسْتَقْبَلَ
 پھر وہ موٹی ہوجاتی ہے فَاسْتَوَى عَلٰی سَوْقَيْهِ پھر وہ ہلنے سے پر کھڑی ہوجاتی
 ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح زمین سے نکلنے والا ایک پودہ انسانیت ہی نرم و نازک اور
 کمزور ہوا ہے مگر بعد میں وہ مضبوط ہوجاتا ہے جبکہ کٹرل و رخت بن جاتا ہے، اسی
 طرح صحابہ کی جماعت ابتدائے میں بالکل کمزور تھی، اس کی تعداد بھی خیل تھی۔ مگر بعد میں
 اللہ تعالیٰ نے اسی جماعت کو مضبوط بنا دیا۔ جنہوں نے قیصر و کسری جیسی عظیم سطوتوں
 کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا اور پوری دنیا پر اسلام کو غالب بنا دیا۔

کھینک کی مثال کے تسلسل میں فرمایا کہ جب وہ اپنے تئیں پر کھڑی ہوجاتی ہے
 تَرْتَفِعُ حَبُّ الزَّيْتُونِ ترقی کھینک نے اُٹنی کہ خوش کر دیتی ہے۔ وہ اُٹنی ہوجاتی ہے۔ کہ
 اس کی محنت ٹھکانے لگی اور اب وہ اس کا پھل اپنے والا ہے۔ تو فرمایا اسی طرح
 اللہ نے صحابہ کی اس جماعت کو مضبوط بنا دیا ہے لِيُخَيِّطَ بِهٖمُ الدِّكَارَ تاکہ
 اس کی وجہ سے کافروں کو غصے میں ڈالے۔ کافروں کی اہل ایمان کی ترقی کو روک دے
 جلتے تھے اور غصے کی وجہ سے اُن کے چہرے سیاہ ہوجاتے تھے۔ اسی لیے اہم ہنگامہ
 فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور علیہ السلام کے صحابہ سے حسد کرتا ہے۔ ان سے جلتے
 اُن کے متعلق بدگمانی کرتا ہے۔ وہ کافروں میں شامل ہوجاتا ہے۔ کرنی پر مسلمان
 صحابہ کے متعلق بدگمانی نہیں کر سکتا اور نہ ہی انہیں لعن و تشیع کا نشانہ بنا سکتا
 ہے۔ یہ قرپاک روگ۔ تھے جن کی اللہ نے بیان تعریف بیان کی ہے اور انہیں آمندہ
 آنے والی نفلوں کے لیے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ آمندہ اگر کوئی انتخاب آنے کا تو وہ
 اسی جماعت کے نمونہ پر چل کر لایا جائے گا۔ صحابہ کا جذبہ اطاعت و فرمانبرداری، دین
 کے ساتھ مکمل وفاداری، ایمان و مال کی قربانی اور موت کی غور قبول کرنا ایسے لوگوں کا طرزِ اختیار
 تھا۔ اور انہیں کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

آگے اللہ نے عام اہل ایمان سے ایک وعدہ کیا کہ اگر تم جیسا ہے وَعَدَ اللّٰهُ

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ اللَّهُ تَعَالَى نے ان لوگوں سے وعدہ
کیا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے سَفِيفَةً بخشش اور
سفرت کا یعنی اللہ تعالیٰ ان کے لیے اعمال کی وجہ سے ان کی کمزوریوں اور کمزوریوں کا
فراموشی کا۔ انقلابی پروگرام پر عمل کرتے ہوئے بعض کتبائوں کا ارتکاب پیدا نہیں
نہیں مگر اللہ نے سب کی سہائی کا اعلان فرمایا ہے۔ اور ساتھ ساتھ وَأَجْرًا عَظِيمًا
بہت بڑے اجر کا وعدہ بھی فرمایا ہے جو ان کو آخرت میں میسر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے
ان لوگوں کی سہائی کا پورا پورا بکھیر دیا ہے جو ان کو آخرت میں میسر آئے گا۔ ان کی رحمت
کے مقام میں داخل کرے گا۔ جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔





سُورَةُ الْحَجَرِ مَدَنِيَّةٌ كَرِّهِي تَمَّا عَلَى عَشْرَةِ آيَاتٍ وَفِيهَا الْكُفْرَانُ
سورۃ الحجرات مدنی ہے۔ یہ اٹھارہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ①

ترجمہ... اے ایمان والو! ان کے برہمنوں کے لئے اور اس کے رسول کے لئے

سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ①

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الحجرات ہے جو کہ اس کی آیت ۴ میں آدھ لفظ سے اخذ ہے۔ حجرات حجروں کی جمع ہے میں کا معنی گھروں یا مکان ہوتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ان کھروں کا ذکر ہے جو حضور علیہ السلام نے مسجد نبوی کے ارد گرد تعمیر کرائے تھے اور جن میں اہل ایمان المؤمنین رہائش پذیر تھے۔ ان کے علاوہ بعض دیگر حضرات بھی ان مکانات میں رہتے تھے۔

یہ سورۃ ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں سورۃ تبارک کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کی اٹھارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۴۲۲ الفاظ اور ۱۳۷۶ حروف پر مشتمل ہے۔

یہ سورۃ مبارکہ کا سائبر دو سو ترقی کے ساتھ خصوصی ربط ہے۔ سورۃ فتح اور سورۃ محمد میں جہاد کا موضوع غالب ہے جس سے اصلاح عالم مقصود ہے جب کہ اس

نام مبارک

بجز سورۃ
سائبر
۱۷۰

سورۃ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی جماعت کے حقوق و ادب کا ذکر ہے۔ مگر اس سورۃ میں وہ اصول اور ضابطہ بیان کیے گئے ہیں جن سے اصطلاح نفس ہوئی ہے۔ اس طرح ان تین صورتوں میں اصطلاح عالم اور اصطلاح نفس کا پورا گرامر بیان کر دیا گیا ہے اور یہی ان صورتوں کا آپس میں ربط ہے۔

مضامین سورۃ
 نام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ماشیر فتح الرحمن میں اس سورۃ کا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اس میں بعض ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً یہ کہ اللہ کے نبی کے اور سرور قرابی سے پہلے کوئی بات نہ کی جائے اور نہ نبی کے مدینے اور نہ جنت کی جائے۔ اس سورۃ میں یہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی فاسق آدمی کی خبر کی تحقیق کر لی جائے اور بغیر تحقیق ایسی خبر پر عمل نہ کرنا چاہئے۔ اگر مسلمانوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرنا چاہیے۔ مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ صلحاً و محبتاً رہیں اور نہ ایک دوسرے کے گناہ سے باز کریں۔ اس سورۃ میں قہمت کی سخت الفاظ میں ممانعت کی گئی ہے اور دوسرے شخص پر بدگمانی کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ نسب کی وجہ سے دوسرے کو بغیر جاننا اور اپنے نسب پر فخر کرنا قبیح بات ہے، اللہ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔ پھر آخر میں منافقوں کی بعض خصوصیات کا ذکر کر کے ان کو زبرد قریح کی گئی ہے۔

درحقیقت یہ سورۃ مسلمانوں کے شرعی قوانین (CIVIL LAW) پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے دو صورتوں میں جنگ اور صلح کے قوانین (LAWS OF THE WAR AND PEACE) کا ذکر تھا جب کہ یہ سورۃ مبدکہ بغیر حربی قوانین پر مشتمل ہے۔ غرض کہ اس سورۃ میں معاشرتی زندگی کے بارے میں ٹھنڈے اصول بیان کیے گئے ہیں اگر ان میں تین ضمنی اصول بھی شامل کر لیں جائیں تو کل تعداد پندرہ ہو جائے گی۔ معاشرتی زندگی کا انھما راہنہ اصولوں پر ہے۔ ان پر عمل پیرا ہونے سے قوم اور ملک میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ جس سے داخلی اور خارجی امور نکل سکتے ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہونے سے انسان فتنہ و فساد اور جنگ و جدال سے بچ سکتے ہیں اور ان

کی خلعت و زندگی کی صورت میں معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اور فطرتِ نوال ملک
بہیج باقی ہے۔

پیش قدمی
کی حالت

آج کی اہمیت میں دو بڑے بڑے اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا اصول یہ ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ لِّلَّذِينَ
اشر اور اسی کے رسول سے پیش قدمی نہ کرو یعنی ان کے حکم اور ان کی اجازت سے
کسی معاملہ میں آگے نہ بڑھو۔ جب کسی مسئلہ میں اشر اور اس کے رسول کا حکم موجود ہو یا ایسا
حکم متوقع ہو تو پھر اپنی رائے کو دخل نہ دو بلکہ اشر اور پیغمبر کے فرمان کو تو جسے سنو اور پھر
اس پر چڑھو اور چلاؤ۔ پس اگر جو بات اپنی خواہشات اور آرائشوں اور اشر اور اس کے رسول
کے احکام کے تابع بناو۔

غرضیکہ پہلے اصول میں نبی کریم ﷺ کے آداب اور حقوق اور پھر مسلمانوں کے آپس میں
برادرانہ تعلقات قائم کرنے کے جو طریقے، مسلمانوں کے جماعتی نظام کی بنیاد، اس
میں غزالی کی صورت میں اس کا علاج و طیار کا ذکر کیا گیا ہے۔ منہج پر کرام فرشتے ہیں
کہ تمام جبرگروں اور تنازعات کی بنیادی وجہ خود غرضی اور خود رائی ہوتی ہے جس کا علاج
پہلے ہی اصول میں بنا دیا گیا ہے۔ اگر مسلمان اپنی شخصی آراء اور افواہوں کو کسی جہت
قریب عید کے تابع کر دیں تو کوئی جبرگروہ افاد نہیں ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس
اہمیت کی تشریح میں فرماتے ہیں لَا تَقْفُوا مَا خَلَفَ الذِّكْرُ وَالْمَشْفُورِ
اشر کی کتاب اور نبی کی سنت کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔ اگر تم اپنے تمام امور کا بڑے
سنت کے تابع بنا لو گے تو تمہارے تمام حالات درست ہو جائیں گے۔ آخر یہ دو
تہذیبیں ترقی نصیب ہوئی اور اشر کے ان ہی اجر کے مستحق بن جاؤ گے۔ بعض احکام
کی تکمیل میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مگر اس سے ہر حال نہیں ہٹنا چاہیے خواہ
اس مسئلہ میں کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے۔ اس کا نتیجہ بہر حال اچھا نکلے گا۔ زیادہ
آخرت کی تلاش کا مدار اشر اور اس کے رسول کی اتباع پر ہی ہے۔ بہر حال منہج
کو اے ایمان والو! اشر اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو یعنی اپنی رائے کو ان کے

ہیں کہ تقویٰ مخالفت ہر جہد و شرح است یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا ہی تقویٰ ہے۔ جس نے شریعت کے احکام کی پابندی کی وہ متقی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر سمجھنا، عاجزی اور انکساری اختیار کرنا اور عدل و انصاف کو اختیار کرنا بھی تقویٰ میں شامل ہے تو اثر نے یہاں دوسرا اصول تقویٰ بیان فرمایا ہے جس کی وجہ سے اطاعت کامل ہوتی ہے اور انسانی اغراض و خواہشات کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

فرمایا یہ بات بھی ملاحظہ رکھو ان شاء اللہ سب سے پہلے شک منہ تھا کہ ہر بات کو سننا ہے اور کائنات میں واقع ہونے والی تمام حرکات و سکنات کو جاننا ہے۔ کوئی چیز اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے تو اس سورۃ مبارکہ کی پہلی آیت میں یہ دو ضابطے بیان کر دیے ہیں جن پر تہذیب و تمدن کا انحصار ہے، انہیں سچ پر جہالتی، ملکتی اور جامع معاشرے کے نظم و نسق کے استحکام اور بقا کا انحصار ہے۔ اور وہ ضابطے یہ ہیں کہ الہی انشراح اس کے دھول کے ٹکڑے آگے دبوڑھے، بلکہ متعلقہ حکم معلوم کر کے عملی پیش قدمی کرے۔ اور دوسرا ضابطہ تقویٰ ہے۔ کج کے نام نہ لے، تقویٰ تو کم ہی نظر آتا ہے، بیشتر لوگ فسق و فجور میں ہی مبتلا ہیں، سکھوں میں ایک آدمی ہے گا جو اپنی خواہشات اور اغراض کو انشراح اس کے دھول کے ٹکڑے پر قربانی کر دے، مگر یہ بنیادی غراب ہوگی تو معاشرتی نظام یکے درمست رہ سکتا ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ
النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ
أَنْ تَحْطَأَ أَعْيُنُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ⑤ إِنَّ الَّذِينَ
يَفْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ
امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ
عَظِيمٌ ⑥ إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ⑦ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى
تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ⑧

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بلند کرو اپنی آوازوں کو نبی
کی آواز پر، اور نہ بلند جہر سے اُن کے سامنے بات
کرنے میں جیسا کہ تم جہر کرتے ہو بعض بعض کے
سامنے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور
تمہیں خبر بھی نہ ہو ⑤ بلکہ وہ لوگ جو پست رکھتے
ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے پاس یہ وہی
رگ ہیں کہ اللہ نے اُن کے دلوں کو خالص بنا دیا ہے
تقویٰ کے لیے۔ اُن کے لیے بخشش اور اجر عظیم
ہے ⑥ بلکہ وہ لوگ جو پکارتے ہیں آپ کو حجروں

کا دیرینہ کے پیچھے سے اکثر اُن میں سے عقل نہیں
 رکھتے ⑤ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ
 اُن کی طرف نکل کر آتے تو یہ بہتر ہوتا اُن کے لیے۔
 اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ⑥

بیانات

اس سورۃ مبارکہ میں وہ اصول اور قرآنی بیان یکے کے لیے ہیں جو عقل کے
 متلافی کی تقریری اور اجتماعی زندگی امن و سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ اُن کے جہتی
 نظم و نسق میں استحکام پیدا ہو سکتا ہے اور اُن کے اصول و سلطنت بہتر طریقے سے انجام
 دیے جاسکتے ہیں۔ اگرچہ آیت کریمہ میں دو اصولوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ پہلا اصول یہ
 ہے کہ اکثر اور اُس کے دشمنوں کے فیصلے اور حکم سے پہلے پیش قدمی نہ کرو، بلکہ
 ہر حالت میں انہی کے فیصلے پر تسلیم غم کرو۔ اور دوسرا اصول یہ بیان ہوا کہ تقریری
 اختیار کرو یعنی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈھکے رہو۔

نبی کا وہ
 احترام

اب تیسرے نمبر پر نبی علیہ السلام کے ادب و احترام کا اصول بیان کیا گیا ہے
 ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْفُوا أَسْوَكَكُمْ
فَوْقَ حَوَائِجِ النَّبِيِّ اپنی آوازوں کو نبی علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اور چوتھی
 بات یہ فرمائی وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ کچھ بعض کچھ بعض اور نہ نبی
 کے سامنے اونچی آواز سے بولو جیسا کہ تم ایک دوسرے کے سامنے بلند آواز سے
 بولتے ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو کہیں ایسا نہ ہو أَنْ تَجْهَرُوا بِأَعْصَالِكُمْ وَتَسْتَفْزِزُوا
لَا تَشْعُرُونَ کہ تم اسے اعلیٰ ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر ہی نہ ہو۔ مطلب یہ
 ہے کہ جب تم نبی علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھو ہو تو نبی کے ادب کا تقاضا یہ ہے
 کہ گفتگو کرتے وقت تمہاری آواز نبی علیہ السلام کی آواز سے کسی صورت میں بھی
 بلند نہیں ہونی چاہیئے اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ براہ راست بات
 کرو تو تمہاری آواز آپس کی گفتگو کی طرح اونچی نہیں ہونی چاہیئے۔ حضور علیہ السلام
 کی مجلس میں بیٹھ کر خواہ آپس میں بات چیت کرو یا خود حضور علیہ السلام کی ذات بابرک

سے براہِ راست مخاطب ہو۔ اپنی آواز کو ہمیشہ نسبت دیکو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو ممکن ہے کہ اللہ کے نبی کے دل میں کدورت پیدا ہو جائے جس سے اللہ کا فضل ہوجائے اور قصاصے تمام نیک اعمال ہی ضائع ہو جائیں۔ مسلمانوں کے لیے اللہ کا یہ حکم ہے کہ وہ اللہ کے نبی کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں، بے تکلفی اور اونچی آواز سے بات نہ کریں بلکہ شائستگی سے بات کریں۔ عام انسانی سوسائٹی کا یہی ہی دستور ہے کہ کوئی شائستہ اور مذہب پشاپنے آپ کے سامنے، یا ایک کائناتِ شاگرد اپنے استاد کے سامنے، یا ایک مخلص مرید اپنے مرشد کے سامنے، یا ایک ماتحت اپنے افسر کے سامنے ہمیشہ ادب کو ملحوظ رکھتا ہے اور اونچی آواز سے بات نہیں کرتا۔ اور مرشد کا بھی ہے جس کا مرتبہ ہر مخلوق سے زیادہ ہے اور اس کے ادب و احترام کو ہر ادب پر فوقیت حاصل ہے، لہذا چودہی احتیاط رکھیں چاہیے کہ اللہ کے نبی کی مجلس میں بیٹھ کر کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جس سے آپ کے ادب و احترام میں فرق آتا ہو حضور علیہ السلام کی خاموشی کی وجہ سے ایک استی کا کوئی ٹھکانا باقی نہیں رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کی عمر بھر کی ساری محنت ہی برباد ہو جائے۔

مفسرین کو رام فرشتے ہیں کہ قرآن مجید کے مطابق اعمال کا ضیاع کفر، شرک، نفاق یا ریا سے ہوتا ہے، اور محض آواز بلند کرنے سے ایسا نہیں ہوتا۔ آدھنگو یہ فعل استغنیٰ، استغناء یا ایذا رسانی کے لیے ہو۔ خاص طور پر اگر اللہ کے نبی کی شان میں اس قسم کی بے ادبی یا گستاخی کی جائے تو کفر لازم آتا ہے۔ لہذا ایسے شخص کے اعمال ضائع ہو جائے گا نہ شر ہوتا ہے۔ مفسرین یہ بھی فرشتے ہیں کہ جس طرح حضور علیہ السلام کی حیثیتِ علیہ میں آپ کا ادب ملحوظ رکھنا ضروری تھا، اسی طرح آپ کی وفات کے بعد آپ کی امانت اور قرآن کو بڑھتے اور سنتے وقت بھی ادب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور اگر کوئی شخص حضور علیہ السلام کی قبر شریف پر حاضر ہوتا ہے تو وہاں بھی ادب و احترام کی پاسداری ہونی چاہیے۔ عام جہل و گناہ میں مفسرین شیخ الاسلام اور بعض دیگر مفسرین فرشتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے

غنا، طائے، آیتین اور اولوالکرام حضرات کے ساتھ ہی درجہ بدرجہ ادب سے پیش آنا چاہیے کیونکہ فرق مراتب کے بغیر بہت سی خرابیاں، الجھاؤ اور جھگڑے پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ دیگر محترم ہستیوں میں صحابہ کرام، محدثین، متکلمین، مجتہدین، فقہاء اور دیگر بزرگوارین دین لائق احترام ہیں۔ جنہوں نے دین اسلام کی حق الامکان خدمت کی ہے۔

پہلے نبی کا ادب اور احترام صحابہ کرام سے جڑ کر گئی کر سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک مجلس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ موجود تھے۔ آپ کے پاس بنی قیس کے کچھ لوگ گئے، حضور علیہ السلام ان میں سے کسی شخص کو ان کا ایر مقبرہ نہ پالستے تھے۔ اس مجلس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قتل کا بہانہ پیش کیا۔ دوسری طرف حضرت عمرؓ بوقی نے افریح ابن حابس کے حق میں بیٹے دی۔ اس ضمن میں دونوں حضرات کا آپس میں تکرار ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ عمرؓ! تم ہمیشہ میری رائے کی مخالفت کرتے ہو، حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے بالکل ٹھیک رائے دی ہے۔ اس تکرار میں دونوں حضرات کی آوازیں بھی بلند ہو گئیں۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو دونوں حضرات اپنی اس حرکت پر نکت نام ہوئے اور پھر اس کے بعد نبی علیہ السلام کی مجلس میں کسی اونچی آواز سے بات نہیں کی، بلکہ عمرؓ میری آوازوں کو پست رکھا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کی بات کو سمجھنے کے لیے اُن سے بار بار پوچھنا پڑا تھا۔ آپ اس قدر محتاط ہو گئے کہ اونچا بولنے سے کہیں احتیال ہی مصلح نہ ہو جائیں۔

حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ کی آواز بھی قدرتی طور پر بلند تھی۔ جب بھی بات کرتے اونچی آواز میں کرتے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اُسے بیان والہ! اپنی آواز میں تنہا کی آواز سے بلند نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ہی مصلح ہو جائیں، تو حضرت ثابتؓ اپنی آواز کی بلندی کے ڈر سے گھر میں بیٹھ گئے۔ کہنے لگے کہ اگر حضور علیہ السلام کی مجلس میں میری آواز بلند ہو گئی تو مجھے ڈر ہے کہ میرے اعمال ہی مصلح نہ ہو جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذؓ کے ریاقت

صحابہ کرام
کا عمل

کیا کہ ثابت نظر نہیں آ رہا ہے، کیا وہ بیمار ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور! وہ
 تو میری چڑھی ہے مگر مجھے اُس کی بیداری کی کوئی خبر نہیں۔ پھر جب گھر جا کر آپ کے پاس
 گیا تو انہوں نے یہ خبر پیش کیا کہ میری آواز قدرتی طور پر بلند ہے اور مجھے اپنے مانتی
 ہونے کا اندازہ ہے۔ لہذا میں اعمال کے فیضان کے ڈس سے گھر میں بیٹھ گیا ہوں۔
 آپ کو اس بات کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ اُس نے آیت کا مطلب لیک کے نہیں
 سمجھا، اُس کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے اور وہ قیامتی ہے۔ پھر جب حضرت
 ثابت بن قیسؓ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا قیسؓ
 کے بیٹے! کیا تمہیں یہ چیز پسند نہیں کہ تمہاری زندگی پسندیدہ گزرتے اور تم شہادت کی
 موت پاؤ؟ اس پر حضرت ثابتؓ خوش ہو گئے۔ چنانچہ پھر یہاں ہی ہوا، آپ کی زندگی
 تو پسندیدہ ہی تھی کیونکہ آپ کا رجوع ہمیشہ نیک کی طرف رہتا تھا۔ پھر آپ کی شہادت
 حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔ میرا کتاب کے خلاف جنگ
 میں حضرت خالد بن ولیدؓ سپر سالار تھے اور حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت سالمؓ
 اس فوج میں شامل تھے۔ اس لڑائی میں بارہ سو راستروں سوختا قرآن اور قادی شہید
 ہوئے اور جنگ شد گلی کی گل تعداد سترہ سو تھی۔ یہ بہت بڑا
 فتنہ تھا۔ جس کو اکثر نے فرو کیا۔ اس جنگ میں بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ مسلمانوں
 کو پاپا ہونا پڑا۔ اس موقع پر حضرت ثابتؓ اور آپ کے ساتھی مجاہد سالمؓ کے یہاں
 اس معاملہ میں گنتی ہوئی کہ حضرت سالمؓ کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک
 میں ترسماں کہیں پاپا نہیں ہوئے۔ اس پر دونوں حضرات نے کہا کہ ہم دشمن کا مقابلہ
 اس طریقے سے کریں گے کہ بھاگنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے
 میدانِ جنگ میں گڑھا کھودا اور پھر اس میں پاؤں لٹکا کر دشمن کا مقابلہ کیا حتیٰ کہ دونوں
 حضرات نے عام شہادت نوش فرمایا۔

امام قرطبیؒ اور بعض روایتیں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت ثابتؓ شہید
 ہوئے تو انہوں نے عہدہ قہقہہ کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ شہادت کے بعد یہ ذمہ داری

اور دیگر صحابہ کرام نے نبی کے آداب کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

بہرے
آواز بلند
کی حالت

ایک دفعہ قیدِ قریم کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ آپ اس وقت اندراجِ مطرقات میں سے کسی امام الحرمین کے کمرے میں آرام فرما رہے تھے۔ جو نبی یہ لوگ دلوں پہنچے قرآنوں نے باہر سے آوازیں دینی شروع کر دیں يَا مَعْكُذُ أَخْرِجِ الْيَسَاءِ میں نے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائیں۔ اگلی آیت میں اللہ نے اسی واقعہ پہ لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے اِرْشَادُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ يَنَادُونَكُم مِّنْ ذَوَاتِ الْحُجُوتِ أَكْثَرُ حَسْرَةٍ لَا يَعْقِلُونَ وَلَا يَكُ وہ لوگ جو آپ کو کمروں کی دیواروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر کھو نہیں سکتے۔ باہر سے آوازیں دیکر انہوں نے بے عقلی کی بات کی کیونکہ ہر سکتا ہے کہ اس وقت آپ کسی اہم کام میں مصروف ہوں یا آپ پردہ نازل ہو رہی ہو۔ یہ بھی ہر سکتا ہے کہ آپ آرام فرما رہے ہوں اور فوری طور پر باہر نہ آنا چاہتے ہوں۔ ایسی حالت میں زور زور سے آوازیں دینا خلافِ تہذیب اور مجبور از محض ہے۔ ایک معمولی حیثیت کا آدمی بھی چنے معمولات میں اس قسم کی بد اخلاقت برداشت نہیں کر سکتا جو جائیداد نبی کی ذات کو وقت بے وقت زحمت دی جائے اور آپ کے ادب و احترام کا خیال نہ رکھا جائے۔ مگر ضرور ہی جانتا تھا لوگ اپنے کے ذریعے اندر پیغام بھیجا سکتا تھا، باہر سے آوازیں دینا تو بالکل ناشائستگی کا مظاہرہ تھا۔ اللہ نے فرمایا وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ اگر وہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ حضور علیہ السلام خود ان کے پاس باہر نکل آتے لیکن خَفِيَ الْهَيْئَةُ یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ مطلب یہ کہ ان لوگوں کو یہ چاہیے تھا کہ باہر سے آوازیں دینے کی بجائے حضور علیہ السلام کے خود باہر تشریف لانے کا انتظار کرے کہ ادب و عزت کا یہی تقاضا تھا۔ یہ سچ تھا اسوۂ نبویؐ۔

ادبِ خرام
کا خیال

امام جلال الدین سیوطیؒ، امام قرطبیؒ اور بعض دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جبیں لقمہ بر مسکائی اور حضور علیہ السلام کے چپا زانو جالی تھے

حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ ہی کے حکم کے مطابق جب حضرت ابی اہی کوٹھ کے گھر قرآن پکھنے کے لیے جاتے تو جا کر آپ کے دروازے پر بیٹھ جاتے یا وہیں کھڑے رہتے۔ آپ نہ تو باہر سے آواز دیتے اور نہ دروازہ کھٹکھٹاتے۔ پھر جب حضرت ابی اہی کوٹھ خود گھر سے باہر تشریف لاتے تو ان سے علامات ہوتی ایک دفعہ حضرت ابی اہی نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ جب آپ آتے ہیں تو دروازے پر دستک دے دیا کریں۔ انہوں نے کہا کہ شیخ! بزرگ یا است! قوم میں اس طرح ہرجا ہے جس طرح نبی اپنی قوم میں ہوتا ہے۔ اور اللہ کے نبی کے پاس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ لوگ صبر کرتے مگر نبی علیہ السلام خود ان کے پاس بھل کر آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا، لہذا میں اپنے شیخ کو آواز دے کر یا دروازہ کھٹکھا کر تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ میں تو ادب کی خاطر اگر بیٹھ جاتا ہوں کہ باہر آئیں گے تو علامات ہو جائے گی۔

تمام بزرگانِ دین نے ادب کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ ادب کی وجہ سے ہی فیض حاصل ہوتا ہے۔ جیسے فارسی کا دستور ہے۔

ادب شر با ادب شر با ادب شر با ادب

جے ادب محروم ماند از فضل رب

ہمیشہ با ادب رہو کیونکہ بے ادب آدمی اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔

فرمایا اگر یہ صبر کرتے بیان کہ کہ حضور علیہ السلام خود باہر تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اسی تفسیر کے از حمد اللہ نے یارس نہیں کیا بلکہ فرمایا وَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے وہ پھوٹی ہوئی کراہیوں کو معاف کر دیتا ہے، لہذا محاط رہی کہ آئندہ غلامیہ ادب کوئی حرکت نہ ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا
 أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ
 نُدَمِينَ ⑤ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ
 يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ
 حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ
 إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ
 الرَّاشِدُونَ ⑥ فَضَلَّ اللَّهُ مَنَ الْوُحْدَ وَنِعْمَهُ ۖ وَاللَّهُ
 عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ⑦

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی
 فاسق خبر دے کہ تمہاری قوم کے کچھ لوگ، اس وجہ سے کہ کہیں تم
 تکلیف نہ پہنچاؤ کسی قوم کو نادانی کے ساتھ، پھر یہ جاؤ
 تم اپنے لیے پریشانی ⑤ اور جان لو! کہ ایک تمہارے
 درمیاں اللہ کا رسول ہے، اگر وہ مانے گا تمہاری بات
 بہت معاملات میں تو تمہاری مشقت میں بڑھ جائے گی، لیکن
 اللہ نے محبت ڈال دی ہے تمہارے اندر ایمان کی،
 اور مزین کیا ہے اس کو تمہارے دلوں میں، اور
 نفرت ڈال دی ہے تمہارے اندر کفر، نافرمانی اور گناہ
 کی، یہی لوگ ہیں ہدایت پانے والے ⑥ یہ اللہ کا فضل

ہے اور اُس کی نعمت - اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے والا
اور کھتوں والا ہے ⑤

مذہبِ آیت

مسلمانوں کی جماعتی اور اجتماعی زندگی کو درست رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے
اس سورۃ مبارکہ میں بڑے اہم قواعد بیان کیے ہیں۔ پہلا صراطِ باطنی ہے
جس سے اللہ اور اُس کے رسول کے حکم سے آگے نہ بڑھو اور دوسرا یہ کہ ہر حالت میں
اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یعنی تعوی اختیار کرو۔ اللہ نے قیصرِ اربعہ واکو پیغمبرِ علیہ السلام
کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو اور آپ کے جانیفوں کے ساتھ بھی اس آواز
اعتراف کا سلوک کرو۔ گویا کہ جب تم نبی سے گفتگو کرو تو اپنی آواز کو بہت دیکو اور
اس طرح کڑک کر نہ بولو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جلد آواز سے
گفتگو کرتے ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائے گا نہ شے ہے
پھر اللہ نے اُن لوگوں کی تعریف کی جو نبی علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھ کر اپنی آوازیں
کو بہت دیکتے ہیں۔ فرمایا اللہ نے اُن کے دلوں کو تعوی کے لیے خاص کر دیا ہے
اور اُن کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے۔

اللہ نے اُن لوگوں کی خدمت بیان کی جو نبی علیہ السلام کو گھر سے باہر نام
کر بکاتے ہیں، فرمایا اُن میں سے اکثر نے عقل ہیں۔ اگر یہ جبر کرتے تھے تو اللہ
کے نبی خود گھر سے باہر نہ رہتے آتے تو یہ اُن کے لیے جبر ہو آ کیونکہ ہر مکان
ہے کہ اُس وقت اللہ کے رسول آرام فرماتے ہوں، کسی اہم امر کی اہم دہی
میں مصروف ہوں یا آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ بہر حال آپ کو باہر سے آوازیں
دینا اور دواؤں کی گھنٹا، پندہ، اُفیل نہیں ہے۔ یہ چارہ اصول ہے۔

جب حضور علیہ السلام نے مسجد نبوی تعمیر کرائی تو اس کے اطراف میں اہل گنجینہ
کی دانش کے لیے چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے گئے جن کے دروازوں پر پھولی
قسم کے سونے کے پرے فلک تھے ہوتے تھے۔ یہ مکانات چمکتے تھے جیسا
بھی بہت اونچی نہیں تھیں کہ حضور علیہ السلام اپنی باری کے مطابق اپنی کراہی

عجائب
اہل گنجینہ

سے کسی کمرے میں آ کر فرمایا کرتے تھے یہ کمرے دوسری صدی میں غیبیہ ولی بنی امیہ کے ذمے تھے۔ ایک بار یہ ہے۔ پھر جب مسجد کی توسیع کی ضرورت پیش آئی تو اس غیبیہ نے اپنی ہجرت کو مسجد میں شامل کر لیا۔ توسیع کی ضرورت حضرت عثمان کے زمانہ میں پیش آئی تھی مگر یہ توسیع مسجد کی محراب والی جانب کی گئی تھی۔ بخلاف ہجرت اسی طرح قائم ہے تھے۔ اپنی ہجرت میں سے ایک حجرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تھا۔ جس میں اب آپ علیہ السلام کی قبر مبارک ہے اس سے پچھلے حصے میں حضرت عائشہ کی قبر تھی اور پھر جس میں اب تک محفوظ ہے البتہ باقی ہجرت کا کون سا مآبہ نہیں۔ بلکہ سوائے حضرت صدیقؓ کے خزانہ کے جس کے متعلق حضرت علیہ السلام نے خود عبارت دی تھی کہ آپ یہ دروازہ یا کھڑکی مسجد کی طرف رکھ رکھتے ہیں۔ مسجد نبویؐ کی مغربی دیوار میں اس جگہ کی نشان دہی ایک کتبے کے ذریعے اب بھی موجود ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس دیوار میں ہجرت مسجد نبویؐ میں شمولیت کے لیے لگائے جاسے تھے تو دینار کے لوگ اس یادگار کے ختم ہو جانے کی وجہ سے بہت روئے تھے، پھر حال اس سورۃ میں آمدہ لفظ ہجرت کے لفظ میں بہت سے حقائق پوشیدہ ہیں۔ یہ ہجرت اللہ کے معصوم نبیؐ اور کائنات میں افضل ترین ہستی کی ازواج مطہراتؓ کے استعمال میں تھے جن کے متعلق اللہ نے سورۃ احزاب میں فرمایا يُنْسَاكَ النَّبِيُّ لَنَسْنًا كَمَا كُنْتُمْ مِنَ الْيَسَاكِ (آیت - ۴۲) اے نبیؐ کی بیوی! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو یعنی تمہیں اللہ نے جہاں بھر کی عزت پر فضیلت بخشی ہے۔ پھر حال یہ سادہ کمرے تھے جن میں کسی قسم کا تکلف نہیں کیا گیا تھا۔ اگرچہ عمارت میں توسیع کرنا بہت مشکل تھا پھر حال یہ موسم ہے اس کے درجہ سے طبعی گفتگوں پیدا ہوتی ہے اور پھر آپس میں نفرت کے جذبات ٹھہرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے ایمان کا تعلق سادگی کے ساتھ ہی ہے اور اہل اللہ میں سے

اب اللہ نے انہیں اصول بیان فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اے ایمان والو! اگرچہ فَارِسُ رَبِّكَ فَبَيِّنُوا

مستحق
تحقیق کا حکم

جب کرنی فاسق آدمی تھا ہے پاس کرنی خبر لئے تو اسکی تفسیر کر دیکر دیکھیں یہاں نہ ہوا ان نصیبوں
قَوْمًا اٰتَيْنَا لَهُمْ دَلالًا فَمَا يَلْمِزُكَ اَتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُمُ الْغَنَالَ وَآتَيْنَاهُمُ اَمْوَالًا كَثِيْرًا فَمَا يَلْمِزُكَ
ذٰلِكَ وَمِنْ اَمْرِ بَعِيْثٍ لِّمَنْ يَّهْتَدِ وَفِيْهِ اٰيَاتٌ لِّمَنْ يَّعْقِلُ . لہذا کسی ایسے آدمی کی لائی ہوئی
خبر کی ایسی طرح جانچی پڑا ل کر لیا کرو تاکہ اس کی صحت یا عدم صحت کا یقین ہو
جائے اور اس کے بعد مناسب کارروائی عمل میں لاؤ۔ فاسق کا طعنی معنی گتہ بگا رہے
جب کہ یہاں پر جھوٹا آدمی مر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بلا سوچے سمجھے کسی جھوٹے
آدمی کی اطلاع پر کوئی کارروائی کی جائے گی تو اس سے نہ صرف دوسرے لوگوں
کا نقصان ہوگا بلکہ اپنا نقصان ہو جانا بھی میں نہیں سمجھتا۔

15

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص ولید بن حنفیہ کو قید بنو مصطلق سے ذکوۃ کا مال وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ شخص گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ جب اس قید کو حضور علیہ السلام کے قاصد کی آمد کی خبر ملی تو وہ اپنے دستوں کے مطابق ہتھیار بند ہو کر استقبال کے لیے باہر نکلے۔ اس شخص کی اس قبیلہ کے ایک آدمی سے دیرینہ دشمنی تھی۔ اس نے سمجھا کہ قبیلہ کے لوگ بے قتل کرنے کے لیے باہر نکلے ہیں چنانچہ وہ لوگوں کو اس حالت میں دیکھ کر راستے سے ہی ویزہ واپس لوٹ آیا اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس قبیلہ کے لوگ تو مجھے قتل کرنے کے لیے نکل آئے تھے، لہذا میں جہاں پہا کر بھاگ آیا ہوں۔ یہ سن کر عام سلطان اور خود حضور علیہ السلام کو بھی سخت غصہ آیا کہ ان لوگوں نے ہمارے غائبے کیا تھے ایسا جراسلوک کیا۔ آپ نے اس قبیلہ کے ایک سرکردہ آدمی کی طرف پیغام بھیج کر اپنی تشویش کا اظہار کیا جب اہل قبیلہ کو یہ پیغام پہنچا تو وہ بھی سخت پریشان ہوئے کہ اس شخص نے ہمارے استقبال کا غلط مطلب کیا چنانچہ قبیلہ کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سائے حالات سے آگاہ کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں یہ آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی۔

ولید پر عقبہ کی غلط فہمی کی وجہ سے مسلمان سخت طیش میں تھے اور اگر وہ باقی تھیں

بجھٹان پر چڑھ کر ٹیٹے تو دونوں طرف کے مسلمانوں کا کس قدر جانی اور مالی نقصان ہوا۔ اسی لیے اشر نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تصریح کر دیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نقصان پہنچاؤ جس کا بعد میں تم ہی کو رنج ہو۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا یہاں پر فاسق سے مراد گنہگار نہیں بلکہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ اس قاصد نے واپس آکر یہ خبر دی کہ قبیلہ نو مصطفیٰ کے لوگ جھٹا، نے کے لیے باہر نکلے تھے حالانکہ ایسی بات نہیں تھی۔

جھوٹ کا
قدور اور

کسی خبر کی تحقیق کر لینا بہت بڑا ضابطہ ہے۔ موجودہ زمانے میں تباہی اور بربادی کی ایک وجہ اسی ضابطہ پر عمل نہ آنا کافقان ہے۔ نشر و اشاعت کے اس زمانے میں ابہارات اکثر جھوٹی خبریں شائع کر دیتے ہیں جن کی وجہ سے متعلقہ فرد، جماعت یا ملک کا شغل ہو یا فطری امر ہے۔ جھوٹی خبروں کی وجہ سے بدگمانی، نفرت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ جو بہت بڑے جانی اور مالی نقصان کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

انگریز کا قائم کردہ نظام شہادت بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس نظام کے تحت کوئی گواہ ٹھیک ٹھیک گواہی نہیں دے سکتا۔ اشر کا فرمان قرآن ہے -
وَأَقِمْ وُجُوهَ الشَّهَادَةِ لِلَّهِ (الملاق ۲۰) گواہی اشر کے لیے ٹھیک ٹھیک دو۔ مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ وہاں حضرات عدالت میں پیش کرنے سے پہلے ہر گواہ کو اس کی گواہی خود پڑھاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ یوں کہنا اور یوں نہ کہنا۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں گواہ صحیح صحیح گواہی نہیں دے پاتا جس کے نتیجے میں نہ تو لوگوں کو انصاف میسر آتا ہے اور نہ معاشرے میں امن و امان قائم ہوتا ہے۔ اسلام جھوٹی گواہی کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اگر میں دیکھوں کہ ضرورت ہے تو بھی گواہی دینا ہوگی، جھوٹ کا قطع قبیح کرنا ہوگا۔ اگر عدل و انصاف دیا ہو سکے اور دنیا میں امن قائم ہو سکے۔

ہمارا معاشرہ اس وقت جھوٹی خبروں اور افواہوں میں گھرا ہوا ہے۔ جھوٹی

خبروں کی مشاعت مبالغہ جانی ہو چکی ہے۔ اَلَّذَبُ النَّاسِ اَلْاَخْبَارُ مَعُوْنِ کے مطابق اخبار
 لئے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں جو بلا تحقیق جھوٹی خبریں شائع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح تاریخ
 میں بھی بہت سی اہم شباب بائیں پائی جاتی ہیں جو ناقابل اعتماد ہوتی ہیں یہ صرف تو
 صرف تہہ نین کرانہ کو حاصل ہے کہ انہوں نے ہر روایت کی پرستے طریقے سے چھاپی
 ہیں اور تحقیق کرنے کے بعد اس کو فضل کیا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر کوئی فاسق آدمی
 خبر لے کر اس پر فوراً عمل فرماتا تو کہہ دو جبکہ پہلے اس کی اچھی طرح تحقیق کر لو ،
 ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کوئی ایسا قدم اٹھا دے جو بعد میں پشیمانی کا باعث بن جائے ۔
 فاسق کا لغوی معنی کذاب اور بے باقی صحت سے باہر نکل جانے والا ہوتا ہے ،
 اور اس کا خلاصہ اس کا اطلاق گونا گوار آدمی پر بھی ہو سکتا ہے جو شخص جھوٹ بولتا ہے
 غلط بیانی کرتا ہے وہ بھی فاسق ہے ۔ تاہم فاسق آدمی کی مطلق خبر کو ناقابل اعتدال
 نہیں سمجھا جاتا ۔ نام الزکر جصاص فرماتے ہیں کہ بعض معاملات میں فاسق کی خبر بھی
 مقبول ہوتی ہے ۔ تاہم ایسے وہیں کے معاملہ میں فاسق کی بات کو تسلیم کیا جائے گا ۔
 اگر کوئی فاسق آدمی خبر لے کر کہ فلاں آدمی نے ہمارے پاس غلوں چیز بطور ہدیہ بھیجی ہے
 تو اس پر اعتبار کیا جائے گا ۔ اسی طرح اگر فاسق آدمی یہ دعویٰ کرے کہ اُسے فلاں
 چیز کی فروخت کے لیے سامور کیا گیا ہے تو ایک مسلمان آدمی کو حق پہنچتا ہے کہ
 اگر وہ چاہے تو اس چیز کو خرید سکتا ہے ۔ اگر کسی فاسق نے خبر دی کہ فلاں شخص کے
 گھر میں داخلے کے لیے اجازت طلب کی گئی ہے ، تو اس کی یہ خبر سب درست
 کیسے کہ جائیگی ۔ اسی طرح بعض معاملات میں بچے ، غلام یا ذمی کی خبر بھی مقبول ہوتی ہے
 فاسق کی شہادت اور روایت بھی عام حالات میں معتبر نہیں جانی ہے ۔ اہل
 بدعت ، خواہشات کے بندے سب فاسق ہیں مگر ان کی شہادت اور روایت
 معتبر ہے ۔ لیکن ایسے معاملات میں فاسق کی خبر ، شہادت یا روایت ناقابل قبول
 ہوگی جن میں کسی نقصان کا اندیشہ ہو یا اسی طرح غیر عادل آدمی کی گواہی بھی معتبر نہیں
 ہوتی ، اگر ا کے لیے اللہ نے قرآن پاک میں دو شرط رکھی ہیں ۔ یعنی گواہ وہ ہونا

فاسق کے
 مطلق احکام

چاہئے۔ جو اخلاق اور دیانت کے اعتبار سے عادل اور پسندیدہ ہو۔ ایسے شخص کی گواہی بڑی قابل قبول ہے۔

اطاعت رسول
پہلے قدم

ارشادِ مجاہد ہے وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولًا لِّمَن لَّا يَخْلِفُ أَعْدَاؤُهُ يَمِينًا اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات کو مان لے گا تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

لہذا یہ خواہش نہ کرو کہ اللہ کا نبی تمہاری بات ضرور ہی مان لے۔ شاہد علیہ السلام سمجھتے ہیں کہ اگر تمہارا مشورہ نبی کی بارگاہ میں قبول نہ ہو تو اس کا اثر نہ مانو کیونکہ اللہ کا رسول تو اللہ کے حکم پر عمل کرتا ہے اور اس عمل میں تمہاری نافرمانی ہے۔ اگر اللہ کا نبی تمہاری بات مانا کرے اور ہر کوئی اپنے ہی جیسے کی بات کرے تو پھر وہ کہیں کہیں کی بات پر چلے گا۔ ایسی صورت میں تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ اللہ کا نبی بعض مسائل میں مشورہ تو کرتا ہے مگر ضروری نہیں کہ وہ ہر ایک کی بات کو تسلیم کرے۔ اور اگر کسی شخص کی بات نہ مانی جائے تو مخالفت شروع کر دی جائے اور تو بہت ہی بُری بات ہے۔ بمقصد یہ ہے کہ تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی کو مقدم رکھنا چاہئے۔

فرمایا اگر اللہ کا نبی بہت سے معاملات میں تمہاری بات کو مانے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ إِلَيْكُمْ اور اللہ تمہارے دوست ہے۔ مگر اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب ٹھہرایا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عزیز کر دیا ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی خیمہ ریزی کر دی ہے جس کی وجہ سے تم اسے پسند کرتے ہو۔ وَلَكِنَّ ایک حکمِ کلی کا کفر والے فسوق والے عصیان نیز اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کفر، نافرمانی اور گناہ سے متعلق نفرت پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے تم ان چیزوں کو پسند نہ کرتے ہو۔ فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الرُّشِدُونَ ایسے ہی صفات کے حاملین لوگ ہیں اور راست پر ہیں۔ فرمایا فَمَنْ لَّا يَتَّقِ اللَّهَ

كَوْفَعَمَكَةَ بِرِشْرِ تَعَالٰی كَا فَضْلٍ اَوْ اَسْ كَا اِحْسَانٍ هے كَرَامَتِ نَفْعَارے دِلوں
 میں یہ چیزیں ڈال دی ہیں، لہذا اگر اللہ کا نبی تمہاری کوئی بات نہ ملے تو اس کا بُرا
 زمانہ بگڑنے کے فیصلے پر پہنچ جاتا۔ ایسا دُرِ آدمی وہی ہے جو اپنی مثال پر اللہ
 اور اس کے رسول کے حکم کو مسترد جانتے ہیں اور یہ ہدایت کا راستہ ہے۔ فَسْتَرٰی
وَاللّٰهُ یَخْلِیْ سِرَّکَ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے والا اور تمام حکمتوں کا مالک
 ہے۔ وہ عالم الغیب و الشاہدہ ہے۔ تم ان چیزوں کو نہیں جانتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ
 واقف ہے۔ وہ اپنے علم عظیم اور حکمت کے مطابق جو احکام دیتا ہے ان کو چلو چکے
 تیسرے کر لیا ہی مخلوق کے حق میں بہتر ہے۔

وَأَنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا
 بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا
 الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيَّ عَنَّا أَمْرَ اللَّهِ فَإِنْ فَازَتْ فَأَصْلَحُوا
 بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ⑨
 إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
 وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑩

ترجمہ:- اگر ایمان والوں میں سے دو گروہ آپس میں
 لڑ پڑیں، پس صلح کراؤ انہی دونوں کے درمیان۔ پس اگر
 ایک بغاوت کرے ان میں سے دوسرے کے خلاف،
 پس سب اس کے ساتھ لڑو جو بغاوت کرتا ہے یہاں
 تک کہ وہ لڑ گئے اللہ کے حکم کی طرف۔ پس اگر
 وہ لڑ گئے تو صلح کراؤ ان کے درمیان عدل کے
 ساتھ اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے
 انصاف کرنے والوں کو ⑨ بیشک ایمان والے بھائی بھائی
 ہیں، پس صلح کراؤ اپنے بھائیوں کے درمیان۔ اور ڈرو
 اللہ تعالیٰ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے ⑩

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اخروی اور اجتماعی زندگی کو بہتر طریقے سے
 بسر کرنے اور نظام حکومت کو صحیح طریقے پر قائم کرنے سے متعلق اس سورۃ میں

بڑے اہم اصول و ضوابط بیان فرمائے ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ اشتراک اس کے
 دخول کے حکم سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، اور ہر حالت میں اشتراک سے ہٹتے
 رہو۔ پیغمبر خدا کی مجلس میں اپنی آواز کو بلند نہ کرو اور نہ ہی آپ کے سامنے زور سے
 بولو۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی جھوٹا آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس پر جو تحقیق عمل
 نہ شروع کرو جبکہ اس کی اچھی طرح تحقیق کرو تاکہ نادانی میں کسی قوم کو نقصان نہ
 پہنچا دیتو۔ جس سے بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔ فرمایا یہ اس وجہ سے ہے کہ اشتراک
 دخول تمہارے درمیان بکھڑو ہے۔ اشتراک ایساں کو تمہارے دلوں میں مڑیے کیا ہے
 اور کھڑا قرآنی اور گناہ کی نفرت ڈالی ہے، لہذا اس بات کا یہی تقاضا ہے
 کہ تم مذکورہ اصولوں پر سختی سے کاربند رہو۔ تاکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کامیاب
 ہو سکو۔

مسلموں کا
 مطالبہ

اب آج کی آیات میں اشترقانی نے مجھ کو اہم اصول یہ بیان فرمایا ہے
قَالَ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتُلَا اِذَا بَلَغَ الْاٰمَانُ اگر اہل ایمان کے دو گروہ
 آپس میں لڑ پڑیں فَاَصْرِ لِمَا بَيْنَهُمَا قِرَانًا تو ان دونوں کے درمیان صلح کر دو۔ اگر
 مسلمانوں کی جماعت میں غلیظہ وقت یا اس کا حقوکر وہ حاکم موجود ہے تو اس میں فرزانی
 اس پر غامض ہوتی ہے کہ وہ دو متدرب فریقوں کے درمیان صلح کا بندوبست کئے
 اور اگر حاکم موجود نہیں ہے تو پھر ساری جماعت المسلمین کا فرض بننا ہے کہ وہ دو
 گروہوں کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑے کو مٹانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ
 حضور طیبہ اسلام کے زمانہ مبارکہ میں اس قسم کے کئی واقعات پیش آئے جن میں
 آپ نے محاصم فریقوں کے درمیان صلح صفائی کرا دی۔ کئی مواقع پر معاہدہ اور فساد
 کے درمیان مداخلت پیدا ہوئی تو آپ نے ان کے درمیان صلح کرا کے جھگڑے
 کو ختم کیا۔ مدینہ طیبہ میں آدس اور غزوہ ج کے قبائل سینکڑوں سال سے آباد تھے۔
 اور ان کی آپس میں دشمنی بھی بڑی پرانی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں ان دو خانہ دلوں کی
 آپس میں معمولی معمولی باتوں پر لیسے عرصہ تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ حتیٰ کہ ایک لڑائی

ایک سو مئیں سال تک نسل بعد نسل چلتی رہی حضور علیہ السلام مدینہ پہنچے تو آپ نے
اسی دو قبیلوں کے درمیان تمام پرانے جھگڑوں کو ختم کرا دیا۔ ان کی دشمنی جاتی رہی اور
وہ باہم خیر و شکر ہی کر رہے تھے۔

حدیث شریف میں غزوہ بدر سے پہلے کا ایک واقعہ آپ ہے۔ ہجرت کے بعد
قریبیہ نذاز میں حضور علیہ السلام اپنے ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہؓ کی جہاد پر
کے لیے تشریف لے گئے۔ انہی وقت تک رئیس ان فقیہین عبدالمشرؓ بن ابی ابھی
نذابی طور پر بھی ایمان نہیں لیا تھا اور صحابی کا گھر اسی منافق کے محلہ میں تھا حضور
علیہ السلام گھر سے پر سوار اسی محلہ میں چلے تو وہاں عبدالمشرؓ بن ابی اور اس کے بعض
ساتھی بیٹھے تھے۔ انہی پر گھر سے کے چلنے کی وجہ سے کچھ گرد و غبار اڑا کر پڑا، تو
عبدالمشرؓ کے منہ سے جھلا، صاحب اپنے گھر سے کہہ کر ہم سے دور رکھیں کیونکہ
اس کے پاؤں کی گرد و غبار اور اس کی قبر میں تکلیف دیتی ہے۔ لہذا آپ ہماری
جگہوں میں نہ آکر کریں۔ وہاں پر ایک ٹھکان بھی موجود تھا۔ جس نے اس ناشائستہ
کلمے کا جڑا بڑا منایا اور آپ سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ حضور! آپ جہادی مجلسوں
میں ضرور آیا کریں۔ یہ تو ہمارے لیے باعث برکت ہو گا۔ کلمات کے اس تبادلہ
پر دونوں میں الجھاؤ پیدا ہو گیا۔ ایک طرف عبدالمشرؓ کے حامی تھے۔ تو دوسری طرف
کچھ مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ کافی جھگڑا ہوا حتیٰ کہ ایک دوست پر لڑائی اور جوتے بھی
چلے حضور علیہ السلام اپنی سواری سے اترے، فریقین کو سمجایا اور ان کے درمیان
صلاحت کرا دی جس سے معاملہ رفع و دفع ہو گیا۔

ایک انصاری اور اس کی بیوی کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا۔ بیوی بچے جانا
چاہتی تھی مگر خاندان اس کی امانت نہیں دیتا تھا۔ جب بیوی نے اصرار کیا تو خاندان
نے اس کو مکان کی کمرہ والی منزل میں بند کر دیا۔ بیوی نے کسی ذریعے سے چلنے
خاندان والوں کو اس زیادتی کی اطلاع کر دی اور لوگ آئے اور خاندان سے پوچھ گچھ
کی۔ نتیجہ میں اس شخص کے خاندان والوں کو اس تنازعہ کی خبر ملی تو وہ بھی پہنچ گئے۔

فریقین میں شکر رہا۔ دینی کا مشق ہوئی اور پھر نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ جب اس بات کی خبر حضور علیہ السلام کو ہوئی تو آپ نے فریقین کے درمیان صلح صفائی کر دی اور اس طرح جنگ و جدل کا ایک بڑا خطرہ ٹل گیا۔ اس قسم کے دیگر واقعات بھی ملتے ہیں کہ دو مومن فریقین میں جھگڑا پیدا ہوا تو آپ نے صلح صفائی کر دی۔ الغرض اللہ نے اس آیت کریمہ میں یہی بات سمجھائی ہے کہ اگر مومنوں کے دو گروہ ہوں گے درمیان لڑائی جھگڑا ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرادو۔

اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ دو مومن آدمیوں کا آپس میں لڑنا کبیر و گناہ ہے مگر اس کے باوجود انہیں مومن ہی کہا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **قَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ كُفْرًا وَبَيْنَهُمَا فَسَقٌ** یعنی کسی مومن آدمی کے ساتھ لڑنا کفر ہے جب کہ اُس کو گالی دینا فسق ہے۔ تاہم کبیر و گناہ کے ارتکاب سے بھی آدمی ذمہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اسی لیے فرمایا کہ متحارب گروہوں کی آپس میں صلح کر دیا کرو۔ جھگڑے تنازعے میں دو افراد بھی ملوث ہو سکتے ہیں، دو خاندان بھی اور دو جاتیں۔ پارسیاں یا فرقے بھی۔ اس کے علاوہ دو ملک بھی متحارب فریق بن سکتے ہیں۔ ہر جگہ یہی اصول کا فرمایا ہے کہ جھگڑا جہاں بھی ہو اُس کو رفع کر کے فریقین کے درمیان صلح کرادو۔

صحابہ کرام
اختلافات

حضور علیہ السلام کا اپنا زمانہ مبارک کہ تو خیر القرون یعنی بہترین زمانہ تھا۔ اس کے بعد اختلافات پیدا ہونے شروع ہوئے جو پچھلے ہی چلے گئے اور آج تک معاملات سلجھنے کی بجائے الجھتے ہی رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے بعد آپ کے صحابہ کرام میں بھی اختلافات پیدا ہوئے مگر ان کی بنیاد نفسانیت پر نہیں بلکہ اختلاف پر تھی۔ اللہ نے قدم صحابہ کے حق میں اپنی خوشنودی کا اعلان کر دیا ہے لہذا انہیں ان کے بارے میں کلام نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے دین کے لیے عظیم خدمات انجام دیں، اللہ نے ان کی کونایوں اور غرضوں کو سمجھ کر دیا ہے۔ اسی لیے ہمارے بزرگوں میں سے حاجی اندر اللہ راہبر کی فرمائش ہے کہ مجھے صحابہ کو رسم کے اختلافات

کے بارے میں شرح صدر حاصل ہے اور مجھے یقین ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی کا اختلاف انصافیت اور غرضی یا عہد کی بنا پر نہیں تھا۔ بلکہ بعض اجتہادی اختلاف اس صحابہؓ میں سے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے حضرت علقمہؓ اور حضرت زبیرؓ کے درمیان بھی اختلاف رائے ہوا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان فکری و فہمی و سب اجتہادی اختلافات تھے۔ امام قرطبیؒ نے امام حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ کسی نے کہا کہ اختلافات تو صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی پیدا ہوئے اور پھر ان کے وہ بیان جنگیں بھی ہوئیں۔ اس کے جواب میں امام حسن بصریؒ نے فرمایا کہ صحابہؓ کے اختلافات کے وقت وہ خود وطن موجود تھے جب کہ ہم وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی وقت کے حالات کو وہ جانتے تھے جب کہ ہم ان کو نہیں جانتے لہذا جس معاملہ میں صحابہؓ نے اتفاق کیا، ہم نے اس کا اتباع کیا۔ اور جس چیز میں انہوں نے اختلاف کیا، ہم نے اس میں توقف کیا۔ کم از کم میں کسی ایسے معاملہ میں عہد اور عہد کا منہا ہو نہیں کرنا چاہیے۔

امام شافعیؒ اور امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں منقول ہے کہ جب اسی سے صحابہ کرامؓ کے اختلافات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اے لوگوں کے خون سے اللہ نے ہماری تلواروں کو پاک رکھا ہے یعنی ہماری تلواروں نے ان کا خون بنانے میں حصہ نہیں لیا۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تلواروں کو بھی ان کے اختلافات سے پاک رکھیں۔ شاہ ولی اللہؒ بھی فرماتے ہیں کہ امام عظیم اذکرت لسان در حق بیجاں کہ جہاں صحابہ کرامؓ میں آپس کے اختلافات کا تذکرہ ہو وہاں ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنی تلواروں کو روک رکھیں اور سب کو بہتری کے ساتھ یاد کریں۔ جس اللہ کے نبی کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں زبان کھولی گئی۔ ان پر شکستہ چینی کی گئی یا طعن و علامت کا دروازہ کھولا گیا تو دین کا دروازہ درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ وہ لوگ دین کے اولین راویان اور وہی کو دنیا میں پیدا کرنے والے اولین مسلمان ہیں۔ اگر صحابہؓ پر اعتماد اٹھ گیا۔ تو پھر نہ قرآن

پر اعتماد پر قرار ہے گا، نہ صورت پر اور نہ منت پر۔ غرضیکہ صوبہ کرشمہ کے بارے میں
یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ سب کے سب مبادلہ تھے۔

حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے جن لوگوں کے غلات جگہیں لڑی ہیں
کیا وہ مشرک تھے؟ فرمایا نہیں، بلکہ جن کے غلات جنگ جمل یا جنگ صفین لڑی گئی
وہ کرشرک سے بھاگنے والے تھے۔ پھر پوچھا گیا، کیا وہ منافق تھے؟ فرمایا نہیں، منافقین
کی صفت تو اللہ نے یہ بیان کی ہے۔ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا (۱۴۲)
کہ وہ اللہ کا ذکر کم ہی کرتے ہیں مگر یہ لوگ تو پورے طریقے سے خدا کی یاد میں لگے
ہوتے ہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ آخر آپ نے ان کے غلات جنگ کیوں کی؟ حضرت علیؑ
نے فرمایا لَوْ أَنَّا بَعَثْنَا فِيهِمَا جُنُودًا مِّنَّا لَضَحَكُوا ہمارے غلات نہ کتنی
انتقاد کی اس لیے ان کے غلات جنگ کرنا پڑی۔ شیعوں کی مشہور کتاب نہج البلاغہ میں بھی
ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے پیچھے کے عداؤں فرمایا کہ ہمارے اور شامیوں کے درمیان اختلاف
کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ہمارا دین ہی الگ الگ ہے بلکہ دُشْمَانًا وَاحِدًا ہمارا دین تو
ایک ہی ہے ہمارا کتاب بھی ایک ہے اور نبی بھی ایک ہے إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِي
دُومِ عَمَلَانِ البتہ ہمارا اور ان کا اختلاف حضرت عثمانؓ کے خونِ جگر کے بارے میں ہے
یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے ذمہ دار ہم یا ہماری جماعت ہے جب کہ
حقیقت یہ ہے وَتَحْتُنَا بَنُو كَثْمٍ ہم اس خون سے بری ہیں۔ ہم اس میں ہرگز شریک
نہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم اُن سے دینی میں بڑھ کر نہیں اور وہ ہم سے بڑھ کر
نہیں۔ بہر حال مسلمانوں کے اختلافات کے دوران سمجھوتے اور صلح صحابی کی کرشمہ
عام طور پر ناکام ہی ہوتی ہیں۔ بہت شاذ معاملات ایسے ہوتے ہیں جہاں کہیں صلح
سلجھ گیا ہو۔

آریخ شاہ ہے کہ مسلمان باہم لڑتے بھڑتے ہی ختم ہوئے ہیں بادشاہیت
کی تو دوسروں کو ختم کیا یا خود ختم ہو گئے۔ عالم اسلام میں اس قسم کے اختلافات جدید
ہے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ایران اور عراق کے درمیان ایک جھڑپ سے علاقے کا تازہ

متاثر نہیں کی
ہر قسمی

گزشتہ آٹھ سال سے چل رہا ہے۔ اس جنگ میں پانچ لاکھ عراقی اور سات لاکھ ایرانی ہلاک ہو چکے ہیں۔ اور ہزاروں ہونے ہیں وہ الگ ہیں مالی نقصان کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ اپنی پوری کوشش کے باوجود مسلم اتر فریقین کی صلح کرانے میں ناکام رہی ہے۔ اب آخر یہ مسئلہ عراق کی طرف سے متنازعہ علاقہ سے یکطرفہ دست برداری اور جنگ بندی کی بنا پر ختم ہو گیا۔ مگر اس کے بعد عراق نے کویت پر بندوبست کر دیا۔ تمام ملک مالک نے صلح صفائی کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ آخر کار امریکہ اور دیگر مغربی ملک کی مشترکہ افواج نے کویت کو واپس لے لیا۔ اب ہر حال اکثر نے یہ ضابطہ تبدیل کیا ہے کہ آپس میں خود اور بعض نہ کرو، ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو۔ حد سے زیادہ نہ بڑھو۔ اور بھائی بھائی بن کر رہو۔

فرمایا اگر دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کر دو فَإِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا حَكَمٌ فَأُولَٰئِكَ يَمُوتُ الْكَافِرُ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر سرکشی کئے فَقَاتِلُوا الَّذِينَ تَجَاهَدُ قَرَار سے مل کر جہاد کرنے والے کی سرکشی کرنا سختی تَقَاتِلُوا إِلَىٰ أَهْلِ الْقُرُوبِ یہاں تک کہ سرکشی کرنے والا اکثر کے حکم کی طرف لوٹ آئے یہ مطلب یہ کہ زیادتی کرنے والے فریق کو مجبور کر دو کہ وہ حکم الہی کی تعمیل کر کے سرکشی اور زیادتی کو ختم کر دے۔ عام طریقے سے صلح نہ ہونے کی صورت میں اکثر نے زیادتی کرنے والے فریق کو طاقت کے ذریعے مغلوب کرنے کا بھی حکم دیا ہے عالمی تنظیم اقوام متحدہ (U.N.O) پر اکثر و بیشتر کافر و مشرک، دہریے، ایجوڈ، ہنوں، نصاریٰ اور کیرسٹ قباصل ہیں۔ وہ اگر مسلمانوں کی آپس میں صلح نہیں کرتے تو اس سے کیا جھگڑ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمانوں نے اس طرف کبھی توجہ نہیں دی۔ ہمیشہ رفت نہیں کی۔ خدا کو ختم کرنے کا آخری طریقہ یہی ہے کہ سامنے لی کر ظالم کا ہتھوڑا توڑ دو۔

فرمایا اس آخری کارروائی کے نتیجے میں فَإِنْ قَاتَلْتُمْ أَكْثَرَ زُيُوتِكُمْ مَاتَ الْكَافِرُ فریق خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے مگر وہ صلح پر تیار نہ ہوئے فَاصْلَحُوا بَيْنَهُمَا

بِالْعَدْلِ تَوَافُّنَ کے درمیان صل کے ساتھ صلح کرادو۔ وَأَقْرِضُوا اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، احتدار کو اس کا حق دوؤ۔ اور ظالم کو سزا دینا کرو۔ فرمایا انصاف کرو کیونکہ **فِي اللَّهِ مَحْبُوبٌ الْمُتَوَسِّطِينَ** ہے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، اعظم و زیادتی، بے انصافی، طرفداری، خود غرضی، اور دشمنی سبھی سے فساد ہی پیدا ہوتا ہے۔ لہذا ہمیشہ صل و انصاف کو پیش نظر رکھو۔ اور اسی کے مطابق صلح کرادو۔ **كَيْدُكُمْ إِنَّمَا الْعَوْنُ مَعَكُمْ** اِخْوَانُ قَاتِلِمْ سُلَاطِنَ اَپْسِ مِں مَبَاطِلِ مَبَاطِلِ مِیں۔ اختلافات مباحثوں میں بھی ہر کس کا ہے اور اس کو سنبھالنے کا طریقہ یہی ہے۔ **فَأَصْبَحُوا شِيكًا اِخْوَانُ كُفْرًا** کُفْر کے درمیان صلح کرادو۔ صلح انصاف اور صلح جوئی ہی معاشرے کے امن و امان کی ضمانت ہے۔ مگر آدینا شاہ ہے کہ مسلمانوں نے اس ضابطے کی ہمیشہ مخالفت کی۔ ہماری تاریخ شروع و فساد سے بھری پڑی ہے۔ مسلمانوں نے ایک دو حکمران کے ساتھ کافروں سے بھی بدتر سلوک کیا۔ برصغیر میں سورہوں، مغلوں، تعلق خاندان اور دوسروں کے ساتھ اختلافات نے کیا تلخ کھیلے، عباسیوں، امویوں اور عثمانیوں کے اختلافات نے لاکھوں آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے۔ کیا یہ مباحثوں جیسا سلوک ہے؟ اللہ نے تو فرمایا کہ تمام مسلمان آپس میں مباحثی مباحثی ہیں اور ان کے درمیان لڑائی جھگڑائے کی گمانے صلح جوئی چاہئے۔

فرمایا: **وَاتَّقُوا اللَّهَ** اللہ سے ڈرتے رہو۔ انسان کا تقویٰ ہی اسے صلح پر آمادہ کر سکتا ہے خوفِ خدا قرآنی شریعت کی پابندی کا احساس دلاتا ہے۔ کفر، شرک، فحاشی اور معاشی سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر انسانی میں فسق و فجور ہوگا تو شرعاً کفر و فحاشی حاصل ہوگا۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو **لَقَدْ كُفِّرْنَا كُفْرًا** تاکہ تم پر رحم کیا جائے تم اہلِ ایمان کی پابندی کرو گے اس کا خوف رکھو گے تو وہ بھی تم پر رحم فرمائے گا۔ ورنہ نتیجہ ظاہر ہے ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا قَوْمًا مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن
يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا تَسَاءَلُوا عَنْ أَمْرِ
أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا
تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ
وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! نہ تمسخر کرے کوئی قوم دوسری
قوم سے اشیاء کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ خود میں دوسری
خود کوں سے اشیاء کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ
عیب لگاؤ ایک دوسٹر پر اور نہ جسے لقب ڈالو
جو ہے فسق کا نام ایمان کے بعد۔ اور جو شخص قرعہ نہیں
کرے گا، پس یہی لوگ ہیں بے انصاف ﴿۱۱﴾

اس سورۃ مبارکہ میں مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی انجام کو درست رکھنے
کے لیے ضابطہ بیان کیے جا چکے ہیں۔ گذشتہ درس میں چھٹا اصول یہ بیان ہوا تھا۔
کہ اگر اپنی ایمان کے دو گروہوں کے درمیان کوئی ناچاقی ہو جائے تو ان کی آپس میں
صلح کر دیا کرو اور سرکشی کرنے ٹپے کو مٹائے اور اگر یہ گروہ دو گروہ امت کے قانون کی
طرح لوٹ گئے یعنی نزاعی کرنے سے باز آجائے۔ قرآن شانہ و سعادت کو
حق و انصاف کے ساتھ سلکھاؤ۔ کیونکہ سارے لوگوں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اب
آج کی آیت میں اشارے وہ درجات بیان فرمائی ہیں جن کی بنا پر اگر ہم صبر و
پہلو ہوتے ہیں اور پھر اختلافات کو صبر پر کر اشتغال پیدا ہو سکتا ہے اور بہت جگہ

جہاں کہہ دیجیے باقی ہے ۔

تفسیر کر دیجیے
جامعیت

اب سناؤں مضابطہ مشورے یہ بیان فرمادے یا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لے
ایمان والو! الَّذِينَ آمَنُوا قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ کہل قوم دوسری قوم سے ثُمَّ تَسْمَعُ کہے
کہونکہ عَلَىٰ أَنْ يَكُونَ لَكُمْ خَيْرٌ لِّمَن تَسْمَعُ شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں تفسیر
ایسی صورت میں ہوتا ہے ۔ جب تفسیر کر لے والا دوسٹر شخص یا جماعت کو تحقیر
سمجھتا ہے اور اپنی بڑائی مقصود ہوتی ہے ۔ گویا ثُمَّ تَسْمَعُ سے دوسٹر کی تحقیر کا
پہلو نکلتا ہے ۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ بڑا عین فعل ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس
شخص یا جماعت کو تم تحقیر کا تانہ بندے ہو وہ اللہ کے نزدیک تم سے بہتر ہوں
اور تم اپنی نادانی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہو ۔ نیز فرمایا وَلَا يَسْتَأْذِنُ
مَنْ يَكْفُرْ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے مذاق کریں ۔ عَلَىٰ أَنْ يَكُونَ لَكُمْ خَيْرٌ
لِّمَن تَسْمَعُ شاید کہ تفسیر کا نشانہ بننے والی تفسیر کرنے والوں سے اللہ کے ان بہترین
عورتوں میں یہ قباحت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے کہ اپنی تو خود نادانی سمجھتی ہیں اور دوسری
عورتوں کو تحقیر سمجھتی ہیں اور پھر ان کا مذاق اڑاتی ہیں ۔ کبھی شکیلی مشورہ پہنچاتی ہوتی ہے تو
کبھی کپڑوں کی تراش خواہش پر اعتراض ہوتا ہے ، کبھی چال ڈھال میں عیب جوئی کی
جاتی ہے تو کبھی بچوں کی دیکھ بھال پر اعتراض ہوتا ہے ۔ غرضیکہ عورتوں میں یہ چیز
زیادہ پائی جاتی ہے مگر اللہ کا فرمان ہے کسی کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے سے پہلے
اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ کہیں تحقیر کا نشانہ بننے والی تحقیر کرنے والی
سے بہتر نہ ہو ۔

اس آیت کریمہ میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کے لئے قوم کا لفظ
استعمال کیا گیا ہے ۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ لغوی اعتبار سے قوم کا اطلاق مردوں
پر ہی ہوتا ہے لیکن مجازاً اس کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے ۔ بعض مواقع پر
قوم کا ذکر کر کے مرد و زن دونوں مراد دیے گئے ہیں ۔ تاہم یہاں پر وضاحت کہ
دی گئی ہے کہ قوم سے مراد صرف مرد ہیں ۔ پھر حال اللہ نے اس مقام پر مرد و زن

خوش طبعی
کی بات

کی ایک ایک اصناف کا ذکر کر کے اس فعل شیعہ کی قیامت کو مزید واضح کر دیا
تھا اور تفسیر قرآن مجید مذکور ہے کہ اس سے دوسرے کی تہلیل مقصود ہوتی ہے
آہم اگر کسی کی خوش طبعی کے لیے کوئی ایسی بات کی جائے تو اس کو مزاج کہتے ہیں۔
اور یہ چیز شریعت میں روا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہؓ نے حضور
علیہ السلام سے عرض کیا **يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنْتَ رَسُوْلُ اللَّهِ** آپ اللہ کے رسول
ہو کر ہم سے دل لگی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا **لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا** یعنی میں حق
کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ حضور علیہ السلام اپنے خادم حضرت امیرؓ کو **يَا اَبُو ذَرٍّ**
(دو کانوں والے) کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ لہذا آپ انہیں یہ تفسیر کہتے تھے مگر
حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر شخص کے دو کان ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت
امیرؓ کے کان قدسے بڑے ہوں، اس لیے کہ کان والے کہہ کر مخاطب فرماتے
تھے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بات ترجمے کے سنو، بہر حال آپ
اس قسم کا مزاج بھی فرمائیے تھے۔

اسی طرح ایک شخص نے جہاد کے لیے حضور علیہ السلام سے سواری طلب کی
تو آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کر دینگا۔ اس شخص پریشان ہو گیا اور
عرض کیا حضور! میں اونٹنی کے بچے کو سوار کیا کروں گا۔ مجھے سواری کے لیے جانور
چاہیئے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا، بھائی! بڑا اونٹ بھی تو کسی اونٹنی کا بچہ ہی
ہوتا ہے۔ یہ بھی مزاج تھا اور اس قسم کی باتیں بھی کہیں نبی علیہ السلام سے منقول ہیں۔
الغرض! مزاج ایسی چیز ہے جس سے کسی کی تفسیر و تہلیل مقصود نہیں ہوتی بلکہ خوش طبعی
اور دل لگی مطلوب ہوتی ہے۔ ترمذی شریعت کی روایت میں ہے **لَا تُكَوِّرُ رُوحَ أَخِيكَ**
وہ نہ کہہ کہ اپنے بھائی سے جھگڑا بھی نہ کرنا اور مزاج بھی نہ کرنا۔ محدثین کرام فرماتے
ہیں کہ **يَا تَمَّامُ** تفسیر تو حرام ہے اور بعض اے مگر وہ تحریر بھی کہتے ہیں، لیکن مزاج جائز
ہے بشرطیکہ حدود کے اندر ہو۔ سورۃ بقرہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ
میں آتا ہے کہ جب ایک آدمی قتل ہو گیا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ ایک گئے

فج کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اس مقتول کو بادقویہ زندہ ہو کر قاتل کی نشاندہی کرنے لگا۔ اس پر لوگ کہنے لگے اَلَمْ نَجِدْكَ يٰ اٰدَمُ ذَاکِیْ اَپ مِّنْ شَاۡمِ کہتے ہیں: تو مومن علیہ السلام نے جواب دیا اَعُوْذُ بِاَللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْغٰیِبِیْنَ (آیت ۶۷) پناہ بخدا اگر میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ مطلب یہ کہ ٹھکانا تو جاہلوں کا کام ہے، میں اللہ کا نبی ہو کر ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں آتا ہے لَوْ سَخَرْتُ بِاَلْغُلَبِ خَشِیْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلًا اَگَر میں کسی کتے کے ساتھ ہی ٹھکانوں قبضے ڈالے کہ خدا چاہے کتا ہی نہ بلے۔ ٹھٹھے مذاق سے نفرت پیدا ہوتی ہے، پھر سخاوت پیدا ہوتی ہے اور شرابی تک قربت پہنچ جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ زمرہ مردوں کے ساتھ ٹھکان کریں اور عورتیں عورتوں کے ساتھ۔

عجیب جہن
کی مخالفت

آگے اللہ نے اللہ کی غلطی پر بیان فرمایا ہے وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ سَوَآءٌ تَنَابَذُوْا بِالْاَلْمَآءِ اور نزدیک دوسرے پر عجیب لگاؤ اور نہ ہی بڑے العاب سے یاد کرو۔ لَمِنْ کاحسن عجیب لگانا ہو کہ جیسے سورۃ الہنۃ میں فرمایا وَقَدْ رَکِبَکَ هُمَزَةٌ لُّعُنَةٌ (آیت ۱۰) خرابی ہے ہر مہر پشتِ نبیت کھٹے دانے کے لیے اور سلتے طعنہ ٹیپ دانے کے لیے۔ طعنہ زنی آنکھوں کے اشاروں سے بھی ہوتی ہے اور لہجہ، پاؤں، سر یا دیگر اعضاء کے اشاروں سے بھی جب کہ ہمزہ یعنی غیبت صرف زبان کے ساتھ ہوتی ہے۔ طعنہ زنی کی مثال حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ بعض خواتین نے ہاتھ کے اشارے سے ام المومنین حضرت صفیہؓ کے بارے میں کہا کہ یہ تو اتنی پست قدم ہے۔ جب اس واقعہ کا حضور علیہ السلام کو پتہ چلا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے ایسی غلط بات کی ہے کہ اگر یہ تمام سمندروں میں ڈال دی جائے تو سارے کے سارے کڑھے ہو جائیں گی۔ یہ سخت سخاوت کی بات ہے۔ ایک اور موقع پر کسی نے حضرت صفیہؓ کو طعن کیا کہ یہ جودی کی بیٹی ہے۔ حضرت صفیہؓ نے اس بات کی شکایت حضور علیہ السلام سے

ی تو آپ نے فرمایا، ایسا کہنے والی بہت بڑا کرتی ہیں۔ انہیں کس بات پر فخر ہے ؟
 پھر فرمایا، صغیفہ! اگر کوئی ایسی بات کہے تو تم کہہ دیا کرو کہ میرا آپ بنو تا رہی
 ہو علی علیہ السلام! میری بی بی تھا رہی! اور علیہ السلام! اور میرا غولہ! اشتراکی ہے۔
 پھر تم مجھ پر کس بات میں فخر کرتی ہو۔ حضرت صغیفہ نے اپنی خوش خاطر سے اس کو
 قبول کیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح کیا۔ اشتراک ہی کو اہل فخر
 ہونے کا شرف بخشا، تو اُن پر طعن کن! کس قدر بڑی بات ہے۔

حرزی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو
 کافر، فاسق یا یہودی وغیرہ کہے تو اسے پکڑ کر عدالت میں لے جاؤ۔ جرم ثابت
 ہونے پر اس کی عدالت مجرم کو جیل میں دے مارنے کی سزا دے گی۔ یہ حال ایسے
 القاب بھی جائز نہیں جن میں دوسرے شخص کے لیے عیب پایا جائے۔ لہذا کسی
 کو بڑے لقب سے صحت یا ذکر نہ۔ ان بعض تعارفی نام سے کہہ سکتا ہے۔
 بعض آدمی کسی عیب کی وجہ سے مشہور ہو جاتے ہیں مثلاً لنگڑا، اٹھارہ یا گنہا وکیل
 وغیرہ۔ حدیث میں آنحضرت (ﷺ) یا آنحضرت (ﷺ) کے الفاظ بھی
 آتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت (ﷺ) کا لفظ بھی آتا ہے۔ یہ تعارفی نام مشہور ہو
 جاتے ہیں اور ایسا نام لینے میں بچان تصور ہوتی ہے نہ کہ عداوت۔ اور جہاں
 تذلیل و عداوت مقصود ہوگی وہاں ایسا نام لینا ناجائز ہوگا۔ اشتراک اُن کی مماثلت
 فرمائی ہے۔

اسی طرح کسی کی نقابی کر کے تحقیر کرنا بھی ناجائز ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ
 ہے کہ ہمارا سامعہ شریفہ نقالی پر مبنی ہے۔ آج نقیلیں اس نے کرفن کا درجہ لے لیا
 گیا ہے۔ فعلی اور کاروں کی ساری نقالی (کلیک) فن کوئی ہے۔ اسی طرح کاروں
 ساری بھی نقالی ہے۔ جس سے تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔ مگر اظہارِ عیب میں اس
 کو عیب نہیں سمجھا جاتا۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کا بھی کاروں شائع کرنا یا جانے
 تو کاروں کے کا کچھ نہیں بلکہ کیونکہ اسے معاشرتی اور قانونی تحفظ حاصل ہے۔ مگر

اشتر کے قانون میں یہ عجیب ہے کہ اگر اس سے تھوڑے تھوڑے ہر آتے ہے ۔

اشتر کہتا ہے یَقْتَنُ الْإِمَامُ الْمُسَوِّقَ تَقْدِيرُ يَتَعَانِ اِيمان کے بعد فتنے کا نام بہت ہی بڑا ہے ۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کے کام کرنا تو جاہلیت کے لانے کی باتیں ہیں ۔ جب ایمان قبول کر لیا ہے تو پھر کسی کے ساتھ ٹھٹھا تو نہ کرنا ، پھرے انتقامات سے باز کرنا کسی کی عیب جوئی کرنا اور تعالٰیٰ کرنا تو گرافاشی و فتنہ ہے ایمان تو بڑی عزت والا نام ہے ۔ ایک ایسا غار آدمی پر فتنے کا اطلاق بہت ہی بُری چیز ہے ۔ اس سے بچنا چاہیے اور کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے آدمی فاسق بننا ہو ۔ فرمایا اس قسم کے کام کرنے اور فاسق بننے کے بعد وَتَقْتَنُ الْغَرِيبُ جو تو رہ نہیں کرے گا ایسی حرکات سے باز نہیں آئے گا ۔ مَسْرُوبًا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ میں لوگ اشتر تعالیٰ کے نزدیک ظالم اور بے نصابت ہیں ۔ یہ ضرور اشتر کی گرفت میں آئیں گے ۔ ہاں اگر ٹھٹھا تو نہ کرنا اور عیب جوئی نہ کرنے کے بعد تو یہ کوئی آئندہ کے لیے ایسا کام نہ کرنے کا پختہ حد کیا ۔ تو ایسا شخص اشتر کی گرفت سے بچ جائے گا اور نہ سزا کا مستحق ٹھہرے گا ۔

ختم ۲۶
درس ششم ۶

المجلد ۲۹
آیت ۱۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! بچتے رہو بہت سی جگہوں سے، بیشک بعض گمان گناہ سمیتے ہیں اور نہ جھجھکو دوس کے راز کی، اور نہ غیبت کریں تم میں سے بعض بعض کی، کیا تم پسند کرتے ہو کہ کھائے کوئی اپنے مرہ جانی کا گوشت؟ پس تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے، بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور

مہربان ہے ﴿۱۲﴾

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے انفرادی اور اجتماعی نظام کی کدستی کے لیے بعض ایسے قوانین وضع فرمائے ہیں جن پر علماء کد سے شرعی زندگی امن و امان اور خوشگوار طریقے سے بسر ہو سکتی ہے۔ بخدا ان ضوابط کے گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو ٹٹا اور تسخر کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کو ٹٹا کیا جا رہا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک ٹٹا کھنے والوں سے بہتر ہوں۔ اسی طرح اللہ نے ایک دوسرے کی عیب جوئی اور بڑے العاب کے ساتھ پکڑنے سے بھی منع فرمایا۔ کیونکہ یہ چیزیں نافرمانی کی تعریف میں آتی ہیں جس کی وجہ سے آپس میں نفرت کے جذبات ابھرتے ہیں، جھگڑنے

تائزے کھڑے ہوتے ہیں اور پھر سو سالی کا نظام درجہ برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ایمان لانے کے بعد فسق کا ارتکاب بہت جلدی بات ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ نیز فرمایا کہ جو لوگ ان باتوں کا ارتکاب کر کے پھر قوم میں نہیں گھومیں گے تو ان کا شمار صالحوں میں ہوگا اور وہ سزا کے مستحق بن جائیں گے۔

برگانی کی ممانعت

اب آج کی آیت کریمہ میں اللہ نے تین مزید ضابطے بیان فرمائیں جن پر عملدرآمد سے پرہیز فرمائی اور اجتماعی نظام درست ہو سکتا ہے، اور اس پر سلطنت غرض اسلوبی سے انجام دیے جاسکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنْ ذُنُوبِكُمْ إِنَّا نَعْلَمُ كَثِيرًا مِّنْ ذُنُوبِكُمْ إِن تَتَذَكَّرُوا لَكُمْ خَيْرٌ مِّنْ إِن تَذَكَّرُوا۔ یعنی ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو، کیونکہ ان بعض الذنوب (ایسا) بعض بدگمانیاں گناہ میں داخل ہیں۔ حضور قرآن امام ابو بکر جصاصؓ لکھتے ہیں کہ گناہ کن قسم کا ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی بدگمانی کا شمار ہوتا، حرام اور ممنوع ہے، اور اللہ کے متعلق اچھا گمان رکھنا ہر زمان کا فرض ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا فرمایا ہے لَا يَمُوتُ تَوَكُّؤُكُمْ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللَّذِينَ قَبْلَهُ تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا گمان رکھتا ہو۔ حدیث قدسی میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَنَا بَعْدُ خَلْقِي عَبْدِي فِي مِثْلِ بَيْتِي میں تمہارے گناہ کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر میرا بندہ میرے متعلق اچھا گمان رکھتا ہے تو وہ میرے گھر میں بھی رہتا گا اور اگر برا گمان رکھتا ہے تو یہ اسی کے لیے وبال جان ہوگا۔

حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی سہرا یا کلمہ وَالظَّنُّ أَنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْكَلِمَةِ اپنے آپ کو برگانی سے بچاؤ کیونکہ کلمہ غلطی جھوٹ ترین بات ہوتی ہے جو سب کچھ مسلمان کے خلاف بھی جائز نہیں جس شخص کی ظاہری حالت اچھی ہو اس کے نفوس بدوہہ برگانی رکھنا ممنوع ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو اپنے بھائی کے ہر شخص غلطی ہی گناہ چاہے کچھ بڑا ہو نہ ہو بعض لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر حضرت عائشہؓ کی قرآنی کے لیے اللہ کی قسم لگائی لَوْ لَا رَأَيْتُمْ مَعْمُوهُ مَطْلَبُ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ وَخَيْرًا (المائدہ ۱۲۰) جب تم نے ایسی بات سنی تھی تو عرومن مرڈوں، اور عورتیں عورتوں نے

پٹنے والوں میں نیک لگائی گئیں نہ کیا۔ بہر حال ہر مصلح کے بارے میں اچھا لگان رکھنا مستحب ہے۔

عام القریٰ جو سامن فرماتے ہیں کہ بعض لگان جائز بھی ہیں، مثلاً اگر کسی شخص کو نماز کے دوران رکعات کی تعداد میں شک پڑ جائے تو نئے نئے غائب پر عمل کرنا ہوتا ہے اگر اس کے غائب لگان میں تین رکعات پڑھی ہیں تو اس کے مطابق نماز پوری کرے یا اگر سمجھتا ہے کہ چاروں رکعتیں ہو گئیں ہیں تو اس کے مطابق عمل کرے، اسی طرح فروعات میں جس مصلح میں قرآن، سنت یا اجماع صحابہ کے ذریعے صحت نہ ہو۔ وہاں پر ائمہ مجتہدین اجماع کے ذریعے مسئلہ کا حل پیش کرتے ہیں۔ اور یہ بھی نیک لگان ہی ہوتا ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ بہر حال لگان کی بہت سی قسمیں ہیں۔ دانشور نے عام بدگمانی کی ممانعت فرمائی ہے کیونکہ جب کسی کے متعلق بدگمانی پیدا ہوتی ہے تو پھر غلط بیانی، اتہام اور محابضت کا دور شروع ہو جاتا ہے برائی سامنے آتی ہے، اکثر دریاں ظلم ہو جاتی ہیں اور پھر طائف میں آخرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اے ایمان والو! بدگمانی سے بچنے دو یا یہ نون ضابطہ ہو گیا۔

اب رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا وَلَا تَجَسَّسُوا اور نجس نہ کرو یعنی کسی کے عیب کی ٹہ نہ لگھکتے پھر کوئی نہ کسی کا راز کھول کر نہ پھرتے غاش کو دینا بہت بُری بات ہے۔ اس سے دلوں میں گھینہ، نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے جس کا نتیجہ جنگ و جدل کی صورت میں نکلتا ہے۔ اسی لیے سعدی علیہ السلام نے کہا ہے کہ جو چیز ظاہری طور پر سامنے آئے گی، اسی کا اعتبار کیا جائے گا، کسی کو یہ حق نہیں پہنچا کہ وہ اندرونِ خانہ کسی کا کھونٹ لگا آپھرے۔ تھادی کا مقولہ بھی ہے ما اندرون خانہ محتسب را پر کارِ میں کو قوال کو اندرونِ خانہ امور سے کیا سروکار ہو سکتا ہے؟ اُسے تو ظاہری حالات کے مطابق ہی مؤائدہ کرنا چاہیئے ایسا اُردو شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا

نجس کی
ممانعت

گیا اور کہا گیا کہ اس کی ڈالھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا
 ہیں کسی کے مجید ٹوٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر ہمارے مدینے کوئی چیز بڑھ رہی ہوگی۔
 تو ہم اس پر پھینکتے ہیں۔ بہر حال کسی کے عیوب کا کھوج لگانے سے منع کیا گیا ہے۔
 آگے اسٹرنے لگے۔ ہوں ملاحظہ غیبت سے متعلق بیان فرمایا ہے۔ غیبت لہذا فی
 سوانحی میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم مِّنْ
 بَعْضٍ اور تم میں سے بعض لوگ بعض دوسرے لوگوں کی غیبت نہ کریں۔ حدیث
 شریفین میں غیبت کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے ذَكَرْتُكَ أَخَاكَ بِحَايَةٍ كُنْ
 مَعْنَى تَوَسُّطِ مَبَائِثِ كَيْفَ تَسْلُقُ اس کی غیر حاضری میں ایسی بات کرے جس کو وہ ناپسند
 کرتا ہو۔ پوچھنے لگے نے پوچھا کہ حضور! اگر وہ عیب یا خامی واقعی اُس میں پائی
 جاتی ہو تو پھر بھی یہ غیبت ہوگی؟ آپ نے فرمایا یہی تو غیبت ہے کہ کسی میں کوئی
 خامی پائی جاتی ہو اور تو اُس کا ذکر اُس کی غیر حاضری میں کرے۔ اور اگر وہ عیب اُس
 میں نہیں پایا جاتا اور تو اُس کی بیاں کرتا ہے تو پھر تو یہ بے بنیاد شہادہ غیبت سے
 بھی بزرگ ہے۔ ابو داؤد شریف کی حدیث میں منافقین کی مذمت (ان الفاظ
 میں کی گئی ہے۔

يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بَلْ كَانُوا كُفَرًا
 يَدْخُلُ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِهِمْ لَا تَقْبَلُوا
 الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَقْبَلُوا عَنْهُمْ قِصَمَ
 الْإِيمَانِ مِنْ أَجْلِ عَوْرَتِهِمْ يَقْبَحُ
 اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَبْغِ اللَّهَ
 عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي يَمِينِهِ
 (ابو داؤد)

اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور
 ایمان ابھی اُن کے دلوں میں نہیں آ رہا ہے
 مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو۔ اور اُن کے
 پوشیدہ عیبوں کے نیچے نہ پڑا کرو و کیونکہ
 جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اُس کے
 ساتھ لیا ہی ہوگا۔ اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ
 کا معاملہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اُس
 کو اُن کی گھٹری میں ہی ڈال کر دے گا۔

حضور علیہ السلام نے صحابہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گھر میرے

لوگوں پر ہوا جس کے اخلاقی لحاظ سے تھے اور وہ لوگ اپنی ہانوں کے ساتھ اپنے چہروں کو اٹھاتے تھے۔ میں نے میری ہوا کو جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ کون لوگ ہیں، انہوں نے بتایا اَهُؤْلاَئِکَ الَّذِیْنَ یَاْکْفُرُوْنَ اَلْکُوْمُرَاتِیْنَ (موجودہ) کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھا یا کرتے تھے یعنی غیبت کیا کرتے تھے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ غیبت اس قدر گناہنا جرم ہے کہ کسی چھوٹے بچے یا اکل اکافرا آدمی کے خلاف بھی نہیں ہونا چاہیے۔ غیبت کلام کے ساتھ بھی ہوتی ہے، اشارے کے ساتھ بھی اور فعل کے ساتھ بھی۔ کوئی شخص زبان سے توفیبت نہیں کرتا، مگر کسی دیگر کے فعل اشارے سے اگر اس کی تحقیر برآوردہ ہو غیبت میں داخل ہے۔ آنکھوں کے اشاروں سے بھی تحقیر کی جاتی ہے اور یہ بھی غیبت ہے جیسے سورۃ المطففین میں فرمایا وَإِنَّمَا مَثَرُ مُبْدِئِکَ نَفْثٌ مِّنْ مَّوَدٍ (آیت ۲۲) جب آسمان حال کفار و مشرکین غریب اہل ایمان کے پاس سے گزرتے تو آنکھوں کے اشاروں سے ان کی تحقیر کرتے کہ دیکھو یہ جنت کے وال جا رہے ہیں۔ بچے پرانے کپڑے، چمچہ پر مردہ مگر پٹے آپ کو جنت کے حوروں کے غامدہ کہتے ہیں۔ غریب کی یہ چیز بھی غیبت میں داخل ہے۔ جہاں تک عیب ہوئی کا تعلق ہے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چوری، بدکاری یا شراب نوشی جیسے جرم میں مبتلا تھا، مگر بعد میں تائب ہو گیا تو پھر اسی کو عیب اور لقب سے یاد کرنا اور نہیں کہ یہ عیب جوئی میں شمار ہو گا۔ اُن اگر کوئی شخص مصیبت پر امراض کو رہے تو اس کا معاملہ غفلت ہے۔

بعض اہل علم

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مناسب ہر ایک درخواست پر مست اور بدعات کے موجب لوگوں کی بانی کو غلام کرنا غیبت نہیں بلکہ یہ ضروریات دین میں شامل ہے حدیث کے راویوں پر عین اگر ناہم غیبت میں کہہ دے اس سے دین انتہا اور شریعت کی مخالفت مطلوب ہوتی ہے۔ امام حسن بصریؒ نے بھی فرمایا کہ بدعتی کی بدعت کو ظاہر کرنا غیبت میں شمار نہیں ہوتا، مگر کوئی ناخاک آدمی علی الاطلاق غیبت کی بات کر رہا ہے، یہ

سے کہتا بھی نہیں کراؤں کی برائی کا اظہار بھی جانتا ہے۔ اسی طرح حب کوئی معتدبر عدالت میں پیش کیا جائے تو درجہ دہائے برحق بل کے عیوب نقصان تحریری یا زبانی طور پر پیش کر سکتا ہے۔ کیونکہ ایسی چیزوں کا اظہار حصول انصاف کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ بھی غیبت کے دائرہ میں نہیں آتا۔ اگر کوئی شخص دوسرے شخص سے مشورہ طلب کرے تو مشورہ دینے والا حقیقت کے اظہار کے طور پر عیب دہی بات کو ظاہر کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت ابوسفیانؓ گذری حضرت ہندہؓ نے حضور علیہ السلام کے پاس شکایت کی کہ میرا خاوند بڑا گھوس آدمی ہے، مجھے خرچ بھی پورا نہیں دیتا اگر میں اس کے مال میں سے اس کے علم کے بغیر حسب ضرورت کچھ لوں میں سے میری اور میرے بچوں کی کفالت ہو سکے گی کیا یہ جائز ہے یا آپ نے فرمایا میں پروردگار سے۔ اور یہ چیز غیبت میں شمار نہیں ہوتی۔

ایک صحابیہ لاطمہ بنت قیسؓ کو اس کے خاوند نے طلاق دی جس کے بعد عدت بھی گزر گئی۔ اس عدت نے حضور علیہ السلام سے مشورہ طلب کیا کہ نکل نکلیں آدمی نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے، اس مسئلہ میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ انی اشخاص میں سے ایک معاویہؓ بھی گئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **وَأَمَّا مَعَاوِيَةُ فَصَفْهُ لَنَا** لَاحَالًا لَّهٗ مَعَاوِيَةُ تَوَكَّلْ أَدَمِي ہے اس کے پاس کوئی مال بھی نہیں ہے تمہارے لیے یہ رفتہ روزی نہیں ہے۔ اسی طرح ابو جہمؓ بھی گئے اس نے بھی نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ اس کے متعلق آپ علیہ السلام نے فرمایا: **أَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَهَذَا يَتَعَاطَى عَصَاهُ عَنْ مِرْقَتِهِ يَأْخُذُ بِأُضْرَابِ بَلْبَتِ ابْنِ ابِجَهْمٍ تَوَكَّلْ** اس ہے۔ اس کی لاشی بہر وقت اس کے کندھے پر رہتی ہے جس سے وہ گردن کو مارا ہے۔ اس سے بھی تمہیں تکلیف پہنچے گا خدا شر ہے میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم اسلام ہی نہ دے گئے نکاح کرو۔ اسادہؓ اگرچہ رنگ کے مارے تھے مگر ان میں بہت سی خیریاں بھی پائی جاتی تھیں۔ ترقی طلبہ نے بارگاہِ نثار حضرت اسادہؓ کو قبول کر لیا۔ مگر بعد میں ان کا کردار حالت قابل رشک تھی، مجھے اسادہؓ کے پاس بڑا سکھ سپنا۔ اللہ نے اولاد بھی صلاح

عطا فرمائی۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ مشورہ دیتے وقت کسی کے عیب کا اظہار یا ظلم کے حکم سے بچنے کے لیے اس کی غلطی بیان کرنا بھی غیبت میں شمار نہیں ہوتا۔

بہر حال اللہ کے عام حالات میں غیبت کرنے سے سخت احتیاط کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ دیکھو الْغَيْبُ لَكُمْ كُفْرًا اَوْ نِيَّا حُكْلٍ لَّكُمْ اَوْ يَتَّبِعُ مِتًا فَمَنْ هُتِمَ مَوْلَاكُمْ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے یا بہرے کرتا ہے اس سے کہ گھبت ہی کرو گے۔ مطلب یہ کہ غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ مردہ سے تو ایسے ہی انسان کی نفرت ہوتی ہے جیسا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے۔ امام جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر میں امام ابن الفرس کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منظر کی حالت میں اگرچہ مردہ کا گوشت مباح ہو جاتا ہے مگر انسان کا گوشت ایسے حالت میں بھی نہیں کھانا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتا، اسی طرح کسی کی غیبت بھی نہیں کرنی چاہیے۔ امام بیہقی نے غیبت کا کفارہ یہ دیکھا کہ ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِاٰلِہٖ وَسَلٰمِہٖ جس بھی معاف فرما اور جن کی غیبت کی گئی ہے اس کی غلطیوں سے بھی درگزر فرما۔

فرمایا وَاتَّقُوا لِلّٰہِ الشَّرَّ تَعَالٰی سے ڈرتے رہو۔ اِنَّ اللّٰہَ کَتَّابٌ رَّحِیْمٌ یہ شک اللہ تعالیٰ تو بہ قول کرنا والا اور نہایت مہربان ہے۔ اگر کوئی شخص غلطی کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی جوش میں آجاتی ہے اور اس کی غلطی معاف ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص غیبت کا ارتکاب کر رہا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے اور آئندہ کے لیے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

مردہ بھائی
کا گوشت
کھانا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَىٰ
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: اے لوگو! بیشک ہم نے پیدا کیا تم کو ایک
مرد اور ایک عورت سے، اور بنائے ہیں ہم نے تمہارے
بے شوب اور قبیلے تم کو تم آپس میں متعارف ہو
سکو بیشک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کے
نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے بیشک ہر شے کا
سب کچھ جانتے والا ہے اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا

ہے ﴿۱۳﴾

ربط آیت

اب تک گیارہ اصول بیان ہو چکے ہیں جو دنیا فی معاشرہ کی کدھنگی کے
لیے ضروری ہیں۔ ان اصولوں پر عمل کرنے سے جھگڑے، تنازعات اور اختلافات
نہیں پیدا ہوتے اور جہتی اور کئی نظم و نسق خوش اسلوبی سے قائم رہتا ہے۔ یہ
مضامین اس طرح بیان کیے گئے ہیں (۱) اللہ اور اس کے رسول کے علم سے کئے
ذرا بڑھو۔ (۲) ہر حالت میں اللہ سے روبرو۔ (۳) پیغمبر اسلام کی آواز سے اپنی آواز نہ
کرنے نہ کرو۔ (۴) آوازوں کی بہت رکھنا حصول تقویٰ کا ذریعہ ہے۔ (۵) ہر ذاتی
کا خیر کی تحقیق کر لیا کرو۔ (۶) کونوں کے دو گروہوں کے درمیان لگے تنازعہ ہو جائے
تو صلح کر لیا کرو۔ (۷) ایک دوسرے سے ہنسی مذاق نہ کیا کرو۔ (۸) ایک دوسرے
کا عیب چوٹی نہ کرو اور بڑے القاب سے ایک دوسرے کو نہ پکارو۔ (۹) بگوانی
سے بچنے رہو۔ (۱۰) تجسس نہ کرو۔ (۱۱) غیبت نہ کرو۔ اب آج کی آیت

میں بارہویں اصول یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ قبیلے، خاندان، برادری اور ملک و نسل کی بناء پر ایک دوسرے پر غرور نہ کرو۔ بلکہ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

ارشاد ہے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَكُمْ دِينٌ** (اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَنَحْنُ بِذُنُوبِكُمْ مُشْفِقُونَ) انسان خولہ کسی رنگ اور نسل کے ہوں، کسی ملک کے رہنے والے ہوں، یا کوئی زبان بولتے ہوں، وہ سارے کے سارے ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی اولاد میں۔ سورۃ النساء کی ابتدائی آیت میں اللہ کا فرمان ہے، کہ **لَكُمْ دِينٌ** اللہ تعالیٰ سے ڈرو **جَاوَزَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاجِدَةٍ** جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا یعنی آدم علیہ السلام سے پہلے آدم علیہ السلام سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر اُس جوڑے سے ساری نسل انسانی کو تخلیق کیا۔ یہ نسل آئندہ جس کا قیام قیامت پہنچتی ہی رہے گی۔ سورۃ الملک میں فرمایا **هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ** (آیت ۲۴) خدا کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا، اور پھر تم اُس کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔ اب کوئی یہ نہ کہے یا چٹان، مغل بنے یا حدیقلی فاروقی وغیرہ مگر حقیقت میں یہ سب ایک ہی جوڑے کی اولاد ہیں۔

اس سے کوئی باطل مذہب کی تردید ہوتی ہے۔ خطہ ہندو چار ذاتوں کے قائل ہیں جن میں سے بعض کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور بعض کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق برہمن برہما جی کے منہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ باعزت ہیں اور شودر اُس کے پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے حقیر ہیں۔ اس طرح انہوں نے نسل انسانی کو چار ذاتوں میں برہمن، کستری، ویش اور شودر میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ان کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ انسان ایک ایک جوڑے سے ایک ایک کر کے پیدا نہیں ہوئے بلکہ سب سے کائنات پیدا ہوئی ہے ہر شخص

نسل انسانی
کی تخلیق

دور ہیں اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو ایک وقت پیدا کرتا ہے اور پھر ان میں سے چار کو منتخب کر کے چار چھینے دیتا ہے۔ یہ نظریہ بھی غلط ہے، اور صحیح بات یہی ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوئی ہے۔

اس معاملہ میں ڈاکوؤں کی تفسیری بھی غلط ہے۔ کچھلی صدی کے اس مفسر نے یہ ثابت کر نیکی کوشش کی تھی کہ انسان ابتدا میں بندہ رہتا ہے۔ پھر حرقی کرتے کرتے انسان بن گئے۔ اس نظریہ کی تردید یورپی سائنس دانوں نے بھی کی ہے۔ اسی ڈاکوؤں کے نظریہ کو رد کرتے بھی اختیار کیا ہے، وہ بھی کہتے ہیں کہ انسان ایک نہیں تھا بلکہ سب سے پہلے پوری کرپ انسان پیدا ہوئی تھی۔ یہ شخص کوئی فہم پرانہ آدمی نہیں تھا بلکہ محض قوم چلانے کا عادی تھا، جو ذہن میں آیا نکھر دیا۔ اس نے قرآن کی تفسیر کے نام پر بھی گمراہی کی بہت سی باتیں چلائی ہیں جو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔

فرما لو اگر ہم نے قصیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا تو جنکے کچھ شعوبہ قبا کیے اور پھر قصے شعوب اور قبائل یمن چھوٹے اور بڑے قبیلے بنا دیے۔ شعوب شعب کی جمع ہے جس کا معنی بڑا قبیلہ ہے، اور پھر اس کے نیچے بہت سی شاخیں نکلتی ہیں۔ شعب کے نیچے قبیلہ آتس، پھر عمار، پھر قحط، پھر بطن، پھر قبیلہ، پھر شمرہ اور پھر ماکو جس سے مراد ایک خاندان یا قبیلہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا یہ خاندان اور قبیلہ ہم نے اس لیے نہیں بنائے کہ تم اس قبیلے کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرو۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم کو ملے گا کہ تم آپس میں تعارف ہو کر بھی ایک دوسرے کو پہچان سکو کہ یہ فلاں قبیلے کا آدمی ہے اور یہ فلاں خاندان کا فرد ہے۔ جب لوگ قبیلے کی بنا پر اپنے آپ کو بعض دوسروں پر فوقیت لینے لگتے ہیں، تو دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ ان سے کتنی تسبیح کرتے ہیں، عیب جوئی کرتے ہیں اور پھر کڑائیاں جھگڑائے شروع ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ ہم نے یہ تفسیر قبا کی محض تعارف کے لیے بنائی ہے۔ اس سے غلط مطلب نہیں لینا چاہیے۔

شعوبہ
قبا

بعض خاندانوں کو اللہ نے ان کے بعض خصائل کی وجہ سے خود شرف بخشا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوح انسان میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو منتخب فرمایا۔ پھر اس میں سے قریش کو اور پھر قریش میں بنو ہاشم کو منتخب کر کے ان میں سے بکے منتخب فرمایا۔ اس انتخاب کی وجہ سے وہ خاص ضرورتوں میں جو وہ سب کو خاندانوں میں نہیں پائی جاتیں، سیرت نگارانہ طور پر لکھتے ہیں اور یہ چیز احادیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام سے دیکھو حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پر لکھنا۔ نسب انکل ایک کتاب ہے اور میں جو کتاب کی کوئی لکھائی تیس ہے یہ ضرورت ہے جس کی وجہ سے آپ کے خاندان کو دیگر خاندانوں پر شرف حاصل ہے۔ مثلاً اس شرف کا حاصل یہ ہونا چاہیے کہ اس خاندان کے لوگ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں، ان کو دوسروں کو خیر سمجھیں، حقیقت میں تمام شعوب اور قبائل کی جڑ بنیاد تو ایک مرد اور ایک عورت ہی ہیں لہذا کسی کو رد انہیں کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں کمزور کا اعلان کرے۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جب کوئی شخص ان کی تعریف کرتا کہ آپ حضور علیہ السلام کے اہل بیت میں سے ہیں تو آپ نہایت عاجزی کے ساتھ جواب دیتے کہ یہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس خاندان میں پیدا فرمایا ہے۔

مگر میں کوئی دینی نہیں کرتا کیونکہ اگر قیامت تک وہ حضور علیہ السلام نے پوچھ لیا کہ اللہ نے تمہیں جو شرف بخشا تھا تو اسے اسے قائم کیوں نہ رکھا یعنی بنی نوح انسان کی خدمت کیوں نہیں کی تو میرے پاس کیا جواب ہوگا؟ میں تو بہت خسران مند ہوں۔ اسی سلسلے میں صحیح احادیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے تَعْلَمُوا أَنِّي أَنَا بَكْرُ تَعَالَى لَوْ كُنَّا بِهَذَا مَكْتَرٌ لَفُتِنَا سَبْعِينَ أَلْفَ سَنَةً قَبْلَ أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِمُحَمَّدٍ سَلَامٌ۔ خاندان سے تعلق تو محض تعداد تعداد ہے۔ اگر آپ کے دود کے کشتے تار ہیں تو ان کا تم پر اخلاقی حق ہوگا، اور اگر قریبی رشتہ دار ہیں تو رشتہ میں ان کا حق پہچانا ضروری ہے۔ نیز تکلیف خود پریشانی میں ان کی مالی، اخلاقی اور جہانی مدد بھی کرنا لازمی ہے۔ صدر عالمی ایک ایسا نکل ہے جس کے ذریعے خاندان میں

محبت پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے خدا تعالیٰ مال میں اضافہ فرماتا ہے یہی چیز انسانی کے آثار کو درست رکھ قائم رکھتی ہے۔ نیک نامی اور عزت بھی صلہ رحمی کے فدیے سے حاصل ہوتی ہے۔

فخر کرنے
کی طاقت

حضرت حذیفہؓ کی روایت میں آنسے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا
 كَلَّمَكَ رَبُّكَ اَدَمَ وَاَدَمَ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ سَبَّ اَدَمَ عَلَيَّ السَّلَامُ
 کی اولاد پر اور ان کو اللہ نے مٹی سے پیدا فرمایا لہذا ایسے تمہیں اقوام یقیناً جو وہ
 پاناؤ دیکھ جو لوگ اپنے اباؤ اجداد پر فخر کرتے ہیں وہ اس حرکت سے باز آجائیں۔
 بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ اپنے اباؤ اجداد کے ساتھ فخر کرنا ترک
 کر دیں جو جنس کے گوشے بنے ہوئے ہیں، وگرنہ لیک کُوْنُ نُنْ اَهْوَنَ عَلَيَّ اللّٰهُ
 مِنَ الْجَنَّةِ الَّذِي يَنْدُ هُدًى لِّلْخَيْرِ لَوْ بَايَعْتُمْ يَهْ سُبْحَانَكَ اَمْسِ کالے کپڑے سے
 بھی ذیل ہوں گے جو غفلت کی گریبان بنا کر اپنی ناک کے ساتھ لڑھکیا ہے
 دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ لَا تَفْخَرُوا
 بِعَشْرِكُمْ عَلٰی بَعْضِیْنِ تَمَّ مِنْ سَبْعِیْنِ دُوسروں پر فخر نہ کریں، بلکہ ہمیشہ تواضع
 اور انکسار کی کو اختیار کرو۔ صحیح روایت میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی موجود ہے
 کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے
 دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے، لہذا تمہارا فرض ہے اللہ کی رضا کے خلاف
 دل میں بھی کوئی بات نہ لاؤ۔ وہ تمہارا عقیدے اخلاص اور نیت کو دیکھتا ہے
 کہ وہ کیسے ہیں صورت اعمال کی قسم کے انجام سے ہے۔ انسان کا شرف فعل
 اور خاندان کی بناء پر نہیں بلکہ عقیدے اور عمل کی بناء پر ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حسب سے سوسائٹی کا تعلق ہوتا ہے
 بعض آدمی سوسائٹی کے اعتبار سے بلند جگہ جاتے ہیں۔ حسب مال سے پیدا
 ہوتا ہے جب کہ شرف اور بزرگی تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر انسان میں تقویٰ
 موجود ہے تو اسے عزت اور تحریم بھی حاصل ہے۔ جب کہ فخر پر از حضور علیہ السلام

نے فنی تعارف کے خاتمے کے لیے حضرت جلال کو اذہن فیض کا حکم دیا، بعض مشرکوں کے لیے یہ بڑا گھوڑا گزندہ اگر جلال نے جتنی نسل کا ہرگز فنا کبھی کی چھت پر چڑھ کر اذہن فیض کا۔
 بعض مشرکوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اچھا ہر امیر لاپ مر گیا ہے ورنہ وہ یہاں تک
 منظر نہ دیکھ سکتا۔ بعض نے کہا، خاموش رہو، اللہ تعالیٰ ہماری اس حالت کو ضرور ظہر
 کرے گا۔ بہر حال جب جلال نے اذہن فیض کی توجہ ضرور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت
 فرمائی **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ**۔۔۔ (الذیہ اذہن موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے غلیظ یہی ارشاد فرمایا **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ غُبَيْتَ
 الْجَاهِلِيَّةِ وَقَطَّعَهَا يَابَلَّوْهَا لَوْ كَرِهَ الْغَافِلُونَ** ! بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت
 کے زمانہ کی عورت کو دور کر دیا ہے اور آباؤ اجداد کے نام سے شوکت و غرور کو بھی ختم
 کر دیا ہے۔

نگاہِ فنی
سکھائی

اب دوسرے کے رنگ ہوں گے بنگلہ بنگی، نیک اور حق، اَوْ قَالُوا سَقِي حَقَّ
 حَقِّكَ اللَّهُ يَا مَعْزُومُ بِنْتِ ہوں گے جو خدا تعالیٰ کے سامنے دلیل ہوں گے۔ آپ کے
 یہ بھی ارشاد فرمایا **النَّاسُ بَنُوا دَائِمٌ** تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ وَ
خَلَقُوا دَائِمٌ میت، مُکْرَب اور آدم علیہ السلام کو اللہ نے شے سے پیدا فرمایا۔ پھر آپ
 نے یہی آیت تلاوت فرمائی **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ**۔۔۔۔۔ (ان اگلی مکرر
عِنْدَ اللَّهِ أَتَقْنَبُكُمْ تم میں سے نیا وہ عزت والا وہ ہے جو نیا وہ مستحق ہے
 اس سلسلے میں چارے قومی شاعر علامہ اقبالؒ نے بھی کہے ہیں۔

جانِ رنگ و بو کو چھوڑ کر رکت میں گم ہو جا
 نہ تو لائی ہے باقی نہ افغانی نہ ایرانی

رنگ و نسل کا یہ تفاوت سرسبز، سفید، زرد اور سیاہ رنگ کے بہت ہیں اور
 اس بہت پرستی میں مشرق و مغرب کے بھی رنگ شامل ہیں، کوئی جاہلیت کی وجہ سے
 اور کوئی عزت جاہلیت کی وجہ سے۔ چنانچہ سرسبز میں آن بھی سفید نام رنگ سیاہ
 رنگ والوں کو ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں۔ دونوں ان نام کے لوگوں کے ہرٹل انگ

انکس پر بھول کر کئی چیزیں ہیں، ہسپتال خلعت ہیں، گرتے دگ کائے دگر کر اپنے اور اپنی میں دھنکے کی امانت نہیں دیتے۔ افریقہ میں کئی صدیوں سے سفید خام آنکھیز آباد ہیں وہ اپنی آنکھوں میں سفیدی کائے دگر کر نہیں دیکھتے دیتے۔ اس ملک کے اصل باشندے سیاہ خام ہیں مگر انگریزوں نے وہاں زبردستی قبضہ کر رکھا ہے ان کی آکاری کیلئے ساری دنیا سے آواز آتا رہی ہے مگر بعض قوم ٹس سے مس نہیں ہوتی برطانیہ میں بھی یہ عظمت کسی حد تک موجود ہے۔ بعض گلیوں میں اگر کاکا آدمی چلے جائے تو قتل کر دیا جاتا ہے یا اس کی سخت تذلیل کی جاتی ہے۔ مگر اس کا کوئی پرمانی حال نہیں ہوا۔ یہ تمام تعصبات، اذانیات اور فطرت کے خلاف ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے بھی کہا ہے:

بندو عشق شدی ترک نسب کن جانی

کر دیں راہ فلاں ابن فلاں چہیز نیست

جب تو عشق کا بندہ مین آیا تو رہی گیا ہے، خدا کی وعدہ انیت اور نبی کی نبوت و رسالت پر ایمان سے کیا ہے تو پھر نسب کو ترک کر دے، اس میں دلچسپی نہ لے کیونکہ اس راہ میں فلاں ابن فلاں کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

الغرض! بلال حبشی، سلمان فارسی اور صہیب رضی اللہ عنہم نے وہ مقام حاصل کیا کہ اس سے بلند کوئی مقام نہیں۔ حضرت علی کا شعر بھی ہے:

النَّاسُ مِنْ جِهَةِ الْبَيْتِ لَا كُنُفًا
أَبُوهُمْ أَدَمُ وَالْأُمُّ حَوَّاءُ

ہم سب آدمیوں کے وجہ سے تمام انسان کفر میں برابر ہیں کیونکہ سب کا باپ آدم علیہ السلام اور ماں حوا ہیں۔

وَإِنْ يَكُنْ لَكُمْ قُرْبَىٰ بَعْضُ أَهْلِ الْكِتَابِ
فَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ أَوْلَىٰ بِالْإِيمَانِ مِنَ الْبَعْضِ

اگر اصل اور ذات کے اعتبار سے کوئی مسیحی یا عیسائی ہے تو وہ سنی اور گارا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسی چیز سے پیدا فرمایا تھا۔

کفر کا انکو

یہاں پر کفر کا ایک شرعی مسئلہ ہی پیدا ہوتا ہے اہل کثرت تو بدلتوں کے کفر کا کچھ ہی نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر مومن دوسٹر مومن کا انکو ہے خواہ وہ کسی خدا کے تعلق رکھتا ہو۔ البتہ دوسٹر فقہائے کرم فرماتے ہیں کہ کفر کا مسئلہ ثابت ہے مگر یہ صرف مسلمانوں کی معاشرت کو درست رکھنے کے لیے ہے کوئی ایک پیشہ اختیار کرنے والے خدا کے افراد میں کسب و کسب کے معاملہ کا مناسب کفر ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے حالات میں مناسبت پائی جاتی ہے۔ تاہم یہ بنیادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بنیادی چیز ہی ہے جو امت نے بیان کر دی ہے کہ تم میں سے اللہ کے نزدیک باعزت وہ ہے جو زیادہ شرفی ہے۔ یہی شیخ، پٹھان یا غل کہلاتے ہیں کوئی شرف نہیں ہے۔

ذاتِ پات
کی تقسیم

ذاتِ پات کی تقسیم نے مسلمانوں کو بہت ذلیل کیا ہے جس کی وجہ سے ایک ذاتِ مجملے دوسری ذاتِ والوں کو کمتر سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں میں ذاتِ پات کا یہ تقسیم ہندوؤں کی طرف سے آئی ہے جو کسی طرح بھی ممکن نہیں اللہ تعالیٰ نے اس خود ساختہ تقسیم کی بنیاد ہی اکھاڑ کر رکھ دی ہے اور یہ اہم اصول کھادیا ہے کہ اگر دنیا میں فی الواقع کسی خدا کے کس شرف حاصل ہے تو اُسے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ کہ دوسروں کو ذلیل اور حقیر سمجھنے لگیں۔ عزت و شرف کا معیار تو وہی ہے اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ ذاتِ اور بدلتی۔ تم میں سے زیادہ شرف والا ہے جو زیادہ پرستار ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ عَلَیْہِ رَجَعْنَ یہ شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے نہ تمہارے عزائم اور نیت کو بھی جانتا ہے اور تمہارے عزت اور حقیر سے بھی واقف ہے اصل چیز تقویٰ اور عبادت ہے جس کی بناء پر انسان کو عزت حاصل ہوتی ہے۔ تقویٰ کو اختیار کرنا چاہیے اور باقی چیزوں کو چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ خود ساختہ ذاتِ پات اور غرور و جبر کی وجہ سے ہی معاشرے میں حلقہ پیدیا ہوتا ہے اور پھر لڑائی جھگڑنے تک نسبت پہنچ جاتی ہے۔

قَالَتِ الْأَعْدَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا
 أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ
 تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا
 إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑤ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ
 آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا
 بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمْ
 الصَّدِيقُونَ ⑥ قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ يَدِينُكُمْ وَاللَّهُ
 يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
 عَلِيمٌ ⑦ يَمُنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُوا
 عَلَيَّ إِلَّا سَلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَيْكُمْ
 لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑧ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ
 غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بَصِيرًا
 تَعْمَلُونَ ⑨

ترجمہ: کہادینا گناہوں نے کہ ہم ایمان لائے ہیں
 آپ کہ دیکھئے دیکھئے پیغمبر! کہ تم ایمان نہیں لائے کہ
 یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں، اور نہیں داخل ہوا بھی

ایمان تھامے دلوں میں۔ اور اگر تم اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی تم وہ نہیں کہہ کرے گا تمہارے لیے تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی۔ بیشک اللہ قہار بہت بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۱۴﴾ بیشک ایمان والے وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر، پھر انہوں نے انہیں شک کیا، اور جہاد کیا ہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں یہی لوگ ہیں سچے ﴿۱۵﴾ آپ کہہ دیجئے، کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنا دین۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۱۶﴾ یہ لوگ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے، ان احسان جتلاؤ مجھ پر اپنے اسلام کا، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے ایمان کے لیے، اگر تم سچے ہو ﴿۱۷﴾ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ شافی دیکھنے والا ہے جو کچھ تم اعمال کرتے ہو ﴿۱۸﴾

ربط آیت

اب تک اس سورۃ مبارکہ میں وہ بارہ بڑے بڑے اصول و مضامین بیان ہو چکے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی حالات درست رہ سکتے ہیں اور مسلم معاشرہ امن و امان کا گوارہ بن سکتا ہے اب آخر میں قرآن نے ان لوگوں کا شکوہ کیا ہے جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ای میں ایمان پر سے طریقے سے دست بردار نہیں ہوا، بعض ایسے لوگوں کا بھی شکوہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اسلام لانے کا احسان جتلاتے ہیں۔ اللہ نے ان کو بھی جواب دیا ہے

کہ اسلام و کفر قسم نے اللہ کے نبی پر ایمان نہیں کیا بلکہ اللہ کے نام پر ایمان کیا ہے کہ
میں نے ایمان کی طرف تمہاری راہنمائی فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے **قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا** گنوار دیانتوں نے کہا کہ ہم ایمان
لائے ہیں۔ مگر اللہ نے جواباً فرمایا **أَكَلْتُمْ** اے پیغمبر! آپ ان ایمان کے دھواڑوں
سے کھادیں گے **فَلَوْ فُؤِدُنَا** کہ تم ایمان نہیں لاتے۔ **وَلَكِنْ قَوْلُوا اسْكُنَا**
بلکہ کہو کہ ہم صریح مسلمان ہوئے ہیں۔ **وَلَكِنَّا يَذْخِلُ الْإِنْسَانُ فِي قُلُوبِهِ كُفْرًا**

اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں پورے طریقے سے داخل نہیں ہوا۔ جب
کسی کے دل میں ایمان راسخ ہو جائے تو وہ ایمان لانے کا دعویٰ نہیں کرتا
جب ایمان دل میں جڑا نہ ہو جائے تو پھر آدمی نہ غیبت کرتا ہے۔ نہ عیب جوئی
نہ کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی کرتا ہے اور نہ اسلئے اقبال سے کسی کو حیرت ہوتا
ہے۔ ایسا آدمی نہ تو کسی کو غصا قفس کرتا ہے اور نہ اپنی برتری کا اظہار کرتا ہے
ایسا نثار آدمی ایک دو سکر کر بے القاب سے بھی یاد نہیں کرتے اور نہ وہ جنگلے
جبل اور انحرافی کی باتوں کا اڑھلکھ کرے ہیں۔ فرمایا جب تم میں سے کسی کی سب سے چیز
موجودہیں تو پھر تم ایمان کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہو؟

شاہ عہدات دے گئے ہیں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ ہم نے دینی مسلمان کو قبول کیا ہے
اس بات کے کئے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ میں پڑا یقین ہے
کہ ہم پورے طور پر ایمان اور یقین کی بات سے محض ہو چکے ہیں، تو جب یقین
پڑا ہے تو اس کے آثار کہاں ہیں؟ وہ بھی تو دکھائی دینے چاہییں۔ جب پڑا یقین
ہو تو آدمی ایسے دعوے سے ڈرتا ہے اور شرماتا ہے یعنی ایسا دعویٰ نہیں کرتا۔ لہذا
معلوم ہوا کہ ابھی تک ان کے دلوں میں ایمان پورے طریقے سے راسخ نہیں ہوا۔
بلکہ انہوں نے جماعت میں داخل ہونے کے لیے صرف لکڑ پڑھا ہے، اور ظاہر
ظہر پر مسلمان ہوئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے **وَلَا تَطْلِقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** اور اگر تم حیثیت

میں اللہ اور اس کے رسول کی امت کرنے کی نیت کرے کہ لَمْ يَكُنْ كُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا
 تو وہ تمہارے اعمال میں سے کسی چیز کو کم نہیں کرے گا بلکہ تمہارے اعمال کا کچھ
 کچھ اور بڑا کر دے گا۔ اور جو لوگ ایمان سرزد ہو چکی ہیں یا کمزوریاں پیدا ہوئی ہیں،
 ان کو درگزر دے دے گا۔ کیونکہ اے اللہ عَفُوٌّ رَحِيمٌ اللہ بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ اس مقام پر اللہ نے
 اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ اس مقام پر اللہ نے
 دیات کے پہنچانوں کو عرب کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ یہ لوگ بعض خدا
 حاصل کرنے کے لیے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ ان کے دلوں میں ایمان
 پر سے طریقے سے واضح نہیں ہوا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں مال قیمت میں دے دیں
 کی نسبت زیادہ ضرر و یا جملے، نیز انہیں دیگر مراعات بھی دی جائیں۔ مگر اللہ نے
 ان کی حالت یہ بیان فرمائی ہے۔ اَلَا تَعْلَمُ اَنَّكُمْ كُفَرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَعْبَادُ
 اَلَا يَتْلُو كُمْ اَحَدٌ وَّ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ (الفتح: ۱۷) دینی لوگ
 اکثر کفر اور نفاق میں پختہ ہوتے ہیں اور زیادہ لائق ہیں کہ وہ زندانیں میں محدود
 کو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے۔

شہریوں اور دیہاتیوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے ۔
 مَنْ مَكَتَ الْبَيْتَ جَعَلَ جُرْيَاتٍ مِّنْ رَّهْطٍ زِيَادَ زِيَادِ كُزَيْرٍ اَوْ مِثْلِهِ شَرٌّ
 زندگی زیادہ مذہب ہوتی ہے۔ ایسی سوسائٹی نصیب ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے
 میل ملاقات کا موقع ملے، تعلیم و تہذیب کے مواقع فراہم ہوتے ہیں، ایسی
 باتیں سننے اور پڑھنے میں آتی ہیں۔ جب کہ یہ باتیں یہ چیزیں کم ہی پھیل سکتی ہیں۔
 اسی لیے دیہاتی لوگ اکثر جمالت میں ہی پختہ ہوتے ہیں۔ ان میں حد درجہ جہد و کوشش
 کا مادہ نمایاں ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف اعتقادات، جھگڑا، افتد اور
 گالی گھڑی اکثر رہا ہے کیونکہ انہیں ایسی سوسائٹی نصیب نہیں ہوتی۔ اسی کمزوری
 کی وجہ سے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بعض دیہاتیوں نے ایمان کا دعویٰ کیا مگر

ایمان کی علامات تو انکی میں مغفرت تھیں اور محض زبانی دعوئی تزکیہ معنی نہیں رکھتا۔
بہر حال فرمایا کہ اگر تم انشاء اللہ اس کے رسول کی صدقہ دل سے ادا عطا کر دے تو
تمہارے اعمال میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔

پھر کیا سوال
کہ وہ بات

فرمایا اِنَّهَا اَلْعُقُوبَةُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ حَقِيقَت
میں ایمان دار وہ ہیں جو دل کی گہرائیوں سے ایمان لائے انشاء اللہ اس کے رسول پر۔
وہ انشاء تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات کمال پر یقین رکھتے ہیں اور ان تمام
چیزوں کی صدقہ دل سے تصدیق کرتے ہیں جن کی تصدیق کرنا ضروری ہے اور
جن کے بغیر آدمی صحیح معنوں میں ایماندار نہیں ہو سکتا۔ سچا ایمان حقیقی ایماندار آدمی وہ
ہے جو انشاء تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، کتب، احکام، تمام انبیاء، جن کے عمل
اور تقدیر پر صحیح طریقے پر یقین رکھتا ہے۔ فرمایا ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو
یوں کہا تو پھر انہوں نے کسی قسم کا شک بھی نہیں کیا بلکہ ایمان میں یگانگی حاصل کی ہے
جو شخص دین کی کسی بات میں شک کرتا ہے وہ منافق ہوتا ہے یا ایمان سے
بالکل ہی خالی ہو جاتا ہے۔ اگر دلوں میں ذرا بھی شک یا تردد آگیا تو ایمان ضائع
ہو گیا۔ انہوں نے منافقوں کے متعلق فرمایا ہے۔ فَهَؤُلَاءِ وَفِيْهِمْ
يَكُنْ ذُوْۤنَ (الترجمہ ۴۵) وہ شک و تردد میں ہی مبتلا رہتے ہیں۔

فرمایا اہل ایمان وہ ہیں کہ ایمان لانے کے بعد شک بھی نہیں کیا تو کیا اٰمَنُوْا
بِاَنۡوَالِهِمْ وَاَنۡفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور انہوں نے اللہ کے راستے
میں اپنے اہل اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ صلح و جنگ کے قوانین سورۃ
قال اور سورۃ الفتح میں گزر چکے ہیں۔ اور جہاد بھی ایک ایماندار آدمی کا اہم فرض
ہے۔ سچا ایماندار کبھی جہاد سے پیچھے نہیں رہتا اور منافق آدمی ہمیشہ اس سے پیچھے
کی کوشش کرتا ہے تو فرمایا کہ تم وہ ہیں جو جہاد میں کردار اچھے میں کوئی حدینہ
نہیں کرتے۔ اَوْ لَئِنْ هَؤُلَاءِ اَلشُّرَکَآءُ عَلٰی رِیۡۤہِی لَوۡگ چکے ہیں حضور علیہ السلام
کے صحابہ میں یہ صفات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ ان کے دلوں میں یقین و صلح

تھا۔ اور وہم ہر وقت پر جاتی اور مالی قربانی پیش کرتے تھے۔ اس کے برخلاف منافق لوگ ظاہری طور پر اسلام کے بعض اعمال بھی انجام دیتے تھے مگر ان کے دل ایمان سے خالی تھے۔ اسی لیے لوگوں کے دلوں میں ایمان کو اشرک نے رد فرمایا ہے۔

اشرک تعالیٰ نے محض نہانی ایمان کا دھوکے کرنے والوں کی تردید فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے قُلْ لِّیْ بِغَیْرِہٖ اَکْبَرُ آپ کہہ دیجئے اشرک لوگو! اللہ یہ دیکھ کر کیا تم اشرک کو اپنی دینداری جانتے ہو کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ فرمایا جتنی سب سے پہلے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِی السُّکُوٰتِ وَصَافِی الْاٰمَنِیْنَ حالانکہ اشرک تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ ہر شخص کی نیت اور ارادے کو جانتا ہے اور یہ بھی کہ یہ شخص صحیح فطرت میں آیا تھا ہے یا شک و تردید میں مبتلا ہے۔ اس کی غرض فاسد قزاقوں اور یہ گروں ایمان کا دھوکا دے کر آپ سے فریادیں گیں دینداری جانتے ہو حالانکہ اشرک تو سب کچھ جانتا ہے اور یہ بھی کہ تمہاری دینداری کس حد تک ہے اور یاد رکھو! وَاللّٰہُ یَعْلَمُ سِرَّیْ وَخَیْطِہٖ اشرک تعالیٰ ہر چیز کا محکم علم رکھتا ہے کہ سچا - دیندار کون ہے اور یہ دینداری کس کو حاصل ہے۔ صحیح ایمان کس کے دل میں ہے، کون ریاکار کا کر رہا ہے اور کون مفاد حاصل کرنے کے لیے ایمان کا دھوکا دے رہا ہے۔

فرمایا یَعْتَبِرُوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْکُوْا یٰہِ رُکَّہٗ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ سناں ہو گئے یعنی انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ فرمایا قُلْ لِّیْ بِغَیْرِہٖ اَکْبَرُ آپ کہہ دیں لَا تَسْتَعِیْزُوْا عَلَیْہِ اَسْلَمَکُمْ تمہیں پرہیز اسلام کا احسان نہ جتنا کہ پہلے اللہ نے تمہیں حکایت کی کہ اَنْ ہٰذَا کُمْ فَلَا یَنْحَیْ جبکہ یہ تمہارا اشرک کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کے لیے ہدایت دی ہے تمہیں ایمان لانے کی توفیق اشرک تعالیٰ نے دی ہے۔ اس کی توفیق کے بغیر تم ایمان کی دولت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا اپنا احسان جتلانے کی بجائے تمہیں اشرک تعالیٰ کا احسان مندر بہن چاہیئے، جس نے تمہاری دین کی طرف رہنمائی کی اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

دیندار ہونے کا احسان

اگر ہم ایمان کے دعوے میں پہلے جو توہم و شرک کا احسان نہ کر دیا کرتے تو اپنا احسان جتنا دے دیتے کہ
 کسی نے کہا ہے ۔

منہ منہ کہ خدمت سلطان ہیں گنجی

منہ اندر شناس کہ بہ خدمت پادشاهت

بادشاہ کی خدمت گزاری کو احسان نہ جتلاؤ، بلکہ احسان تو اس کا نام جس نے تمہیں اس
 خدمت کا موقع فراہم کیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ احسان اللہ کا نام جس نے تمہیں ایمان
 لانے کی توفیق بخشی کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

سودہ کے آخر میں یہ باتیں اشارے شکوے کے طور پر کہیں ہیں۔ بعض قبائل منور
 علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے تھے کہ ہم تو مسلمانوں سے لڑے بھڑے
 بغیر اسلام لے آئے ہیں حالانکہ لوگوں نے بڑی بڑی جنگیں لڑیں اور پھر جب بالکل
 مغلوب ہو گئے تو ایمان قبول کر لیا۔ اسی کا مقصد یہ تھا کہ ہم زیادہ غلغلہ نہیں لہذا
 ہمیں مالی قیمت، بیت المال یا دوسرے حقوق میں توفیق دی جائے۔ اشارے
 اس کی بھی تردید فرمائی ہے۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ کیا ایسے لوگ اپنے دعوئی ایمان
 میں پہلے بھی ایمان نہیں لے آئے تو ان کے آثار سے ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان
 کے تقاضے پہنچے کر رہے ہیں یا نہیں۔ اگر خلوص نہیں ہے تو پھر تو وہی منافقوں
 والا دعوئی ایمان ہے۔ جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ایک سچا ایمان اگر جب
 دلی کی گزرتوں سے ایمان لاتا ہے تو پھر اس میں شک و تردید نہیں کرتا اور نہ ہی
 وہ مفاد پرستی کا شکار ہوتا ہے۔ وہ تو مال و جان کے ساتھ قربانی پیش کرنے
 کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اسلام لانے کا احسان نہیں جتلاتا۔ اس کے برعکس
 منافقوں کا حال یہ ہے کہ مالی مفاد حاصل ہوتا ہے تو پہلے ایمان کے ساتھ کہتے ہیں
 ورنہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی کا مقصد کھس مالی مفاد حاصل کرنا ہوتا ہے۔
 وگرنہ دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

فَرَلَا اِنْ اللّٰهُ يَعْصِيْكُمْ مَّغْلِبَ السُّفٰلِيْنَ وَالْاٰخِرُ خَيْرٌ مِنْ الْحَٰقِ

بعض قبائل
 کے اشارے
 مفاد پرست

جانتا ہے آسمان اور زمین کی پرشیدہ چیزیں۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، اس غیب سے وہ چیزیں ہزاروں مخلوق کے اعتبار سے پوشیدہ ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو ہر حال میں عَلَّامُ الْغُیْبِ وَالشَّہَادُوسِ ہے وہ تو ہر ظاہر اور باطن چیز کو جانتے والا ہے۔ فَرَّأَ وَكَانَ يُوسُفُ بْنُ زَيْمًا قَعْمَلُونَ جو کچھ تم کرتے ہو، وہ سب اللہ کی نگاہ میں ہے۔ وہ تمام اعمال سے خوب واقف ہے بلکہ نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے۔ اسے علم ہے کہ کس کا عقیدہ اور عمل کس سے ہے اور کس کے عقیدے اور عمل میں فی الواقع تمام چیزیں جن کے عمل کے وقت سامنے آجائیں گی اور انہی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔



سُورَةُ
الْاٰنْكَارِ
(مَكِّيَّةٌ)

سُورَةُ ق مَكِّيَّةٌ اَرْبَعٌ وُحُوشٌ وَالْعُرُونَ اَيْ رَوَّلَتْ رُكُوعَاتٍ
سورۃ ق مکیہ ہے اور یہ پینچاویس آیتیں ہیں اور اس میں تین رکعات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحیم و مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

قَالَ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ① بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ
مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ②
عَرَّازٌ مِّثْلًا وَكَأَنَّا تَرَاءِءُ ذَلِكَ رَجْعٌ لِّعِيدٍ ③ فَكَذُ
عِلْمًا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ
حَفِیْظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ
فِي أَمْرٍ مَّرِجٍ ⑤

ترجمہ۔ ق نام ہے بزرگ ملے قرآن کہ ① بلکہ یہ
لوگوں نے تعجب کیا ہے کہ آیا ہے یہ کہ پاس ایک
ڈر سنانے والا انہی میں سے۔ پس کسا کفر کرنے والوں
نے کہ یہ عجیب چیز ہے ② کیا جب ہم مر جائیں گے
اور ہر جائیں گے نئے۔ یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید
ہے ③ تحقیق ہم جانتے ہیں جو کم کرنے سے زمین ان
میں سے۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے حفاظت

کرنے والی ⑤ بلکہ جھٹلایا ہی لوگوں نے حق کو جب کہ
 ان کے پاس آئی۔ پس یہ لوگ ابھی بدی بات میں مبتلا ہیں ⑤
 صحابہ کرامؓ نے قرآن پاک کو سات منزلوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ اس سورۃ مبارکہ
 سے ساتویں منزل شروع ہو رہی ہے جو آخر قرآن تک جائے گی۔ پہلی منزل میں
 قرآنی پاک کی تین لمبی سورتیں سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء ہیں۔ اس
 کے بعد دوسری منزل میں پانچ سورتیں سورۃ المائدہ، سورۃ الانعام، سورۃ الاحزاب،
 سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ آئی ہیں۔ پھر تیسری منزل میں سات سورتیں یعنی سورۃ
 یونس، سورۃ ہود، سورۃ یوسف، سورۃ الزمر، سورۃ ابراہیم، سورۃ الحجر اور سورۃ النحل
 ہیں۔ چوتھی منزل میں نو سورتیں ہیں جن کے نام سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ الحجۃ،
 سورۃ مائدہ، سورۃ طہ، سورۃ الانبیاء، سورۃ الحج، سورۃ المؤمن، سورۃ الزمر اور
 سورۃ الفرقان ہیں۔ اس کے بعد پانچویں منزل میں گیارہ سورتیں ہیں جن کے نام
 سورۃ الشعراء، سورۃ النمل، سورۃ القصص، سورۃ العنکبوت، سورۃ الروم،
 سورۃ لقمان، سورۃ النحۃ المسدہ، سورۃ الاحزاب، سورۃ سبا، سورۃ الفاطر
 اور سورۃ یس ہیں آگے چلی منزل میں ۱۲ سورتیں۔ سورۃ الشوریٰ، سورۃ الزمر،
 سورۃ الزمر، سورۃ المؤمن، سورۃ حشر المسدہ، سورۃ النور، سورۃ الزمر،
 سورۃ النحل، سورۃ الباقیہ، سورۃ الاحزاب، سورۃ محمد، سورۃ الحج اور سورۃ الفجر
 آئی ہیں۔ اور سورۃ ق سے آگے آخر تک ساتویں منزل ہے۔ اس کو متصل کہا
 جاتا ہے۔ جس میں پچھلی پچھلی ۶۷ سورتیں ہیں۔

سورۃ ق
 کا فضیلت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سورۃ مبارکہ کو اجتماع والی نماز میں بھی غازیہ
 جمعہ اور عیدین کے موقع پر اکثر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ بعض اوقات جمعہ کے
 دن فجر کی نماز میں بھی یہ سورۃ پڑھ لیتے تھے۔ امام ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ بڑے اجتماع
 میں یہ سورۃ تلاوت کرنے کی وجہ ہے کہ اس میں انسان کی پیدائش، بعثت، ہلاکت اور
 حشر و نضر، جزائے عمل، ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کا ذکر ہے حضور علیہ السلام

کی ایک صحابہ ہم ہمام بنت ساروغہ کا بیانی ہے کہ میں حضور علیہ السلام کے چٹوس میں
رفائش پذیر تھی اور ڈیڑھ دو سال تک وہاں رہی۔ کہتے ہیں کہ ہم اپنے قریبی چٹوس تھے
کہ شقیہ کا واحد کہ ہمارا روٹی پکھنے کا تونر مشرک تھا۔ صحابیہ کو بیانی ہے کہ میں
نے سورۃ فی حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سچ کر یاو کی۔ آپ یہ سورۃ تمجو کے
دری منبر پر بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

۴۰ سورہ
کوٹھ

اس سورۃ کا نام اس کی ابتدائی حرف قی سے اخذ ہے۔ اس سے پہلے تیسری
دنی تھیں جب کہ یہ سورۃ مبارکہ کی زندگی میں نازل ہوئی۔ یہاں سے لے کر سورۃ النبیہ
تک تمام سورتیں مکی ہیں اور آگے سورۃ المائدہ سے لے کر سورۃ النحر تک پھر
دنی سورتیں آ رہی ہیں۔ اور پھر تیسویں باب کے میں زیادہ تر مکی سورتیں ہیں۔
اس سورۃ مبارکہ کی پینالیس آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۲۹۵ الفاظ
اور ۱۴۹۰ حروف پر مشتمل ہے۔

سورۃ کا آغاز حرف مقطوع قی سے ہوتا ہے۔ مفسرین کو اس نے تقریباً فہم
کے لیے اس حرف کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہر مکان ہے کہ
حرف قی کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کی طرف ہو۔ ظالم اور مظلوم کی جنگ
تو دنیا میں چلتی رہتی ہے اور خدا تعالیٰ قادر ہے کہ وہ ظلم کو ظالم سے اٹھ کاٹتی
دے۔ حرف قی سے اللہ تعالیٰ کی اُن صفات کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جن
میں یہ حرف استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً قدوس، ذائق، قہار، قدیر، قابض، بقیۃ
قوی، مقتدر، مستقم، مقسط، رقیب، رزاق وغیرہ۔ یاد ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں
پینالیس سے زیادہ مرتبہ حرف قی استعمال ہوا ہے۔

۴۱ سورہ

بعض فرماتے ہیں کہ قی قیامت کا لغت ہے یعنی لے لہذا اِنَّا سَنَقُومُ لَكُمْ
اَوْنَتَ وَمَنْ تَابَ مَعَدَّ (ہود۔ ۱۱۲) آپ اور آپ کے ساتھ توبہ کرنے والے
یعنی ایمان والے صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ
قی سے مراد صراطِ مستقیم اور قیامت دونوں ہوں کہ صراطِ مستقیم پہلے اور قیامت کا

ذکر بھی اس سورۃ میں موجود ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کے ناموں میں سے کوئی نام ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے پیروکاروں میں سے چوتھی صدی کے بڑے متقی امام ابو حنیفہؒ فقیر فرماتے ہیں کہ قرآن سے مراد ہے اللہ تعالیٰ بالقرآن یعنی خدا تعالیٰ انصاف پر قائم ہے۔ بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرآن کا اشارہ قدرت الہی اور قرب الہی کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے آگے آرہا ہے۔ لَحْنٌ أَقْرَبُ الْيُسْرِ مِنْ جَلِيلٍ الْقَوِيدِ (آیت ۱۶۰) ہم انسان کی شررگ سے بھی قریب ہیں۔ بعض سے منقول ہے کہ قرآن سے جلیل کی مراد ہے جو کہ ایک پہاڑ ہے۔

شیخ ابن عربیؒ جیسے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ قرآن سے قلب محمد کی طرف اشارہ ہے آپ کے قلب مبارک کو وہ خصوصیت حاصل ہے جو کسی دوسرے قلب کو حاصل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَوَلَّىٰ بَدَ الثُّوَجِ الْأَوْبَيْنِ ۖ عَلَىٰ كُلِّ لُجَّةٍ لَّيْلٌ لِّكُلِّ نَفْسٍ مِّنَ الْمُنذِرِينَ (الشکوہ ۱۹۳-۱۹۴) اس قرآن کو جبریل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر نازل کیا تاکہ آپ دلوں کے دلوں میں سے ہو جائیں۔ قرآن سے قلب محمد کی طرف اشارہ اسی طرح ہے جیسے سورۃ صٰحٰہ میں صٰحٰہ کا اشارہ صورت محمد کی طرف ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جن اہل انبیاء کی صورتوں میں سے حضور علیہ السلام کی صورت مبارک کو سب سے حسین و جمیل بنایا ہے اور اس کو کمال عروج کے احوال پر رکھا ہے۔ چنانچہ چوتھی صدی کے عظیم تفسیری، متقی اور حبیب شیخ ابن سیناؒ نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کا جسم مبارک اَعْدَالُ الْأَجْسَامِ یعنی تمام اجسام سے نراۃ محتمل تھا۔ بہر حال قرآن سے مراد قلب محمدی بھی ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بجز ربی شرف بخشا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ قرآن کا اشارہ قضاء اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ اور حق سے مراد صدق اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی صداقت کی طرف بھی ممکن ہے۔

مفسر قرآن امام رازیؒ (المتوفی ۷۱۰ھ) سلطان محمد غزنویؒ کے زمانہ میں جوئے ہیں۔ آپ نے علم الحزینت اور عالم فاضل انبیاء تھے، تفسیر کے علاوہ بعض دیگر کتابیں

بھی لکھی ہیں۔ آپ نے صرف قی کا مطلب ایک درجہ کے طریقے سے سمجھا دیا ہے۔
فرماتے ہیں کہ عبادت تین طریقوں سے ہوتی ہے یعنی قلبی، زبانی سے اور اعضا و
جوارح سے۔ قلب کی عبادت یہ ہے کہ انسان کا عقیدہ صحیح ہو، اور اس کی نیت
اور ارادہ پاک ہو، پھر فرماتے ہیں کہ زبانی کی عبادت یہ ہے کہ انسان زبانی سے اللہ
کا حمد و ثناء اور تسبیح و تہلیل بیان کرے، دیگر پاکیزہ کلمات زبانی پر دے اور قرآن
پاک کی تلاوت کرے اور اعضا و جوارح کی عبادت قیام، رکعت، گہود، قنوت اور قنود
سے ہوتی ہے۔ اعضا و جوارح کی عبادت کا مفہوم کبھی سمجھ میں آجاتا ہے مگر عام لوگ اس کا
مفہوم کم ہی سمجھتے ہیں۔ خذیج کا احرام، اسمی، رمی و دیو ایسی عبادتیں ہیں جن کا مطلب
آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے جس لوگ رمی کرتے وقت چھوٹی چھوٹی ٹھکریوں کی
بجائے بڑے بڑے پتھر اٹھانے لگتے ہیں۔ اسی طرح خیر عبادت کی بعض چیزیں دلالی
سے سمجھی جاسکتی ہیں۔ مثلاً اللہ کی وحدانیت اور وقوع قیامت عقلی اور فطری دلائل سے
سمجھی جاسکتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اور انبیاء علیہم السلام کی صداقت بھی
دلالی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ مگر بعض چیزیں دلالی سے بھی سمجھ میں نہیں آتیں مثلاً
پطراط پر سے گزرنے کا جو ایک بار ایک چیز ہے اور پھر اعمال کا دلی ایسی چیز ہیں
جو ہمارے ارد گرد میں نہیں آتیں۔ ایسی جہاد پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور یہ
چیز بھی عبادت میں داخل ہے۔ زبانی عبادت میں تلاوت قرآن اور ذکر اور کار
کے الفاظ گہر میں آتے ہیں جو ہم اپنی زبانی سے ادا کرتے ہیں۔ مگر بعض چیزیں ہمارے
سمجھ سے بالا تر ہیں جیسے قرآن پاک کے تحت ہیبت اور حرمت مقطعات وغیرہ۔ لہذا
ان کی تلاوت بھی عبادت میں شامل ہے، ان کو سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ جل جلالہ کا
سیّدیٰ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں انسان کا اعتقاد ہی ہونا چاہیے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ
یہ ذکر وہ پختہ دلی حروف سے جو بھی ملے اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے
اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے طریقے پر حروف قی کے متعلق فرماتے

وہ کہ اس سے ایسی قباحتوں کی طرف اشارہ ہے جو پھر کی طرف سمت نہ ہو گی کیونکہ
 آئی میں قوت اور شدت والا معنی لایا جاتا ہے۔ اور ابن قباحتوں کا مقابلہ قوت قدسیہ
 کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے وہ خط و نصیحت کی جاتی ہے اور
 نشانیاں پیش کی جاتی ہیں تاکہ یہ قیامت اور اس کی شدت اور قوت دور ہو جائے
 اور اس کی جھلٹے اصلاح پیدا ہو جائے۔ بہر حال یہ تمام معانی محض تفسیر و فہم کے
 لیے ہیں۔ ابن سے معنی ملتا ہے کہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بتا رہا ہے
 ارشاد ہوتا ہے وَالْقَوْلُ الْخَبِيرُ بڑی بزرگی اور عظمت لئے قرآن کی قسم
 ہے کہ لوگ اس پر ایمان نہیں لائے۔ یہ جواب یہ قسم ہے جسے خود دفن لایا جاتا ہے۔
 سورہ جلیلہ اسے سند میں فرماتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں حضور علیہ السلام
 صلی اللہ علیہ وسلم اور اجداد کے ابتدائی زمانہ تک علمی باری میں سے کتاب کی شکل میں قرآن
 قرآن پاک تھا اور اس کے علاوہ کوئی چیز کتابی صورت میں موجود نہیں تھی۔ حضرت امیر
 کے شاگرد امام ابن مبارک کے صحیحہ کا پندرہویں صدی کے نصف تک ہی قیامت ہے کیونکہ
 حضرت ابوہریرہؓ کی وفات ۳۵ھ کے قریب ہوئی ہے اور آپ کے شاگرد نے یہ صحیفہ
 جمع کیا تھا۔ اس کے بعد پہلی صدی کے آخر میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جن کا دور خلافت
 صرف دو اڑھائی سال ہے، نے فرمایا کہ قرآن کو موجود ہے لیکن حضور علیہ السلام کی
 احادیث کے متعلق تشویش ہے کہ وہ کیسے ضائع نہ ہو جائیں، لہذا انہوں نے اپنے
 زمانے کے ایک جلیل القدر تابعی امام زہریؒ کی راویوں کا ذخیرہ جمع کرنے کی ہدایت
 کی۔ مجددی شرحین کی روایت کے مطابق حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے کہا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ
 قَوْلُكَ الْقَوْلَ وَذَهَابَ الْعِلْمُ آدَمَ بَعْلَ عِلْمِ الْوَحْدَانِ کے پٹے جانے کا خطر ہے
 اگر صحیح عالم نہ نصرت ہو گئے تو علم کی حفاظت کرن کرے گا۔ لہذا احادیث کو جمع کرو۔
 چنانچہ بیس سے تدریس حدیث کا کام شروع ہوا۔ پھر تیسری صدی میں امام بخاریؒ اور
 امام مسلمؒ کے زمانے تک احادیث کا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔ راویوں کی چھان بین بھی ہو گئی
 تھی۔ اور یہ اس لیے ضروری تھا کہ قرآن کی تفسیر کا بنیادی ذریعہ احادیث مبارکہ ہی ہیں۔

قرآن کی
 قسم

رسالت پر
تجربہ

بہر حال حضرت عمر بن عبد العزیز کی رسائی سے اطلاع ہوئی اور پھر دیگر کتب کی تدوین شروع ہو گئی، اہم ابتداء میں کتابی صورت میں صرف قرآنی حکیم ہی تھا۔ تو اللہ نے اس بزرگی والے قرآن کی قسم اٹھا کر کہا کہ اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لائے بلکہ اس کا انکار کر رہے ہیں قرآن کے بعد رسالت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا يَتْلُوهُنَّ أَنْبَاءُ بَشَرٍ مِمَّا دَخَلُوا فِيهَا وَكَانُوا مُخْلِصِينَ لَهُمْ نَبَاتِهِمْ كَمَا نَبَأَ لِقَاءٍ إِيضًا۔ یہ سب انہی تھے اور انہی کی لہجہ عالی کے لئے ان کو اللہ نے نبوت عطا فرمایا تھا۔ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ۔ بہر حال حضور علیہ السلام کے اعلیٰ نبوت پر کافر کہنے لگے کہ یہ بڑی عجیب چیز ہے کہ ہمیں میں سے ایک آدمی نبی بن کر آجائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا أَبَشَرُ أَمِئًا وَاحِدًا تَتَّبَعُهُ (المعر - ۷۴) کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کا اتباع شروع کر دیں تو یہ میری قرآن کی بات ہے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کو نہیں سمجھتے تھے۔ جو انسانی رسالت میں کام کرتی ہے بلکہ اپنے اپنے آپ پر قیاس کر کے کہتے تھے کہ یہ تو ہمیں میں سے ایک آدمی ہے۔ جہود اس کا اتباع ہم کیسے کر سکتے ہیں۔

بعض لوگوں پر
اعتراف

ایک طرف تو انہوں نے رسالت کا انکار کر دیا اور دوسری طرف تو قرآن قیامت بعد جنہے محل کو بھی جھٹلایا کہنے لگے عَرَاوْنًا وَهَنًا كَاكِبًا قرآن آیا جب ہم مرد ہیں گے۔ اور مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیگی تو پھر کیسے زندہ ہو جائیں گے؟ ذوق رنج و تعب نبیؐ انہی کا سرے کے بعد دوبارہ لوٹ آیا تو بالکل بے اثر و ناقص رہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قَدْ كَلِمَتُنَا مَا نَمُوتُ إِلَّا مَوْتًا۔ وَنَحْنُ حَيٌّ۔ ہم حقیقت ہم جانتے ہیں کہ زمین نے ان کے اجسام میں سے ان کی سی چیز کو نکال دیا ہے یعنی مرنے کے بعد ان کے جسم اپنی اصلی حالت پر نہیں رہے وہ مٹی بن کر رہ گئے ہیں۔ مگر ہم اسی طرح جانتے ہیں کہ ہر جسم کا گرنے کا نہ صرف مٹی کے گرنے کی

زرے میں لگم ہو چکا ہے۔ لہذا جب قیامت کو ہم انہیں دوبارہ زندہ کرنا چاہیں گے
 زمین میں بے ہوشے تمام ذرات کو اکٹھا کر لیں گے اور پھر ان سے دوبارہ جسم کا اسی پنہ
 کھڑ کر کے اسے زندہ کھڑیں گے، لہذا ان بد بختوں کے زلمہ کے برخلاف بعثتِ بدست
 ہمارے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے انسانی اجسام کی تحلیل کے متعلق حدیث میں آتا
 ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو باطل محفوظ رکھتے ہیں اور زمین اُن کا کچھ
 نہیں بگاڑ سکتی۔ اسی طرح بعض خدشہ کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں۔ ۳۔ ہم عام لوگوں
 کے اجسام کُل بشر کو مٹی میں مل جاتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کا فرماں ہے کہ انسانی
 کے پورے جسم میں سے صرف دو جگہ کی مٹی کسی نہ کسی صورت میں محفوظ رہتی ہے۔
 مسئلہ کہ حاکم کی روایت میں آتا ہے کہ اس دو جگہ کی مٹی میں رانے کے ہاتھ
 اور حیات قائم رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کو اسی مٹی سے ان کی دوبارہ
 کھڑا کرے گا۔

شاہ عبدالغفار ایک دوسرے طریقے پر بات کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں
 کہ انسان کی ہر چیز قرضاً ہی ہوتی۔ مثلاً انسان کی روح محفوظ رہتی ہے اور اسی
 طرح انسان کے اعمال بھی اُن کے جسم میں محفوظ ہوتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ
 محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعمال اُن کے نفس سے لٹکتے ہیں،
 لہذا کوئی آدمی کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس کا بیج اُن کے نفس میں موجود نہ ہو۔
 پھر جب کوئی شخص وہ عمل بار بار کرتا ہے تو اس کے لیے ایسا کرنا آسان ہو جاتا
 ہے۔ اور جب ان اعمال کے نتائج کا وقت آتا ہے تو یہ اعمال پھیلے ہوئے
 ہوتے ہیں اور انسان کے نفس کے ذمے کر پڑ جاتے ہیں اور اس طرح ان اعمال
 کو شمار کر دیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن تمام اعمال کھل کر سامنے آجائیں گے
 اور پھر ان کا حساب ہو جائے گا۔ سورۃ نبی اسرائیل میں موجود ہے وَكُلُّ
 إِنْسَانٍ أَلْفُ مِائَةٍ نَفْسٍ فِي عِصْقَةٍ ۖ فَنُخْرِجُ كَذَٰلِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُتُبًا
 يَلْقَاهُ مَنۡ هُوَ بِهَا ۖ وَهُوَ بِهَا ۖ (آیت ۱۳) ہم نے ہر انسان کے اعمال کو کتابی صورت

اعمال کی
 حفاظت کا
 نظام

میں اُس کے گلے میں لٹکا دیا ہے جسے ہم قیامت ملنے دن نکالیں گے اور ہر انسان
 اسے کٹوا ہوا دیکھ سکے گا۔ پھر اُس سے کہا جائے گا۔ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ
الْيَوْمَ عُقُوبًا حَسْبِيَ النَّارُ (اپنی کتاب پڑھ لے۔ کئی تو خود ہی اپنا حساب کافی
 انسان کے اعمال کی حفاظت اس وجہ سے بھی ہوتی رہتی ہے کہ وہ اپنی زندگی
 میں وقتاً فوقتاً اپنے اعمال کو یاد کرتا رہتا ہے اور سوچتا رہتا ہے کہ میں نے فلاں
 فلاں وقت میں فلاں فلاں مقام پر یہ یہ کام کیا تھا۔ اس طرح ان اعمال کی حفاظت
 ہوتی رہتی ہے اس کے علاوہ انسان کے لئے میں بھی اُس کے اعمال محفوظ رکھتے
 ہیں۔ خدا تعالیٰ کے علم محیط میں بھی ہر چیز محفوظ ہے۔ اگر کوئی چیز انسانی نظروں سے
 غائب بھی ہو جائے تو اُس کے علم میں کب وہ جب چاہے اسے نکال سکے گا اور
 پھر فرمایا وَعَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ حَفِيفَةً کہ ہمارے پاس حفاظت کرنے والی ایک
 کتاب بھی تو ہے۔ اس سے مراد کتب محفوظ ہے جس میں ہر چیز اللہ کے پاس محفوظ
 ہے۔ تو فرمایا انہیں کس بات پر تعجب ہے کیا انسان دوبارہ زندہ نہیں ہوگا۔ اور
 حساب کتاب کی منزل نہیں آئے گی! فَرَأَوْا اضْطِرَّادًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کہ ہر ایک کو اُس کے
 اعمال کا سبب مل گیا ہوگا۔

ارشاد فرمایا حقیقت یہ ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِأَلْفِ مِائَةِ سَنَةٍ ہر شے
 کو محسوس ہے کہ آج آج ہمارے جب کہ وہ ان کے پاس آگیا فَقَهَّرَ فِي
أَعْيُنِهِمْ اور یہ لوگ ابھی ہوئی یمن پریشانیات میں ہی مبتلا ہیں۔ مریض و مفلج
 اُس باغ یا سبزہ زار کو کہتے ہیں جس کے پودے اور درخت آپس میں الجھے ہوئے
 ہوں اور وہاں پریشانی کی کیفیت طاری ہو۔ ان لوگوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔
 یہ اسی بات میں الجھے سہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہمارے اہل ہم کے منتشر ذلت کیسے
 جمع ہوں گے اور پھر ان کی کیا کیفیت ہوگی؟ اہل لوگوں کی پریشانی کی حالت اس آیت
 سے بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ ایمان لانے کی بجائے اللہ کے نبی کو بھی شاعر کہنے لگے
 کہ ابھی ابھی مجھ کو کہیں کذاب (نوربائش) وہ قرآن کو خود ساختہ کلام کہتے اور

مکذوب حق

و قیامت اور حشر و نشر کا ستر سے ڈھکا کر دیتے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ پریشان حال
حالات میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس نکتہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ قیامت اور حشر کا ستر اگر ان فی
سومائیں میں کوئی تنظیمی کام انجام دے گا تو اسے فیصلہ کن حالت تک نہیں پہنچ سکے گا۔
کیونکہ کسی فیصلہ پر پہنچنے کے لیے وعدتِ فکر کی ضرورت ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کی
وعدت پر ایمان لانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے ان لوگوں کے احوال کو کھوٹی
حاصل ہوتی ہے وعدتِ فکر کے بغیر دنیاوی امور بھی ایسے ہوئے ہی رہیں گے۔
اور کفار و مشرکین کی طرح ایسے لوگ ہمیشہ ستر نزل ہی رہیں گے۔

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ① وَالْأَرْضِ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ نَوْجٍ يَهْبِجُ ② تَبْصِرَةً وَذِكْرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ③ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَلْبَتْنَا بِهِ حُلَّتٍ وَأَحَبِّ الْمَصِيدِ ④ وَالنَّخْلَ بَسَقَ لَهَا طَلْعُ نَضِيدٍ ⑤ رَزَقْنَا الْعِبَادَ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلَدَةً مَيِّتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ⑥ كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ⑦ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ⑧ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَيْعٍ ⑨ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدُ ⑩ أَفَعَيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ⑪

۱۵
۱۶

ترجمہ کیا نہیں دیکھا ہیں لوگوں نے آسمان کی طرف
 ان کے ٹہر کر کس طرف ہم نے بنایا ہے اس کو ، اور
 زمین بخت ہے اس کو اور نہیں ہے اس میں کس قسم
 کی کوئی ردا ① اور زمین کو پیدا ہم نے ، اور ہم نے
 اس میں پھل پاتا ، اور اگائی ہم نے اس میں اور

قسم کی بدولت چیر ④ یہ بصیرت اور نصیحت ہے ہر بندے کے لیے جو رجوع رکھتا ہے ⑤ اور اللہ ہم نے آسمان کی طرف سے ایک پانی ، پس اگلے ہم نے اس کے ساتھ انعامات اور کثرت جو کاٹے جاتے ہیں ⑥ اور بکھری بسی بسی جن کے خوشے میں شہر ہے ⑦ یہ بڑی ہے بندوں کے لیے ، اور زندہ کیا ہم نے اُس (پانی) کے ساتھ مردہ زمین کو ۔ اسی طرح ہو گا دوبارہ نکاح ⑧ جھٹلایا ان سے پہلے قوم فرج نے ، اور کنوئیں والوں نے اور قوم ثمود نے ⑨ اور قوم عاد نے اور فرعون نے اور لوط کے بھائیوں نے ⑩ اور جنگلی میں کھنڈے والوں نے اور جمعہ کی قوم نے ۔ سب نے جھٹلایا اللہ کے رسول کو ، پس ثابت ہو گیا میرا عذاب سے ڈرنا ⑪ کیا ہم خشک کئے ہیں پہلی مخلوق کو بنا کر ؟ نہیں بکہ یہ لوگ استغناء میں پڑے ہوئے ہیں نئے پیدائش کے متعلق ⑫

بطلانِ کثرت

ابتداء سورۃ میں قرآن کریم کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے ۔ پھر اللہ نے پیغمبر علیہ السلام کی رسالت اور قرآن کی امت کا انکار کرنے والوں کا تذکرہ کیا ، اور فرمایا کہ یہ کوئی سچا نبی کی بات ہے کہ اللہ نے انہی میں سے ایک شخص کو مندر بنا کر بھیجا ہے اور اس کے ذریعے اپنا پیغام مخلوق تک پہنچایا ہے ۔ انسانی تاریخ سے ثابت ہے کہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے رسول بنا کر ان کی طرف بھیجتا رہا ۔ اب اللہ کا آخری رسول بھی انہی میں سے ہے تو یہ کوئی عجیب بات گز نہیں ہے ۔

اللہ نے دوسری بات یہ فرمائی کہ یہ لوگ کہنے لگے ہیں کہ ہم مر جائیں گے ۔ اور ہمارے اہل گمراہیہ دینہ ہرگز نکلے میں نہ لیں جائیں گے تو ہم دوبارہ کیسے اٹھائے جائیں

گئے؟ یہ تو بیدار عقل معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جسم کا جتنا حصہ زمین پہنچے اندر جذب کر لیتی ہے، اسی جسم کو جلتے ہیں، لہذا ضرورت کے وقت ہم وہ تمام منتشر شدہ اجزاء جمع کر کے انہیں کو دوبارہ کھڑا کر دیں گے۔ فرمایا یہ تمام چیزیں روح محفوظ میں ہی محفوظ ہیں، لہذا انہیں کے اعضاء کو جوڑ کر دوبارہ زندہ کر دیں، ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں، یہ لوگ تو محض شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔

وہ لوگ جو امت
آسمان کی
تحقیق

اللہ تعالیٰ نے وقیع قیامت کی دلیل کے طور پر فرمایا اَنۡتُمْ يَنْظُرُوۡا
اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَٰكُمْ كَيْفَۤ اُنۡزِلَۡنَا كِبٰرَۤ اِلٰہِۤ اِنۡ لَّا تُرٰۤی اَسْمٰۤاۤنَ كَرۡسِیِّ
دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے وَذٰیۤ اُنۡزِلَۡنَا اور ہم نے اُس کو کسی روز قیامت
پہنچا ہے وَمَا لَہُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَرُوۡۤا اور اس میں کوئی رد و اثبات سوراخ نہیں ہے۔

قرآن پاک میں مختلف مقامات پر آسمان کی قدرت کی دلیل کے طور پر پیش
کیا گیا ہے۔ جیسے سورۃ النبا میں فرمایا وَبَدَّلْنَا فَوْقَہُمْ سَبۡعًا مِّثۡدَادًا
(آیت ۱۲۰) اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمانی بنائے۔ سورۃ النحل میں
ارشاد ہوا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِعِشْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (آیت ۱۰۰) اُس نے
آسمانوں کو خیزوں کے مضبوط پیا کی جیسے تم دیکھتے ہو۔ جہاں تک آسمان کی روانی کا
تعلق ہے تو یہ گرد و غبار اور آسمان سے پاک آسمان پر رات کے وقت دیکھی جاسکتی
ہے جب کہ سیارے اور مائے قدیموں اور فالاسوں کی طرح جھلک جھلک کر رہے
ہوتے ہیں۔ انہیں کا تعمیر کردہ مکان کتنا ہی مضبوط ہو۔ مگر کچھ عرصہ بعد ٹکستے
ریخت کا شکار ہو جاتے مگر قدرت کا قائم کردہ یہ نظام کسی لاکھوں سال سے
چل رہا ہے مگر اس کے آسمان میں ذرہ بھر بھی رد و اثبات نہیں آئی۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی
قدرت کمزور اور کمزور ہوتی ہے؟ دوسری جگہ فرمایا لَخَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَآلَۤاَرْضِ اَكۡبَرُۤ اَمۡرٍ مِّنۡ خَلْقِ النَّاسِ وََاللَّوۡمِۡنِ (۱۰۰) آسمانوں اور زمین کی پیدائش
انہوں کی پیدائش سے بڑا کام ہے۔ انہیں تو ایک جھٹکی ہی ہوتی ہے۔ جب کہ انھوں نے
زمین و آسمان جیسی بڑی بڑی چیزوں کو بشری نظام کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اس

حقیقت کے پیش نظر انسان کی دوبارہ پیدائش کیوں دشوار معلوم ہوتی ہے۔

(۲) زمین کا
پھیلاؤ

آسمان کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا قُلْ اَوْشِكُ مَعَكُمْ لَمَّا كُنْتُمْ اَرْضًا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کس طرح پھیلا دیا ہے۔ زمین کو اس قدر چمور بنا دیا ہے کہ انسانی لود جانور اس پر آسانی کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں اور کادو بار زندگی انجام دیتے ہیں۔ زمین نہ تو اتنی نرم ہے کہ انسان اور جانور اس میں دھنس جائیں اور نہ اتنی سخت ہے کہ اس سے کام بھی نہ لیا جاسکے۔ چنانچہ لوگ زمین پر سڑکیں اور عمارت تعمیر کرتے ہیں، اس کو کھود کر اس میں کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ جس سے پھل پھول اور فائدہ حاصل ہوتا ہے جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔ زمین کو چاندی اور فست سے پانی نے گھیر رکھا ہے، اس کے باوجود اس میں غلط فہمی پیدا کر دیا ہے جس کی وجہ سے اس پر شب و روز تمام کام انجام دیے جاتے ہیں۔

بعض لوگ مَعَكُمْ لَمَّا كُنْتُمْ اَرْضًا کے لفظ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ زمین چمور ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ زمین ایک گیند کی مانند کر دی ہے ایک عام گیند پر قائم ہونا تو دشوار ہے مگر زمین کا قطر چھ مہینے ہزار میل ہے، اور اتنا بڑا کر دھونے کی وجہ سے اس کی گولائی محسوس نہیں ہوتی موجودہ زمانے میں سائنس دان زمین کی حدود سے نکل کر فضا کا سفر اختیار کر رہے ہیں۔ جب وہ اوپر جاتے ہیں تو زمین کی بھی اسی طرح گول دکھائی دیتی ہے جس طرح ہم زمین سے چاند کو ایک گیند کی شکل کا دیکھتے ہیں۔ زمین کے پھیلاؤ کی مثال پڑائی ریاضی طے اس طرح دیتے ہیں کہ اس زمین پر واقع بنیس ہزار فٹ بلند پہاڑ کی حیثیت اتنی ہے۔ جتنا ایک گز کے اوپر چوکاسا رہواں حصہ رکھ دیا جائے۔ اس لیے زمین چمور دکھائی دیتی ہے حالانکہ یہ گول ہے۔

اشر نے زمین کا ذکر کر کے فَرَمٰی وَالْغَیْبُ مٰکِرٌ فٰیہَا وَہَا سَیِّئٌ ہم نے اس میں برجیل پیدا کر رکھی ہے تاکہ زمین کے بہنے والوں میں اضطراب پیدا نہ ہو۔ اب اضطراب دو قسم سے ہے۔ پہلے اضطراب کی مثال ایک کشتی کی ہے کہ جس پر

(۳) پہاڑ اور
نہاات

ایک طرف زمین پر اور دوسری طرف ہوا کر ڈولے گئی ہے، لہذا اس کا توازن قائم رکھنے کے لیے اس کے دونوں طرف برجہ کو بڑا کر دیا جاتا ہے۔ زمین پر پہاڑ رکھنے کا ایک مقصد بھی یہی ہے کہ زمین غیر متوازن ہو کر ڈولنے نہ پائے۔ اس بات کا ذکر الشرع سورۃ الانبیاء میں بھی فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رِجًا أَنْ لَا تَجْبِيَ إِلَّا بِرِجٍّ (سورۃ الانبیاء: ۲۱) ہم نے زمین میں برجھل پہاڑ رکھ دیے ہیں تاکہ نہ ڈولے نہ پائے۔

دوسرا اضطراب معنوی ہے۔ یعنی اللہ نے جگہ جگہ پہاڑ رکھ دیے ہیں۔ کہ ان کے بغیر لوگ بہت سی اشیاء سے محروم رہتے جو ان کے اضطراب کا باعث ہوتا۔ مثلاً پہاڑوں سے بیش قیمت پتھر، سنا، چاندی، کوئلہ، لوہا اور دیگر معدنیات حاصل کی جاتی ہیں ان پر بڑے بڑے درخت ہوتے ہیں جن سے عمارتی لکڑی حاصل ہوتی ہے۔ پہاڑوں پر پیدا ہونے والی تھری بوٹیوں سے کام لیا جاتا ہے اور یہاں پیدا ہونے والے پھلوں سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

فرمایا وَأَنْتُمْ كَافِرُونَ کئی ذوق نگاہیں اور ہم نے اس زمین میں ہر قسم کی آبادی چیزیں بھی پیدا کی ہیں۔ یہ ہیں زمین کی ایک انسانی خصوصیت ہے۔ زمین ہر قسم کے درخت، پھل، کھیتیاں، پھل اور آج پیدا ہوا ہے۔ جو انسانی اور حیوانی زندگی کی بنیاد کے لیے ضروری ہے۔ اس زمین پر آدمی کی تعداد میں انسانی آبادی کے علاوہ لاکھوں کروڑوں حیوانات اور بے شمار کیڑے مکوڑے بھی ہیں۔ جن کی مختلف قسمیں، مختلف شکلیں اور مختلف رنگ ہیں۔ یہ سب چیزیں اللہ نے زمین میں ہی پیدا کی ہیں۔ اور یہ سب کچھ تَبْرِئًا اور ذُكْرًا اور نُكْلًا عَبْدًا قَبِيضًا بصیرت اور نصیحت ہے ہر اٹھ شخص کے لیے برزخ تَعَالٰی کی طرف رجوع رکھتا ہے۔ آسمان و زمین کی تخلیق، انسانوں، حیوانوں، نباتات، جمادات، سمندری اور دریاؤں کی تخلیق، نیز پہاڑوں، میدانوں اور دیگڑوں کی وسعت کو دیکھ کر صاحب عقل انسان میں بصیرت پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی نشانیوں سے خدا تعالیٰ

کی قدرت اور اس کی وحدانیت کو بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی قدرت کے دلائل ہیں، جن میں خود کرنے والا کوئی شخص و ذریعہ قیامت اور بعثت مجدد الموت کا انکار نہیں کر سکتا، بعصیت اور عصیت سے مراد ہے

اسی بارش کا
نخل

پھر فرمایا **وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا** اور ہم نے آسمان کی طرف سے بابرکت پانی نازل کیا۔ سورۃ الفرقان میں **مَاءًا طَهُورًا** (آیت ۴۸) کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ہم نے آسمان کی طرف سے پاکیزہ پانی اتارا ہے۔ طہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو خود پاک ہو اور دوسری چیزوں کو پاک کرے۔ پس گرا پانی کو اللہ تعالیٰ نے اگر طہارت یعنی پاکیزگی کا قدر پیر بنایا ہے۔ پانی ایک ایسی چیز ہے جس پر ہر چیز کی زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا **وَجَعَلْنَا مِزَاجَ الْمَاءِ كَثَلًا شَتًی** (آیت ۳۰) ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کو جدت بخشی۔ پانی انسانی جسم کی ایک اہم ضرورت ہے جس میں پانی کی کمی سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ انسان کے جسم میں گردش کرنے والے خوں میں اتنی فیصد پانی اور سیٹس فیصد پانی غذائی مادہ ہیں۔ اور اسی خوں کے ذریعے جسم کے مختلف ساختوں کو غذا امیہ کی جاتی ہے۔ لہذا اس سے پانی کی اہمیت کی وضاحت ہوتی ہے۔

اللہ نے بارش کے پانی کو ابرکت فرمایا ہے۔ بارش کے موقع پر ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے اپنی آستین سے پٹا پٹا کر لیا تو ہمارے کانگے گریاں کانگے بارش کے قطرات اس حصہ جسم پر پڑیں۔ آپ کے بارش کا پانی اپنے جسم پر مل گیا۔ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ یہ پانی اتنا نادر آسمان کی طرف سے نازل ہوا ہے جو کہ بابرکت ہے۔ جب یہ زمین پر گرے گا تو پھر اس میں کئی کئی فٹیں بھی شامل ہو جاتی ہیں لہذا بلکہ درست نازل ہونے والا پانی جڑا بابرکت اور پاکیزہ ہے۔

فرمایا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا جو کہ بابرکت ہے **فَاَنْبَتَا بِهِ جَبَلًا وَجَبَلٌ خَضِیدٌ** پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے بانگات آسمان کی جاننے والی فصل اگائی۔ ظاہر ہے کہ پانی کے بغیر نہ تو کوئی چیز کاشت کی جا سکتی ہے

پانی درمیانی
کاشت

اور نہ اس سے پھل و آماج وغیرہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لڑکا شکاری میں پانی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جس کے نیچے میں پھل، پھول، آماج اور سبزیوں کی گلیاں پیدا ہوتی ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہیں۔ یہاں پر دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے پہلی چیز پانی کا فائدہ ہے، دوسری چیز آماج ہے جو توڑ لیا جاتا ہے اور درخت قائم ہوتے ہیں۔ ان درختوں پر بار بار پھل آتا ہے۔ جسے برداشت کر کے استعمال میں لایا جاتا ہے دوسری چیز حب تحسید یعنی وہ کیفیتیں یا فصلیں ہیں جو یک جہتی پر نکل کر پکھل جاتی ہیں اور پھر ان کے موسم میں دوبارہ کاشت کی جاتی ہیں۔ آماج کی فصلوں کے علاوہ سبزی ترکاری اور چارہ وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔

پھر فرمایا وَالْغُلَّابُ بَيْضَاتٍ ہم نے میں میں کھجور میں بھی پیدا فرمائیں۔ آسم کی طرح کھجوروں کی بھی سیکنٹوں اقسام ہیں کھجور کا درخت بالعموم لمبا اور بڑا ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے کھجور کے درخت کو ایک عرس کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح ایک عرس آدمی کے دل میں بیان کرتا ہے اور وہ عبادتِ رخصت میں مدد دے اختیار کرتا ہے، اس طرح کھجور کا درخت بھی جیشہ سرسبز رہتا ہے اس کا پھل ایک عرس آدمی کی طرح سفید ہوتا ہے جس سے شریعت، شریعت پیدا ہوتا ہے اور بعض علاقوں میں کھجور کو خوراک کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے میں میں کھجور میں پیدا کریں لَهَا طَلْعٌ خَضِيبٌ جن کے خوشے تہہ بہ تہہ ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں وَرَوْقًا يُلْقِيهِ بَاوِنِدُونَ کے لیے روزی کا ذریعہ ہیں آماج پھل، کھجور، سبزیوں وغیرہ نہ صرف انسانوں کی خوراک ہیں۔ بلکہ جانور بھی انہی چیزوں پر چلتے ہیں۔ چارہ وغیرہ تو خاص طور پر جانوروں کے لیے اگایا جاتا ہے، تاہم انسان کا بھروسہ اور درختوں کے پتے وغیرہ بھی جانوروں کی غذا کیسے ہیں۔

پھر فرمایا وَالْحَبِيبَاتُ یہ بکندہ مینٹا اور ہم نے پانی کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ جب بارش نہیں ہوتی تو زمین خشک ہو کر ناقابل کاشت بن جاتی ہے اسی لیے اس کو مردہ کہا گیا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے تو اس میں روئیدگی کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اور جب اس میں بیکریا پیدا

بعثت بعد
طہرت پر
دلیل

سب کو یہ چل چھوڑ دینی ہے۔ نہ ہی کی زندگی سے بھی مراد ہے۔ فرمایا میں طرح رقم مردہ
 نہیں کی زندگی کا مردہ و مشاہدہ کرتے ہو گزشتہ الحشر کو اسی طرح رقم مرنے
 کے بعد زندہ ہو کر قبروں سے دوبارہ نکلے۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کو
 اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسنے لگا۔ جس کے نتیجے میں انسانی اجسام زمیں سے اس طرح
 نکلیں گے جیسے زمین سے پوسے نکلتے ہیں۔ باقی یہ بات کہ اب مرحے زندہ
 ہو کر کیوں نہیں نکلتے؟ تو بھائی! اللہ کا یہ قانون ہے کہ اس نے ہر کام کے لیے ایک
 وقت مقرر کر رکھا ہے، جب وہ وقت آجاتا ہے تو وہ کام بھی ہو جاتا ہے۔
 وقرآن قیامت اور دوبارہ زندگی کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جو بخیر وہ وقت
 آئے گا، اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ کیونکہ اس کا فرمان ہے کہ میں طرح ہم
 نے مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا اسی طرح ہم اس کو دوبارہ بھی اٹھائیں گے وَفَعَلْنَا
 عَلَيْهِمْ آيَاتًا كَثِيرًا فَأُولَٰئِكَ كَانُوا فِيهَا يَسْتَكْبِرُونَ (الانفاد - ۱۰۳) یہ ہمارا وعدہ ہے جسے ہم پورا کر
 کے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایسی عقلی دلیل بیان فرمائی ہے جس کو کوئی بھی عقل مند
 آدمی رد نہیں کر سکتا۔

آگے اللہ نے تسلی کے طور پر فرمایا کہ وقتی قیامت اور عیث بعد الموت
 کا انکار مشرکین کر ہی نہیں کر سکتے ہیں بلکہ سابقہ اقوام بھی ایسی ڈگر پر چلتی رہی ہیں۔
 چنانچہ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ ان سے پہلے قوم ثور نے بھی اسی طرح
 تکبر کیا۔ وہ بھی تعجب کرتے تھے کہ مرنے کے بعد انہی دوبارہ کیسے زندہ ہو
 جائیں گے، آج تک تو کسی کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں۔ وَأَصْحَابُ الرَّسَدِ كَانُوا فِي
 دَلَالٍ انہوں نے بھی جھٹلایا۔ قرآن میں سورۃ النحل اور سورۃ الفرقان یہودی اس کوئی کا ذکر
 آیا ہے مگر یہ تصریح موجود ہے کہ یہ کون کون تھا اور اس کی طرف منسوب لوگ
 کون تھے؟ اس کوئی کے عمل و اقوال کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ عام
 بیضاوی فرماتے ہیں کہ کون ایک انڈیا کی قوم تھا۔ بعض ائمہ میں حضرت موسیٰ
 کے قریب بتاتے ہیں۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت صدیق علیہ السلام کے ساتھ

سابقہ اقوام
 کی تکذیب

ہیں، اپنی کراچی بستیوں سے نکال دو۔ آخر اللہ نے ان کی پوری بقی الٹ دی تو پھر
سے پتھروں کی بدلتی کی اور وہ ساری قوم جھک ہو گئی۔

وَأَضْعَبَ الْإِسْكَتَ بِهٖ حَضْرَتِ شَيْبِ عَلِيہ السلام کی قوم تھی جو جنگل کے
پہاڑوں پر تھے۔ فَكَذَّبُوهُ فَاتَّخَذَ لَهُمُ الْإِسْكَتَ فَاَضْعَبُوا فِي

دَارِہِمْ جُجُثِیْن (العنکبوت۔ ۲۷) انہوں نے بھی اپنے پیغمبر کو جھٹلایا، پھر
ایک سیخ آئی اور وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گر پڑے تھے۔ وَقَوْفُ رَبِّعِمْ
اور سیخ کی قوم نے بھی تکذیب کی۔ تب اپنے پیغمبر قبیلے کا سردار تھا یہ خود مسلمان تھا مگر
اس کی ساری قوم کافر تھی۔ بعض فرماتے ہیں کہ سیخ نبی تھا مگر اس کی تصدیق نہیں ہے
فرمایا كَذَّبَ الرَّسُولَ الْهَقِیْ وَرَبِّعِمْ ہن سب اقوام نے اپنے اپنے
رسولوں کی تکذیب کی، پس میرا در ٹھیک ثابت ہوا اور یہ سب لوگ سزا کے تحت تھے
یہ مکے والوں کو عبرت دہانی جاری ہے کہ اگر وہ بھی پرانی قوموں کے نقش قدم پر
چلتے سبے قرآن کا انجام بھی انہی سے مختلف نہیں ہوگا۔

انہوں نے پیغمبر سلی بات نبوت بعد الموت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا
أَفَعِیْثًا بِالْحَلَاكِ الْاَوَّلِ کیا ہم پہلی مخلوق کو پیدا کر کے تھک گئے تھے، اور
کیا ان کو دوبارہ پیدا کرنے کی ہم میں طاقت نہیں رہی تھی؟ فرمایا ایسا نہیں ہے
بلکہ جس طرح ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کر دیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کرنے پر
بھی قادر ہیں۔ جب تم خود اپنی پہلی پیدائش کو تسلیم کرتے ہو تو دوسری تخلیق کا کیسے
انکار کرتے ہو؟ دوسری جگہ فرمایا کہ ہمارے بے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ یہ
توہ دانی اور جہالت کی بات ہے کہ ہم پہلی بار مخلوق کو پیدا کر کے عاجز آ گئے ہیں۔

فرمایا اِنِّیْ هُنَّ فِیْ قُرْآنِ خَلِیْقِ حَیْذِیْ بَلَدِہِ لَوْ لَمْ یَخْلُقِ کے
سطحے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ مذکورہ دلیل پر خدا بھی غور کرتے
تو بات سمجھ میں آجاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں یہ اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسُّوْسُ بِهِ ۖ نَفْسُهُ
 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ (۱۶) إِذْ يَتَكَلَّمُ
 الْمُسْكَلِّينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ (۱۷)
 مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ (۱۸)
 وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ
 تَحِيدُ ۝ (۱۹) وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ۝ (۲۰)
 وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝ (۲۱) لَقَدْ
 كُنْتَ فِي عُفُكَةٍ ۖ مِنْ هَٰذَا فَكُشِفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ
 فَبَصُرَكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ (۲۲)

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو اور ہم
 جانتے ہیں اسی باتوں کو جو دوسرے کرتا ہے اس کے ساتھ
 اس کا نفس ، اور ہم زیادہ قریب ہیں اس سے اس کی
 دھڑکنے والی دگ سے (۱۶) جب کہ بیٹھتے ہیں دو بیٹھے
 واسے دائیں اور بائیں طرف سے جو بیٹھے ہوئے ہیں (۱۷)
 نہیں بولتا وہ کوئی لفظ مگر اس کے پاس ایک نگران
 ہوتا ہے تیار (۱۸) اور آئی بیوشی موت کا سن کے
 ساتھ یہ وہ چیز ہے جس سے تر ہوتا تھا (۱۹) اور چھوٹا
 جانے کا صور ہیں یہ وہ ہے ڈانسنے کے ہنگام (۲۰)

اور آئے گا ہر نفس کو اس کے ساتھ ہر کا ایک چلنے والا اور ایک گواہی لینے والا (۳۱) بہت تحقیق تھا تو خلقت میں اس دین سے ۔ پس ہم نے کھول دیا ہے تجھ سے حیرت پر دے کر ۔ پس تیری آنکھ آج بہت تیز ہے (۳۲)

وہابیات

پہلے اللہ نے نبوت و رسالت کے حکمران کا شکوہ کیا ، پھر قیامت کے حکمران کا رد کیا اور اس پر عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے۔ پھر عبرت کے طور پر اللہ نے چند سابقہ اقوام کا حال ذکر کیا کہ انہوں نے نبوت و رسالت اور قرع قیامت کو جسٹو یا تو ان کا انجام بھی بہت بڑا ہوا۔ اللہ کا ڈرنا بڑی ثابت ہوا اور یہ لوگ جگہ خواب ہوئے و قرع قیامت اور بعثت بعد الموت کے متعلق فرمایا کہ کیا ہم مخلوق کو پہلے دفعہ پیدا کر کے قلع گئے تھے کہ دوبارہ پیدا کرنا کمال ہو جائے گا ؟ اس میں کوئی سی غلط عقل اور تعجب ان چیزات ہے ؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ دوبارہ زندگی کو کیوں بھان سمجھتے ہیں جب کہ ہم جانتے ہیں کہ انسانی جسم کا کرنا جس کس زمین نے میٹ لیا ہے اور اب اس کے منتشر ذرات کہاں کہاں موجود ہیں۔ جب ہم چاہیں گے ان ذرات کو اکٹھا کر کے انسان کا ڈھانچہ پھر سے کھڑا کر دیں گے۔

وہابی
نفاذی

بیرونی مشاہدات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے انسان کی تخلیق اور اس کی اندرونی کیفیات کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ اور غلبہ تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے وَنَعْلَمُ كَمَا تَوَلَّوْنَ یہ کہ نفسہ اور ہم ان چیزوں کو بھی جانتے ہیں جن کے ساتھ اس کا نفس دوسرے کہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے ، وہ تو انسان کے دل میں پیلہ ہونے والے دوسرے کو بھی جانتا ہے۔ دوسرا ایک معمولی سے خیال کا نام ہے جو انسانی کے دل میں خیر و خیر کی طرح پیلہ ہوتا ہے۔ عربی زبان میں اس کو صاحب

کہتے ہیں، مگر ایک ہکا سافعال آیا اور پھوٹا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جبرئیل آتا ہے وہ فوری طور پر نہیں جلتا بلکہ تھوڑی دیر تک قف کے بعد جاتا ہے۔ اس کو خاطر کرتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی قفس خیال میں آجاتا ہے جس کو حدیث نفس کہا جاتا ہے اس پر بھی اس وقت تک ٹھانڈہ نہیں جب تک نہ اس سے اس کا غلط اندازہ کیا جائے یا اس پر عمل نہ کیا جائے انسان کے نفس میں بعض چیزیں ایسی بھی آتی ہیں جن سے انسان لطف لے لے رہا ہے اس کو ہم کہتے ہیں اطمینان یعنی وہی دوسرے کا اندر کہا جاتا ہے۔ البتہ انسان کے دل میں جبرئیل اگر پہنچتا ہوتا ہے اس کو غم یا پختہ اندازہ کہا جاتا ہے۔ یہ صورت قابلِ ملاحظہ ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام وساوس قابلِ ملاحظہ نہیں۔ فرمایا یہ ایک تری چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

قریب غدار

نیز یہ بھی فرمایا وَتَحْنُ أَقْرَبُ دَلِيلُكَ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ اور ہم تر انسان کو دھڑکتی ہوئی رگ سے بھی اُس سے زیادہ قریب ہیں۔ حبلِ الوَرید شاہِ رگ کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے جھاتی خون سر کی طرف جاتا ہے اور جس کے کٹنے سے جسم اور روح کا تعلق ختم ہو کر انسان ہکا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اتنی قریب شاہِ رگ بھی نہیں ہیں پر انسان کی موت اور زندگی کا انحصار ہے۔ اس ضمن میں شاہِ جبرائیل کہتے ہیں کہ انسان کی شاہِ رگ اُس کے نفس یا جان سے لڑا ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تو شاہِ رگ کے اندر والی چیز سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

امام بیہقویؒ اور امام مغربیؒ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قربت باعتبار علم ہے کیونکہ وہ انسان کے اندر دلی اور بیرونی حالات کو اس حد تک جانتا ہے جس تک انسان خود بھی پہنچنے والی حالت سے واقف نہیں مثلاً انسان اپنے جسم کے جس عضو کو دیکھ سکتا ہے اُسے تو جانتا ہے مگر جسم کے جس حصے پر اُس کا نظر نہیں پڑتا۔ اُس کو نہیں جانتا۔ مگر اللہ تعالیٰ انسان کے ایک ایک بال سے واقف ہے لہذا وہ انسان کی اپنی ذات سے بھی اُس کے زیادہ قریب ہے۔

اس کے برخلاف خاص خدا یا اللہ پانی چنانچہ تغیر منظری میں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی انسانی
 کے ساتھ قربت محض علی نہیں بلکہ ذاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا قرب کسی مکان
 زمان یا کسی خاص کیفیت کے ساتھ متعین نہیں ہے کیونکہ اس کی ذات تو ان چیزوں
 سے منزہ اور برآ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قرب وہی ہے جو معلول کو اپنی علت کے
 ساتھ یا اس کے کو اپنی اصل چیز کے ساتھ ہوتا ہے۔ دیکھئے! اس لئے کہ ہستی اصل
 چیز پر قیوم ہے، مگر اصل نہیں ہے تو سایہ بھی معدوم ہو جائے گا۔ اسی طرح
 ہر چیز کی علت تو خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ تو جو قرب معلول کو اپنی علت کے ساتھ
 ہوتا ہے، وہی قرب اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ ہے اور یہ قرب ذاتی ہے۔
 کیونکہ خدا تعالیٰ کی قومیت ہر چیز میں بآثر باقائے ذات ہے۔ تاہم خاص صاف ہے کہ
 اس قرب کو ظاہری دلیل سے معلوم نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو فراست کے ساتھ ہی سمجھا
 جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور قرب بھی ہے جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو حاصل ہوتا ہے
 اس کو بھی ظاہری دلیل کی بجائے فراستِ ایمانی کے ساتھ ہی محسوس کیا جاسکتا ہے
 یہ قرب بھی کسی زمان مکان یا وقت کا محتاج نہیں ہوتا کہ کسی خاص وقت میں
 ایک مقام سے دوسرے مقام تک مسافت طے کر لیا جائے تو ان کی چیز کے
 قریب ہو جائے، بلکہ ہمیشہ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرب ذاتی ہے،
 خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان محفلت کے مترادف ہوتے ہیں، اور جتنے پرستے
 ہٹتے جاتے ہیں اتنا ہی قرب حاصل ہوتا جاتا ہے مگر یہ قرب کسی خاص کیفیت
 کے ساتھ تکلیف نہیں ہے۔ اسی لیے کہ کیا ہے کہ خدا کی ذات کو لوگوں کے
 ساتھ جو قرب حاصل ہے، اس کی صورت یہ ہے: بہت قرب انسان پہنچان
 ناموس۔ اتصال بے تکلف بے قیاس۔

گویا یہ قرب کسی کیفیت میں ظاہر نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی یہ چیز قیاس میں آسکتی
 ہے۔ تاہم جب یہ قرب حاصل ہوتا ہے تو انسان کے اعضاء و جوارح بھی خدا تعالیٰ

کی احاطت اور خوشنودی میں بسر ہونے لگتے ہیں اور پھر ان سے انفرادی نہیں بلکہ
 شامہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بندے سے شادمانی سے
 بھی زیادہ قریب یاس مکنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عقلی اعظم کا عکس انسان کے نفس اللہ
 اور دماغ الہی پر پڑتا ہے۔ دماغ کے ہست سے مراتب ہیں اور خدا کی عقلی اعظم
 کا عکس اس کے انتہائی مرتبہ پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ہر فرد کے
 ساتھ اس کی ذات سے بھی زیادہ قرب حاصل ہے۔ یہ قرب آج محسوس نہیں
 ہوا کیونکہ وہ دنیا میں اپنے ظہار پر نہ مائل ہیں۔ جب انسان کی یہ مادی حیات ختم
 ہوگی اور وہ اس مادی غول سے باہر نکلے گا تو وہ دنیا کے مسائل پر نہ ہٹ جائیگا
 تو اس وقت اس کو قرب کا احساس ہوگا۔ اگر اس نے دنیا کی زندگی میں ہی سب سے
 کامیاب کر ملکیت کو اختیار کر لیا ہے تو اس کو دوست حاصل ہوگی، اور اگر اس نے دنیا
 میں اپنے مالت کو خواب کر لیا ہے اور پستی میں چلا گیا ہے تو پھر اس کو سخت تکلیف ہوگی
 کیونکہ عقلی اعظم کی کشش تو اوپر کی طرف ہوگی اور یہ شخص نیچے کی طرف چلا کر آئے گا۔ اسی لیے
 فرمایا کہ خدا تعالیٰ کو انسان کے ساتھ اس کی شادمانی سے بھی زیادہ قرب حاصل ہے
 پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہی کے ہر فعل مکنی کو دل میں پیدا ہونے
 والے دوسرے کو بھی جانتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے انسان کے قول
 فعل کی مخالفت کا ایک غیر شرعی ازل قلم نامہ ذکر کیا ہے۔ اسی چیز کے تعلق فرمایا۔
 اذ یستلھم المستلھون عن النبیین وعن الشکال فیئید جب کہ دو پہلے دلائل
 سے لیتے ہیں جو کہ اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ معنی انسان کے ہر
 قول و فعل کہ اللہ تعالیٰ کے مقدر کردہ و مقرر شدہ ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ ان سے
 مراد کہ کاتبین فرشتے ہیں جو ہر انسان کے ساتھ مقدر ہیں اور جن کے اتفاق سورۃ
 الانفطار میں ہے کیا انا انکم یقلمون یا انکم یفعلون؟ (کیا ہم تم کو لکھتے ہیں یا تم کو لکھتے ہیں؟)
 یہ کہ کاتبین فرشتے ہیں جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں اور تمہارے ہر قول اور

ہر قول و فعل
 کا ریکارڈ

ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ وَشَءٌ يَّحْيِيهِ رَہِی چیز ہے جس سے تو پکنے کی کوشش
کیا کرتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا یہ اثر فیصلہ ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَٰلِقَةُ الْمَوْتِ
(تھکبوت ۵۰) ہر نفس نے موت کا زائقہ چکھتا ہے۔ موت سے بچنے کی تیری
کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، تجھے بالآخر اس گھاٹی سے گزرنا پڑا، اور موت کے سکرات
طاری ہو گئے، یہ سکرات جیسے تلخ ہوتے ہیں، اسی لیے حضور علیہ السلام نے
یہ دعا سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ سَقِّلْ عَلَيْنَا سَكْرَاتِ الْمَوْتِ وَفِرَاتِ
الْمَوْتِ اٰمِنٌ! ہم پر موت کے سکرات اور اس کی تکلیفوں کو آسان کر دے۔

بعثت بعد
الموت

اس دنیا میں ہر شخص کے لیے الطہری موت آتی ہے۔ پھر جب قیامت
برپا ہوگی اور پہلا صور پھونکا جائے گا تو اس وقت دنیا پر موجود ہر چیز فنا ہو جائے گی۔
اس کے بعد پھر بعثت بعد الموت اور حساب کتاب کی منزل آئے گی جس کے متعلق
فرمایا وَفُتِحَ فِي الْعُشُورِ اور صور میں پھر پھونکا جائے گا۔ اس سے دوسرا صور مرقوم
فرمایا ذَٰلِكَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ یہ دن ان کے دن کا وعدہ ہے۔ اب حساب کتاب
کی منزل شروع ہوئے والی ہے۔ یہ وہی دن ہے جس سے اللہ کے پیروں کو کھڑے
رہے۔ اس دن کے متعلق فرمایا وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ
اور ہر شخص عشر کی بارگاہ میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک گواہ لائے گا اور
ایک گواہ ہوگا۔ سائقی کا معنی لائے والا ہوتا ہے۔ جدید عربی میں لڑائی ہو کر بھی سائقی
کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی گاڑی کو لائے گا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک فرشتہ قرآن کی
آیتوں کی حدیث کی طرف سے جانے گا اور دوسرا فرشتہ اس کا اعمال نامہ پیش کرے گا۔
گویا اس کی کارکردگی پر گواہ ہوگا۔ دنیا میں بھی عام طور پر یہی دستور ہے کہ ایک
سپاہی مجرم کو پکڑ کر عدالت میں پیش کرتا ہے اور دوسرا شخص اس کے خلاف
چالان پیش کرتا ہے غرض کہ اللہ کے دلی پیش کیے ہیں ہر شخص کے ساتھ دو
فرشتے ہوں گے۔

پھر ارشاد ہوگا لَقَدْ كُنْتُمْ فِي عَفْوَةٍ مِّنْ هٰذَا دُنْيَا كِي تَرْجَعُوْا اِلٰى اٰتِیِّكُمْ
 تو آج کی کارروائی سے غفلت میں پڑا ہوا تھا۔ اللہ کے پیغمبروں کو لانے والے آتے
 ہے اور تجھے اس دن کی ہون کیوں سے خبردار کرتے ہے مگر تو نے اس وقت اس
 کی کچھ پروا نہ کی کہ وہ اس وقت تجھے یہ منزل نظر نہیں آتی تھی۔ اس کے برخلاف آج
 صریح حال یہ ہے فَكُنْفًا عَنِكَ بِخُكَاؤِكَ کہ ہم نے تجھ سے تیرے پرے
 کھول دیے ہیں۔ آج تمہیں وہ تمام چیزیں نظر آرہی ہیں جن کا تو انکار کیا کرتا تھا۔
فَبَصِّرْكَ الْیَوْمَ حَیْدٍ آج تیری آنکھیں تیز ہو گئی ہیں آج تجھے فرشتے،
 جنت، دوزخ، عرش الہی وغیرہ سب چیزیں نظر آرہی ہیں۔ اب تجھے یقین آیا
 ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور پیغمبروں نے ٹھیک بات کہی تھی، مگر آج کا پچھتاؤ
 تیرے کسی کام نہیں آئے گا۔ اور تجھے ذرے ذرے کا حساب دینا ہوگا۔

وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَىٰ عَيْنِي ۖ ۝۵۱ اَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ
 كُلٌّ كَمِثْلِ عَيْنِيَ ۖ ۝۵۲ مَتَّاعٍ لِّلْغَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ۝۵۳
 الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ اَلْقِيْهِ فِي
 الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝۵۴ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْفَيْتَهُ
 وَلَٰكِنْ كَانَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ۝۵۵ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا
 لَدَىٰ وَاٰلِهٖ قَدْ قَدَّمْتُمُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ۝۵۶ مَا يُبَدِّلُ
 الْقَوْلَ لَدَىٰ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝۵۷

ترجمہ :- اور کہے گا اُس کا ساتھی کہ یہ وہی چیز
 ہے جو میرے پاس ہے تیار ۝۵۱ (ارشاد ہو گا) ڈال
 دو جہنم میں ہر نامور گزار ، عذابی کو ۝۵۲ وہ بہت
 بھگتے والا ہے بھی ہے ، وعدی کرنے والا اور شک
 میں ڈالنے والا ہے ۝۵۳ جس نے اللہ کے ساتھ
 دوسرے کو الٰہ بنا رکھا ہے ، پس ڈال دو اُس کو
 سخت عذاب میں ۝۵۴ کہے گا اُس کا ساتھی لے جاؤ
 پروردگار ! میں نے تو اس کو سرکشی میں نہیں ڈالا لیکن
 یہ خود ہی گمراہی میں دُھ پڑا ہوا تھا ۝۵۵ فرمائے گا
 (پروردگار) نہ جھگڑا کرو میرے پاس ، اللہ تحقیق میں نے
 پہلے ہی بھیج دی تھی تمہاری طرف عذاب کی وعید ۝۵۶

نہیں تبدیل کی جاتی بات میرے پاس اورد نہیں ہوں
 میں (دفعہ بھر بھی) زیادتی کرنے والے بندوں پر (۱۹)
 اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے دلائل ذکر کیے اور اس کا انکار کرنے
 والوں کا ذکر کیا۔ پھر انہی کی تحقیق اور اس کی تکلیفی باتوں تک کو جاننے کا ذکر کیا۔
 نیز فرمایا کہ ہم قرآن کی روگ گردن سے بھی اُس کے زیادہ قریب ہیں اللہ تعالیٰ
 نے انسان کے تمام اعمال کی حفاظت کے لیے ہر شخص کے دائیں بائیں دو فرشتے
 مقرر کر رکھے ہیں جو ان کی ہر قول و فعل نوٹ کر رہے ہیں۔ اگے یقیناً جیسے عمل
 پیش آنے والے ہے اور اس کا زیادہ تر انحصار فرشتوں کی اپنی روپوں میں ہو گا۔
 پھر فرمایا جب انسان کی موت کا وقت قریب آجے تو اُس پر موت کی تکلیفی
 طاری ہو جاتی ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کو ان کی عمر بھر جاننے کی کوشش کرتا
 رہتا ہے مگر اس سے بچ نہیں سکتا۔

یہ تو ہر شخص کی انفرادی موت کا ذکر تھا، پھر جب مجموعی طور پر پستے عالم کی عمر
 ختم ہو جائے گی تو اللہ نے فرمایا کہ ایک عرصہ چھوٹا جائے گا۔ یہ وہی دن ہو گا جس
 سے اللہ کے سامنے سب کی روگ گردن کو ڈالتے سب اور جس کے لیے تیاری کرنے کی
 تکلیفیں کرتے تھے۔ اس دن ہر شخص کو اللہ کی عدالت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال
 کی جوابدہی کرنا ہو گی۔ اور جزا یا سزا سے دوچار ہونا ہو گا۔ اُس دن ہر آدمی کے
 ساتھ ایک بلنگے والا ہو گا جو اُسے لٹک کر بابِ عزت کی بارگاہ کی طرف
 لے جائے گا اور دوسرا اعمال نامہ بردار ہو گا جو اس کے اعمال کا ریکارڈ پیش
 کرے گا۔ مگر فرطہ آدمی کے حق میں اس کے خلاف گواہی پیش کرے گا
 فرمایا اے غافل انسان! آج تو خلقت میں پڑا ہوا ہے اور تجھے کچھ نظر نہیں
 آتا تو محاسبہ اعمال کی منزل پر عین نہیں لانا۔ مگر جب وہ دن آئے گا تو ہمدردی
 آنکھ کے پر سے کھول لیے جائیں گے، تیری دنیا کی تیز ہرجائے گی اور تو مجاہد
 اعمال کی تمام منازل اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے گا۔ اس دن تجھے اس کی صداقت

پر یقین آئے گا مگر تو اپنے لیے کھڑے نہیں کرے گا۔

دوساقتی
فرشتے

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ قَرِينُهُ اَوَدَّكَ مَا اَنْتَ كَاسَاقِي زَاغَةً
اس کے اعمال کی حفاظت پر اصرار ہے هَذَا مَا كَدَيْتَ عَتِيْدًا لِّمَنْ يَرُودُ
ہے جو میرے پاس تیار رکھی گئی۔ مگر یہ فرشتہ انسان کا اعمال نامہ پیش کرے گا۔
اس آسمان کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ کا فرمان ہے وَاصْبِرْ
اِنَّ اِنْسَانَ اَلْقَمَهُ طَغِيْرًا فِیْ عُنُقِهِ وَیُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِيَامَةِ
كِتٰبًا یَلْقٰهُ مَشْهُورًا (آیت ۱۲۰) ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس
کے گے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے دن اسے نکال کر دکھا دیں گے اور
وہ اسے گھٹا ہوا دیکھے گا۔ نیز سورۃ کعب میں انسان کی اس وقت کی کیفیت
یہ بیان کی ہے کہ اپنے اعمال نامہ کو دیکھ کر حیران ہو کر رہ جائے گا اور کہے گا۔
مَا لِیْ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا تُغَادِرُ صِفْرًا وَلَا کِیْفَۃً اِلَّا اِحْصٰیہَا
آیت ۲۹۰) یہ کسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی کسی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ
بڑی کو مگر اسے گھٹا دکھا ہے، چنانچہ اس وقت انسان اپنے کسی قول و فعل
کا انکار نہیں کر سکے گا۔

ہر انسان کے ساتھ اللہ نے اس کے دوساقتی مقرر کر دیے ہیں۔ ایک فرشتہ
ہے جو انسان کی نیکی کی تعین کرتا ہے اور دوسرا شیطان ہے جو اس کو برائی کی تعین
کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے اِنَّ الدَّیْلِلَیْنِ لِحَقِّ رِیَاضِ اَدَمَ یُحَاکِمُ
فرشتہ انسان کے نیچے نیکی کی تعین کرتا ہے۔ جب انسان کے دل میں نیکی کا
جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے پاس سے اللہ کی جانب سے نیکی کی تعین کی
ہے۔ اسی طرح انسان کا دوسرا ساتھی شیطان ہے جس کے متعلق سورۃ الرحمن
میں گزرا چکا ہے وَمَنْ یَّعْشُرْ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ تُفِضْ لَهٗ سَیْطٰنًا
فَیَقُوْلَ لَهٗ قَرِیْنٌ (آیت ۲۶۰) اور جو کوئی خدا تعالیٰ کی یاد سے اٹھیں نہ کرے
ہے، ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، جو اس کا ساتھی بن جائے چنانچہ

یہ شیطان ہمیشہ برائی کی طرف دعوت دیتا رہتا ہے، لہذا جس وقت انسان کے دل میں برائی کا خیال پیدا ہو تو اسے سمجھ لیا جائے کہ شیطان نے برائی کی طرف مائل کیا ہے۔ شیطان کی یہ باتیں ہمیشہ محض بھڑکائی اور شر و مصیبت کے لیے ہوتی ہے جب کہ فرشتے کی باتیں حق کی تصدیق ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ کھلی آیت میں جن دو فرشتوں کا ذکر ہو چکا ہے، وہ ان ساتھیوں کے علاوہ ہیں اور ان کا کام صرف یہ ہے کہ ان میں سے ایک نیکی کے اقوال و افعال نوٹ کرتا رہتا ہے اور دوسرے برائی کی باتیں درج کرتا جاتا ہے۔

بہر حال جب انسان کا اعمال نامہ خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا تو اس میں درج ہونے والے اعمال کی وجہ سے جو عذاب یا جہنم کا حکم ہوگا تو اس میں ڈال دیا جائے گا۔ جہنم میں ہر ناشکر گزار اور عداوی کو۔ یہاں پر اَلْقِیَافِیۃ کا صیغہ استعمال ہوا ہے یعنی دو شخصوں کو حکم ہوگا کہ ان لوگوں کو جہنم میں ڈال دو۔ ان دو باتوں سے مراد وہی دو فرشتے ہیں جن کا ذکر گذشتہ آیت میں ہو چکا ہے کہ ان میں سے ایک انسان کو ملے کہ عدالت میں بیٹھائے گا اور دوسرا بطور گواہ اس کا اعمال نامہ پیش کرے گا۔

بعض فرشتے ہیں کہ اَلْقِیَافِیۃ کا صیغہ دو کے لیے نہیں بلکہ محض تاکید کے لیے آیا ہے کہ ہر ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو ناشکر گزار اور عداوی ہے۔ سب سے بڑی ناشکر گزاری تو کفر، شرک، بدعتیگی، شرک پر سمات اور بدعات ہیں جن کو اختیار کرنے سے خدا تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی ہوتی ہے انسان کو ہر چیز تو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ مگر یہ انسان ہے جو طے دوسروں کے ساتھ منسوب کر کے بدعتیگی کا اظہار کرتا ہے۔ اور پھر جب انبیاء اور مبلغین کے سمجھانے کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے تو یہی اللہ کی ضد اور عداوت ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہر ناشکر گزار اور عداوی کو جہنم میں ڈال دو۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا مَّا یَعْمَلُ الْفٰسِقُ مِّنْ عَمَلٍ صٰلِحٍ لَّیْسَ لَہٗ اِیَّیْہِمْ اٰوٰیۃٌ

صفت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

شیطان کا
انکار

پہلے عرض کیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ اس کا ایک ساتھی شیطان ہے جو اس کو بُرائی کی تلقین کرتا رہتا ہے جب کسی بھرم کا اعمال، اور پیش ہوگا اور اُسے جہنم کا حکم ہوگا تو وہ شخص بدگوارب العنت میں عرض کرے گا، ہونا کریم! میں اپنی گمراہی کا خود ذمہ دار نہیں ہوں بلکہ میرا شیطان مجھے ہمیشہ بہکا آ رہا، اور مجھے برائی کی تلقین کرتا رہا جس کی وجہ سے میں تیرے راستے سے ہٹ گیا۔ لہذا کچ میری بھلائی اس شیطان کو سزا دی جائے جس کی وجہ سے میں اس نتیجے کو پہنچا ہوں۔ مگر قَالَ قَرِیْنُكَ اِنَّكَ لَشَیْطَانٍ سَاحِقٍ عَرَضَ کرے گا رَبِّكَ مَا اَطَعْتَنِي ایں نے تو اس شخص کو سرکشی میں نہیں ڈالا تھا فَلَا كُنْ حَكَاًا فِی ضَلٰلٍ لِّعٰیْدٍ بَلْکَ یہ تو خود ہی گمراہی میں دوڑ پڑا ہوا تھا۔ اس قسم کا مضمون سورۃ براہیم میں بھی موجود ہے وَ قَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا هُوَ فِی السَّمَاءِ (کہیت ۲۲۰) جب حساب کتاب کا کام مکمل ہو جائے گا، تو شیطان کہے گا کہ تمہارے ساتھ خدا کا وعدہ تو سچا تھا، اور میرا وعدہ تم سے جھوٹا تھا۔ میرا تم پر کوئی ذمہ تو نہیں تھا۔ ہاں! میں نے تمہیں گمراہی کی طرف بلایا تو تم نے میری بات کو بلا دلیل مان لیا لہذا آج مجھے دامت ذکر ہو بلکہ اپنے آپ کو دامت ذکر ہو۔ ذمہ تمہاری فریاد کی کر سکتا ہوں، اور ذمہ میری۔ میں اس بات کا انکار کرتا ہوں کہ پہلے تم مجھے شریک بناتے تھے۔ بیشک آج ظلم کرنے والوں کے لیے وہ ذمہ عذاب ہے۔ اس کے بعد اللہ کا فیصلہ یہ ہوگا کہ آج گمراہ کرنے والے اور بگڑا ہونے والے سب کے سب جلائے عذاب ہوں گے۔

حقیقت یہی ہے، ایک طرف اللہ کے نبی اور پیغمبر علیہ السلام، اور علیہ السلام اور رسول علیہ السلام وغیرہم اور سب سے بڑھ کر نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو لوگوں کو سچی کی طرف دعوت دیتے تھے مگر لوگوں کو اسی کی باتوں پر تو یقین نہ آیا، اور شیطان نے برائی کی بات کہ تو اس پر یقین کریں، چنانچہ

اور اس کا شکریہ ادا کرو، اور اگر اس میں کوئی بڑی نظر آئے تو اس کے لیے اپنے آپ کو
 عزت کرو۔ یہ تمہاری اپنی کھڑکڑی ہے۔ جو تم نے اپنی نیت اور ارادے
 سے انجام دی۔

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَنَقُولُ هَلْ مِنْ
 مَزِيدٍ ③ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ④
 هَذَا مَا تُوَعَّدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيفٍ ⑤ مَنْ خَشِيَ
 الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ⑥ ادْخُلُوهَا
 بِسَلَامٍ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ⑦ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا
 وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ⑧ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ
 أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ
 مَحِيصٍ ⑨ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ
 أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ⑩ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ
 وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ⑪

ترجمہ: جس دن ہم دوزخ سے کہیں گے، کیا
 تو بھر چکا ہے، تو وہ کہے گا کہ کچھ اور بھی ہے ③
 اور قریب کر دیا جائے گا جنت کو متقیوں کے لئے
 وہ ان سے کچھ دور نہیں ہو گا ④ یہ وہ چیز
 ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہر ایک جہنم
 کے لئے اور حافلت کرنے والے کے لئے ⑤ جو ڈر

گیا۔ وہاں سے بغیر دیکھے، اور لایا وہ رجوع کرنے والا
 دل (۳۲) (حکم ہو گا) داخل ہو جاؤ اس میں سلاقی کے
 ساتھ یہ ہے۔ دن جوش ہے (۳۳) ان کے لیے ہو
 گا جو وہ چاہیں گے اس میں، اور ہمارے پاس اور
 بھی زیادہ ہے (۳۴) اور بہت سی جگہ کہیں ہم نے
 اس سے چلے جاتیں جو ان سے زیادہ گرفت والی
 تھیں۔ پس وہ کہہ دے گئے شہروں میں، کیا ہے کہیں
 بھاگنے کی جگہ (۳۵) بیشک اس میں اہل یاروڑنی ہے
 اس شخص کے لیے جس کے اللہ دہل ہے یا اس نے
 کان ٹھکڑے ہیں اور پورا دل لگا کر سنا ہے (۳۶) اور
 اہل تحقیق ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو
 کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن کے وقفے میں، اور
 نہیں پہنچی ہیں کوئی تصکاوٹ (۳۷)

دلچسپ

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے منکرین کا رد کیا اور اس کے اثبات میں
 عقلی اور عقلی دلائل پیش کیے۔ پھر مختلف اقوام کا اجمالی حال اور ان کو غفلت والی
 سزا کا ذکر کیا۔ پھر ان کے حالات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی بعض صفات
 کو بیان فرمایا۔ ان نروں کے اعمال کی حفاظت اور ان کی بارگاہ الہی میں پیشی کا
 حال ذکر کیا۔ مجرموں کے جہنم میں داخلے اور ان کی آپس میں الزام تراشیوں کا ذکر
 کیا۔ اللہ فرشتے گامیرے پاس مسجدا کر دیں۔ میں نے تمہیں دنیا میں ہر
 نیک و بد سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ بھی باریا تھا کہ تمہیں اپنے عقیدے اور
 عقل کا جھگڑا کر رہا تھا۔

تفسیر

جب روزِ قیامت پائے اپنے ٹھکانے میں پہنچ جائیں گے تو دلوں کے حالات
 کو اللہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے یَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتَ

جس دن ہم جہنم سے کہیں گے، کیا تو اب گئی ہے؟ وَقَالُوا هَذَا مِنْ قَوْلِ رَبِّهِ
 تورو کہے گی، کچھ مزید بھی چاہیے۔ وسیع و عریض دوزخ کا پیٹ نہیں بھر رہا گا۔
 اور وہ جوش مارتی ہوئی مطالبہ کرے گی کہ اس میں کچھ مزید لوگ ڈالے جائیں۔ بخاری محدث
 اور ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ جہنم برابر یہ مطالبہ دہراتی ہے گی کیونکہ اس میں
 ابھی بہت سی جگہ خالی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس میں اپنا قدم رکھیں گے تو جہنم بکا راتے
 گی۔ قحط نظر معنی میں ہیں، اب میں پڑ ہو گئی۔ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن اس عمل کو
 تشابہات میں شمار کیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے کو انسان کے قدم
 رکھنے پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو جسم کو جہت سے پاک ہے اور
 اس کا اپنا ارشاد ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ - ۱۷) اُس جیسی کوئی چیز
 نہیں ہے جس کے ساتھ اُس کی مثال بیان کی جاسکے۔ لہذا ہمیں یہ اعتقاد رکھنا
 چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم دوزخ میں ڈالیں گے مگر اس کی کیفیت ہمارے
 اور اُس کے باہر ہے۔ جیسا بھی اُس کی شان کے وَلَن ہوگا وہ اپنا قدم رکھیں
 گے۔ اسی طرح اللہ کی پندلی، اُچرے اور عرش پرستری ہونے کا ذکر بھی آتا ہے
 مگر ہم اس کی کیفیت کو نہیں جان سکتے۔ ہمیں ان اشیاء پر ایمان ہی فنا چاہیے۔
 کہ یہ بالکل درست ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لَا تُحِزُّ، لَا تُؤْخَذُ، لَا تُغْنَى
 محدث و طبری کی حکمت کہ فَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے مطابق اس کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ
 اللہ تعالیٰ کوئی خاص قسم کی تخلیق جہنم پر ڈالے گا۔ جسے قدم رکھنے سے جہنم کی تپ
 جہنم پڑ جائے گی اور وہ مزید مطالبہ نہیں کرے گی۔ یہ تو جہنم کا حال بیان کیا گیا
 ہے، اب جنت کے بارے میں سند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ جب تمام
 جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو کچھ جگہ بھر بھی خالی ہوگی۔ پھر کچھ عورت کا
 ظرف ہوگا۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ جنت کو پُر کرنے کے لیے کسی اور مخلوق
 کو پیدا کر کے اس میں داخل کر دے گا۔

اس کے بعد جنت کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَأَنزَلْنَا مِنَ الْجَنَّةِ

جنت کی
قرابت

انسان پر قائم ہوگا، مگر جہنم جہنم کے لئے اور عطا کرتے والے
 شخص کے قریب کر دی جائے گی۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ جنت میں شخص کے بھی قریب کر دی جائے گی کہ
 غَشِيَ الرَّجُلُ الْفَيْفُ بِالْغَيْبِ جو بغیر دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا۔ اس نے کتاب الہی
 کو پڑھا، اللہ کے احکام پر غور و فکر کیا۔ اپنی فطرتِ سلیمہ سے عمل کو برے نہ کہا،
 خدا تعالیٰ کی شریعت اور احکام کو سچا سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو گیا، تو وہ گویا جس دیکھے
 خدا کے رحمان کے عذاب سے ڈر گیا اور اس نے اپنی کارِ راست اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ
 نے مومنوں کی تعریف بھی یہ بیان کی ہے وَتُؤْتُونَ بِالْغَيْبِ کہ وہ غیب
 پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے نہ خدا کو دیکھا ہے، نہ نزولِ وحی کا مشاہدہ کیا ہے
 انہوں نے جنت اور دوزخ کو بھی نہیں دیکھا اور نہ ہی انہیں فرشتے نظر آئے ہیں
 وہ اپنی تمام چیزوں پر اللہ کی کتاب چلے کر، نبی کے بتلانے پر اور اہل حق کی
 تبلیغ کی وجہ سے ایمان لائے اس صریحی بن دیکھے ایمان ہے اور ایسے ہی لوگوں
 کے متعلق فرمایا کہ جنت میں کے قریب کر دی جائے گی، نیز فرمایا کہ جنت میں شخص کے
 بھی قریب کر دی جائیگی وَجَاءَ بِغُلَامٍ مِّنَ الْمَرْءِ الَّذِي كَفَرَ بِاللَّهِ
 دِل سے کہ حاضر ہوا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والا وہی شخص ہوگا
 جو بغیر دیکھے اس پر ایمان لے آیا اور پھر اس کے احکام کی عظمت و بزرگی سے ڈرنا
 دلا اور نیکی کی طرف راغب رہا۔

بہر حال جنت مذکورہ لوگوں کے قریب کر دی جائیگی تو ان کو حکم ہوگا۔
 اَدْخُلُوا هَٰذَا يَسْلَبُ اَسْمَیْہِ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہاں تمہیں ہر قسم کی
 سلامتی اور اس نصیب ہوگا۔ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ یہ جہنم کی کارن ہے
 اب تم اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو گے اور یہاں سے نکلے نہیں
 جاؤ گے۔ شاہِ محمد القادرؒ لکھتے ہیں کہ اس دن حقے والی نعمتیں دہلی ہو گی اس
 سے پہلے تو کسی بات پر مشہور نہیں تھا مگر انہی انہی کرنے والی مہرعات میں کہ جہنم

جنت میں
 داخل

ہوئی۔ یعنی سچی مگر جنت میں پہنچ جانے کے بعد وہاں کی نعمتوں مثلاً صحت، شباب اور ہر قسم کی دیگر نعمتوں میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔

فرمایا اَلْهَرَمُ قَمَاطٌ شَاؤُذُنْ فَيَهَا اُس جنت میں وہ جو چاہیں گے انہیں حاصل ہوگا۔ وہاں ان کی سہ ماہی سڑیں پھری ہوں گی۔ وَلَكَيْنَا مَعْنِيْنَا كَوْنُهَا كَسِ احْتِجَ کے لیے سڑی بھی ہے۔ یعنی ان کی اپنی خواہشات کے علاوہ خدا اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے بھی ان کو عطا فرمائے گا۔ مزید سے ایک تو یہ سزا ہو سکتی ہے کہ وہاں ہر چیز با اطراف ہوگی اور اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اور بعض اس کو سجدۂ یونس کی نکتہ ۳۹ کے تناظر میں دیکھتے ہیں جہاں فرمایا اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا اَلْحَسَنٰى وَزَيَادَةُ لِّمَنْ لُّوْگُوں نے دنیا میں رہ کر نیکی کے کام اٹھائے ہیں ان کی نیکی کا پورا پورا بدلہ ملنے کے علاوہ کچھ مزید بھی ملے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ فرمائے گا اے جنتیو! میں نے تمہیں تمام نعمتیں عطا کر دی ہیں، کیا کچھ مزید بھی دوں؟ جنتی حیران ہو کر عرض کریں گے، پروردگار! تو نے جس تمام نعمتوں سے نوازا ہے۔ اب مزید کیا ہو سکتا ہے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ جواب اٹھا کر اپنی تخلیقیت سے دیدار نصیب فرمائیں گے، ایسی زیادتی ہوگی جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی، جو سرورِ اہل جنت کو دیکھ کر الہی سے حاصل ہوگا۔ وہ کسی دوسری نعمت میں نہیں ہوگا بہر حال خدا تعالیٰ کا یہ دیدار عام ایمان والوں کو جنت میں ایک دن نصیب ہوگا اور مقربین الہی صبحِ شام اس نعمت سے مستفید ہوں گے۔

اگے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے مقررین کو تنبیہ فرمائی ہے۔ ہر خادمِ ہر کہے وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَوْمٍ اِنْ سَے پہلے ہم نے کتنے ہی قوموں کو ہر کہ کیا هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطٰشًا جہان کے داروں سے زیادہ گرفت ملے تھے پہلی قوم، اے اللہ جہاں ہر دو لحاظ سے عربوں پر قریش دیکھتی تھیں۔ سجدۂ سبحان اللہ کے فرمایا وَمَا بَلَّغُوا وَفَعَلْنَا مَا اَفَعَلْنٰهُمْ رِاٰیۃ ۳۵) ان کے داروں کو قریش نے ان کا عشر عشر بھی عطا نہیں کیا۔ جب وہ چارہ گرفت سے

مقررین کے
لیے تنبیہ

زندگی کے قیام کی کیا حیثیت ہے جو یہ اتنا غرور و تکبر کر رہے ہیں۔ ان اقوام سے
 بادِ اُمروں، فرعونی، کھڑائی احمد آشوری وغیرہ مراد ہیں جن کو اللہ نے بہت کچھ دیا۔
 مگر وہ انسانی کی پاداش میں صفحہ ہستی سے نامزد کر دیے گئے۔ فرمایا ان کی حالت یہ تھی
 فَتَقَبَّحُوا بِفِئَةِ الدُّرِّ ذُرِّهِمْ شُرُورُ كَرِيمٍ نے گئے تھے یعنی مختلف شہروں میں
 وہ خوب پیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ لقب سے
 مراد سفر کرنا ہے یعنی وہ دنیاوی مفاد کے لیے دور و نزدیک سفر کرتے تھے۔
 آج کل تو سفر کی تیز ترین سواریاں میسر ہیں اور لوگ خوب سفر کرتے ہیں مگر اس
 زمانے میں بھی وسائل کے مطابق یہ لوگ بڑے بڑے تجارتی اور سیاحتی سفر کرتے تھے
 مگر جب ہماری گرفت آئی تو فرمایا هَلْ مِنْ يَخْفِىْ كَيْفَ اَلْغَيْبِ کیا تم اُن کے لیے کوئی چال چاہو؟
 مطلب یہ کہ جب اُن پر مصیبت آئی تو پھر کوئی اُن کو پہانے والا نہیں تھا اور وہ
 سب ہلک چکے۔

خود بخود
 سلامت

اس سورۃ سہدہ کر میں یہاں کردہ تمام باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ يَّسْتَكْثِرُ اس میں ارشاد ہے
 یعنی غور و فکر کا مقام ہے اس شخص کے لیے جس کے سینے میں دل ہے۔ قلب
 کا اطلاق عقل پر بھی ہو سکتا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قلب اور عقل مشترک چیزیں ہیں۔
 اور اس میں دماغ بھی شامل ہوتا ہے۔ اللہ نے سوچ اور غور و فکر کا مادہ دماغ میں رکھا
 ہے اور عقل کا مادہ قلب کے ساتھ وابستہ ہے اور اس طرح یہ دونوں آپس میں جڑ جڑ
 ہیں۔ ذرا عقل یا دماغ بغیر قلب کے چل سکتا ہے اور نہ قلب بغیر عقل کے کام کر سکتا ہے
 تمام جذباتِ محبت و نفرت اور عقیدہ و عزم کا تعلق قلب کے ساتھ ہے کیونکہ
 یہ مرکزِ اخلاق ہے۔ اگر قلب بگڑ جائے تو مادِ جسم بگڑ جاتا ہے اور اگر قلب درست
 ہو تو مادِ جسم درست رہتا ہے۔ ہر حال فرمایا کہ یہ نصیحت ہے مگر اس شخص کے لیے
 جو دل و دماغ کو رہائے کار کا کریم چاہتا ہے۔

فرمایا کہ قرآن پاک یا اس شخص کے لیے نصیحت ہے اَوْ اَلَّذِيْ السَّخَّ وَهُوَ
 شَرٌّ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ لَمَّا كَرِهَ لِقَآءِ رَءِیْسِهِمْ يَوْمَ ذِی الْقَرْبِیْنَ

وہی طریقہ ہیں، یا تو انہی دو سگر کی بات کو غور سے سن کر یا پھر عقل کو برلے کار
 لاکر بات کو سمجھنے کی کوشش کر کے اور جب کئی چیز اسی طرح ذہن نشین ہو
 جائے تو پھر اس کے مطابق عمل بھی کرے۔ جو شخص ذوقِ دل و جان سے بات پر
 غور و فکر کرتا ہے اور نہ کئی بات کو کان لگا کر سنتا ہے، اس کے لیے قابلِ جان
 کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق کا ذکر کر کے اپنی قدرت
 کا اظہار فرمایا ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ
أَيَّامٍ اور بہت تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن
 کے وقفے میں پیدا کیا۔ اس تخلیق کا ذکر قرآن پاک میں بہت سی جگہوں پر آیا ہے۔ مگر
 اللہ نے یہاں پر جن چھ دنوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے چوبیس گھنٹے کا یہ دن مراد نہیں
 جو نظامِ شمسی کا پیدا کردہ ہے، بلکہ اللہ کے دن کی مقدار کے متعلق سورۃُ النور الاحیة
 میں ہے، اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر وہ اس کی طرف
 صعود کرے گا۔ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِقْدَارِ مَعْدُونِ
 ایک روز جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس ہوگی۔ اسی طرح
 سورۃ الماعراج میں ارشاد فرمایا کہ کافروں پر مطلوبہ عذاب آئے گا ہے جس کی طرف
 فرشتے اور جبرائیل امین عروج کریں گے فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ
أَلْفَ سَنَةٍ (آیت ۴۰) ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر
 ہے۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ قیامت کا دلیل پچاس ہزار سال کا ہوا گا۔ پھر
 دن سے کن عرصہ مراد ہوگا۔ جس میں اللہ نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان
 کی چیزوں کو پیدا فرمایا۔ وہ تو تمام کائنات کو آگاہ کیا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔
 لیکن کسی حکمت کی خاطر اس نے چھ دن کے وقفہ میں کائنات کی تخلیق کیا۔ بہر حال
 فرمایا کہ ہم نے انہیں چھ دن میں پیدا فرمایا وَمَا عَشْرًا میں کُفُوفِ ہو گئے
 یہاں کرنے کی وجہ سے کوئی تمکارت محسوس نہیں ہوئی، کوئی کام کر کے تھکا

خدا تعالیٰ
 تعریف و
 تحسین

جانا تو مخلوق کا خاصہ ہے۔ انہی ہوا جانور کی طرح عرصہ کام کرنے کے بعد آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جب آدمی سو رہا ہے تو اس کے تھکا پھرتے جسمال پر اگر وہ بلا کام کلاں کے قابل ہو جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تو ان چیزوں سے پاک ہے۔ اس کا واضح فرمان ہے لَا تَأْخُذْهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ (مبقورہ - ۲۵۵) اُسے تو نہ لو ٹھکرتی ہے اور نہ ہی نیند، لہذا اس کے تھک جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس ضمن میں باللیل کی روایت ناقابل قبول ہے کہ اللہ نے آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر ساتویں دن آرام کیا۔ خدا تعالیٰ کے بارے میں یہ غلط تصور ہے۔ خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے، وہ تو بے کاسرچشمہ ہے، لہذا اُسے تھکاوٹ ہونے یا اس کو آرام کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ان کوئی تھکاوٹ، کوئی نیند اور کوئی اونٹ نہ نہیں، وہ ضعیف اور عاجز سے پاک ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان برحق ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کی چیزوں کو چھ دن کے وقفہ میں پیدا کرنے کے بعد اُسے تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝۳۹ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۝۴۰ وَاسْمِعْ يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝۴۱ يَوْمَ يَنْمَعُونَ الصَّيِّعَةُ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْمَدْرُوحِ ۝۴۲ إِنَّا خَنُّ نَحْنُ وَنُصِيتُ وَلِيْنَا الْمَصِيرِ ۝۴۳ يَوْمَ تَشَقُّ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝۴۴ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرَ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَرَعِيدٌ ۝۴۵

ترجمہ : میں آپ صبر کریں دے پیغمبر! اہی ہوں پر جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ اور آپ تبیح بیان کریں پھ پورنگا کی قرین کے ساتھ سورج کے طلوع سے پہلے اور غروب سے پہلے ۳۹ اور کچھ رات کے وقت ، آپ اس کی تبیح بیان کریں اور سجدوں کے دیکھے بھی ۴۰ اور کان لگا کر نہیں جس دن پکائے گا پکائے ولا قریب سے ۴۱ جس دن نہیں گے یہ لوگ پنج کر صبح طریقے پر۔ یہ اور گا دن نکلنے کا ۴۲ بیک ہم ہی نڈھ کہتے ہیں ، اور ہم ہی موت عاری کرتے ہیں ، اور ہماری طرف

ہی رٹ کر آنا ہے ﴿۳۶﴾ جس میں وہی خلق ہو جائے گی زمین
 اسی سے وہ دوڑتے بھاگتے اس سے باہر آئیں گے۔ یہ
 اکٹھا کرنا ہم پر آسان ہے ﴿۳۷﴾ ہم خوب جانتے ہیں
 اسی باتوں کو جو یہ لوگ کہتے ہیں، اور نہیں آپ اس
 پر کوئی جبار۔ پس آپ نصیحت کریں قرآن کے ساتھ
 اس شخص کو جو خوف کھاتا ہے میری رحمت سے ﴿۳۸﴾

ماہنامہ

اشارے اس سورۃ مبارکہ میں قطعی قیامت کے بعض دلائل بیان کیے اور
 اس کے منکرین کا رد کیا۔ پھر قیامت کی مختلف کیفیات اور مجرموں کا انجام ذکر
 کیا۔ بعض سابقہ اقوام کی نافرمانی اور ان کی جرأت کا تذکرہ کیا۔ پھر ارض و سما کی تخلیق
 اور خدا تعالیٰ کی قدرتِ کمال اور اس کی بے نیازی کا بیان ہوا۔ اب آخر میں اشارہ تعالیٰ
 نے پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے کئی موعظوں کا ذکر کیا ہے۔
 کنارہ و مشرکین اہل ایمان پر طبع طرح کے الزامات ٹھکاتے تھے اور ان کے لیے
 توہینِ آئینہ تعالیٰ سمجھا کر تھے۔ مسلمانوں کو ذہنی اور جسمانی تکالیف پہنچاتے
 تھے اس کے علاوہ یہود و نصاریٰ اور منافقین کی ریشہ دوانیاں بھی اپنے غرض پر تھیں
 تو اس سلسلے میں اشارہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقامت کی
 تلقین فرمائی اور تسبیح و تہلیل بیان کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ساتھ بعثتِ بعد الموت
 کا بھی کچھ حال بیان فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ مَا يَتَذَكَّرُ لَكَ مِنْ لَدُنْ رَبِّكَ
 اُن باتوں پر جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی طرف سے توحید و رسالت و توحید
 قیامت اور بعثتِ بعد الموت کے انکار سے آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ اور
 صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھیں کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے جب
 آپ کی تمام تکالیف و ذمہ داریاں اٹھ جائیں گی اور آپ دن پر غالب کہا جائیں گے۔
 نئی زندگی میں نبوت کے پانچ سات سال گزر چکے تھے جب یہ سورۃ مبارکہ

صبر کی
 تلقین

انداز برائی بشر میں مگر حضور علیہ السلام اور آپ کے لئے والوں کو عظم و جود کا نشانہ بنا رہے تھے۔ وہی حالت میں اہل ایمان کا دل برداشتہ ہو جانا فطری امر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے صبر کی تعلیم کی صبر بہت بڑی حقیقت ہے۔ وہی ایمان بھی اور چارے وہی کام بھی یہ ایک اہم اصل ہے۔ دیگر بڑے بڑے اصولوں میں خدا کی وحدانیت پر ایمان، اللہ کا ذکر اس کا شکر، اللہ عزوجل کی تعظیم اور نماز وغیرہ شامل ہیں۔ مگر مختلف مواقع پر کیا جاتا ہے۔ خدا صبر کے بغیر خدا تعالیٰ کی اطاعت بھی نہیں ہو سکتی۔ نظم و نسق کے قیام کے لیے صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے جذبات پر قابو پانے کے لیے صبر لازم ہے۔ مشکلات اور مصائب کی آمد پر جبرجائزہ کد بھائے صبر کرنا ضروری ہے۔ تمام تکالیف پر صبر کے ذریعے ہی قابو پایا جاسکتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالْعَاقِلَةِ** **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** (آیت ۱۵۳) اے ایمان والو! صبر اور فہم کے ساتھ مدد کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

نماز اور
سیح بیان

صبر کے بعد اللہ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ** **قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ** آفتاب سے پہلے اس سے سزاؤ قبل اور عصر کی نمازیں ہیں جن کو بڑی اہمیت حاصل ہے ابتدا میں یہ دو نمازیں ہی فرض تھیں، بعد میں سورج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض ہو گئیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ فجر اور عصر کی نمازیں ضرور ادا کیا کرو کیونکہ ان نمازوں کی ادائیگی سے روزگار الہی نصیب ہونے کی بڑی امید ہے۔ **وَمَنْ أَكْبَلَ هَبْتَهُ** اور رات تہجد کے وقت بھی آپ اس کی سیح بیان کریں **وَكَذَلِكَ السَّجُودُ** اور سجدوں کے پیچھے بھی۔

نمازیں چنانچہ سیح و تحمید دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، اس لیے مفسرین نے ان اوقات سے مختلف نمازیں ہی منسوب کی ہیں۔ سیح سے متعلق مفسرین کے

دو اترال ہیں۔ یا تو اس سے غارت کے بعد کی جانے والی تہیاست مراد ہیں جیسے حضور علیہ السلام کا فرما ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ کا ورد کیا کرو۔ یا پھر اس سے تراویح مراد ہو سکتے ہیں جو فرض کے بعد عام طور پر ادا کیے جاتے ہیں۔

بہر حال اشرع نے پریشانی کے حل کیلئے دو چیزیں بتوائی ہیں، ایک صبر اور دوسری تسبیح و تہجد۔ اس مسئلے میں حضور علیہ السلام کی مسنون دعا بھی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَعِیْذُ بِكَ مِنَ الْیَقُوْنِ مَا یَقُوْنُوْنَ بِہِمْ عَلَیْنَا مَصَیْبُكَ الَّذِیْ اَیُّ الشَّعْرِ مِنْ یَقِیْنٍ میں سے اتنا حصہ لگتا ہوں جس کی وجہ سے تو دنیا کی مصیبتوں کو کم کر دے۔ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات پر میں قدر یقین رکھتا ہوں گا۔ اسی قدر اس بندے کا تعلق اشرع کے ساتھ درست ہو گا اور اُسے مصائب کم نظر آئیں گے۔ جن لوگوں کا تعلق باشرع درست نہیں ہوتا وہ تکلیف پر جزاع فرزا رہی کرتے رہتے ہیں۔

اگے اشرع نے قیامت کا کچھ حال بیان فرمایا ہے وَ اَسْتَجِیْجُ خَوْفَ کَانَ لَکُمْ کرئیں اور یہ بات دوسروں کو بھی بتا دیں۔ یَوْمَ یَنَادُ الْمَلَائِکَةُ مِنْ تَحْتِ الْکُرْسِیِّ قَرِیْبٌ جِئْ دِنَ یَکْرُمُ لَیْسَ دَلَا یُکْرَمُ لَکُمْ لَاقَرِیْبٌ جِئْ۔ یہ قرع قیامت کا ذکر ہو رہا ہے۔ قیامت کا آغاز پہلے سورہ یونس لکھنے سے ہو گا جب کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ جیسے اشرع کا فرما ہے حَقُّنْ مَنْ عَلَیْہَا فَاَیْنَ ؕ وَ یَبْقَیْ وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَدِ اَلِیْ وَ اَلَا تُکْرَمُ (الحملہ ۱۲۷-۱۲۸) ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ اور صورت تیسرے پروردگار کی ذات ہی باقی رہیگی جو جلالِ احد بزرگ والی ہے۔ پہلے سورہ کے بعد کچھ وقفہ ہو گا اور پھر دوسرا سورہ یونس لکھا جائے گا۔ اس پر تمام لوگ اپنی قبروں سے یا جہاں کہیں بھی ہوں گے وہاں سے باہر نکل آئیں گے۔ ہر شخص ایک جگہ ملنے کی آواز کہہ سنے گا جو اُسے قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوگی۔ حکم ہو گا، اُکھٹے ہو جاؤ، نکل آؤ۔ یہ تھا سب پروردگار کا حکم ہے، چنانچہ سب لوگ

قرع قیامت
اور یونس لکھنا

نزدہ ہو کر اُس آواز کی طرف چل پڑیں گے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا یہ وہ دن ہوگا۔
 یَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ جَسَدٌ مِّنْ دَرِيٍّ لِّوَلِکَ اَیْکَ مَخْرُجٌ طَرِیْقَے
 نہیں گئے۔ ذٰلِكَ یَوْمُ الْمَدْرُجِ اور قبروں سے نکلنے کا یہی دن ہوگا۔ پھر
 سب لوگ حشر کے میدان میں جمع ہوں گے اور حساب کتاب کی منزل آئے گی۔
 فرمایا یاد رکھو! اِنَّا نَحْنُ مُخْرِجُوْهُنَّ وَنُحِیْثُ بِکُمْ ہِم ۙ ہِی زَندہ کرتے ہیں اور
 ہم ہی موت دیتے ہیں وَ اَیْنَمَا الْمُحْصِیْنَ اور سب نے ہماری طرف ہی لوٹ
 کر کا ہے۔ فرمایا یہ اس دن کی بات ہے۔ یَوْمَ نَشْفِقُ الْاَرْضَ عَنْهُمْ سُوْ
 سِرَّانَا جس دن زمین پھٹ جائے گی اور جلدی سے یہ دوڑتے ہوئے اس سے
 باہر آئیں گے۔ یعنی جب قبریں پھٹ جائیں گی تو لوگ وہاں سے نکل کر دوڑتے
 ہوئے آئے والی آواز کی طرف چلیں گے۔ سورۃ المعارج میں فرمایا یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ
 مِنَ الْاَجْکَاثِ سِرَّانَا کَا اَنَّهُمْ اِلٰی نَضِیْبٌ یُّوْفِیْضُوْنَ
 (آیت ۴۲) جس دن یہ لوگ اپنی قبروں سے جلدی سے نکلیں گے جیسے تیرا پنے
 نکلنے کی طرف جاتا ہے، اس طرح سب لوگ حشر کے میدان میں جمع ہر جایش
 گئے۔ اللہ نے فرمایا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْکَ اَیْیٰہَا ۙ اس طرح انسانوں کا دوبارہ اکٹھا
 کرینا ہمارے لیے بالکل آسان ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہم جانچ
 رہے ہیں کہ انسانی جسم کا کون سا حصہ زمین کے کس حصے میں موجود ہے، ہم وہاں سے
 درے درے کر اکٹھا کر کے انسانی صورت میں دوبارہ کھڑا کر دیں گے، اور دلیا
 کرنا ہمارے لیے کچھ دشوار نہیں اس کے بعد حساب کتاب ہوگا۔ اور پھر جزایا سزا
 کے فیصلے ہوں گے۔

قیامت والے دن زمین کے پھٹنے سے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک
 ہے اَنَا اَوَّلُ مَنْ نَّشْفِقُ الْاَرْضَ عَنْہُ ۚ کہ اُس دن سب سے پہلے میری
 قبر کی زمین پھٹے گی اور میں اپنی قبر سے نکلوں گا۔ اور پھر اُس وقت اَکْثَرُ خَلْقٍ
 مِّنَ الْجَنَّةِ مجھے جنت کا لباس پہنا دیا جائے گا۔ جب کہ باقی تمام لوگ ہر پہر ہر

پھر جب حشر کے مہمان میں سب لوگ لکھے ہوں گے تو سب سے پہلے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

آگے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا اِنَّكُمْ
يَعْلَمُوْنَ اَنَّكُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنْ اَرْضِكُمْ فَتَقْتُلُوْنَ رِجَالَكُمْ فَتَخْرُجُوْنَ مِنْهَا
اِنَّ كَيْدَ الْكَافِرِ لَشَدِيدٌ۔ ان کے اقوال و افعال اور ان کے لڑنے اور نیت سے بھی واقف ہیں آپ کی
جیتے ہی خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح یہ لوگ ایمان لے آئیں، مگر یاد رکھیں وَمَا
كُنْتُ مُبَدِّلًا لِّدِينِكَ۔ آپ کا کام تو پیغام حق پہنچا دینا ہے۔ جیسے فرمایا فَاِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ
اَلْبَلٰغُ وَعَلَيْكُمُ الْحِسَابُ (الرعد ۴۰)۔ ایک حکام کو پہنچا دینا آپ کا کام ہے
اور پھر حساب ان پر ہے۔ قیامت کو آپ کے نہیں پرچھا جائے گا کہ یہ لوگ ایمان
کیوں نہیں لائے بلکہ یہ تو ان سے پرچھا جائے گا کہ تم نے ایمان کیوں قبول نہ کیا۔ اللہ
نے یہ فیصلہ کن بات فرمادی ہے۔ لَا اَكْفَاؤُاَ لِدِيْنِ الرَّاسِخِيْنَ (البقرہ ۲۵۶) اور میں
جبر نہیں ہے کہ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کر لیا جائے۔ یہ تو شرعِ خدا کا
معاذ ہے۔ اگر کسی کی کھجوریں دین کی حمایت آجاتی ہے تو وہ اپنی مرضی سے اسلام
قبول کرے گا، ورنہ کسی پر جبر نہیں ہوگا۔ سجدہ آنکس میں اللہ نے حضور علیہ السلام کو
مخاطب کر کے فرمایا ہے اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ الْاَنْبَاۤىَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُشْرِكِيْنَ
وَاٰمِيْنَ۔ ۹۹ کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے؟ انہیں آپ کا یہ کام
نہیں ہے۔ آپ نصیحت کر دیں، اللہ کا پیغام پہنچا دیں۔ اگر کوئی قبول کر لیتا ہے
تو اس کا اپنا فائدہ ہوگا، اور اگر نہیں کرتا تو پھر آقا کریمؐ پر اس پر ہی ہے میں خود اس
سے نپٹ لوں گے۔ لہذا آپ کا فرض یہ ہے فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ اَنْتَ قُرْاٰنِ کے
ذکر سے لوگوں کو نصیحت کر دیں، خدا کا قرآن پڑھ کر ان میں اور فیصلہ آئی کہ موابید
پر چھوڑ دیں کیونکہ وہ اپنے نفع نقصان کے خود ممدور ہیں۔

البتہ بات یہ ہے کہ نصیحت دینی شخص پر کرے گا مَنْ يَخْنُكْ وَيَعِيْبُوْ

جو میری وجہ سے خوف کھاتا ہے۔ جو شخص اس بات سے ڈر گیا کہ اللہ تعالیٰ کفر اور شرک کرنے والوں کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے لیے آپ کی نصیحت ضرور کارگر ہوگی اور وہ یہاں قستہول کرے گا۔ اور جس میں یہ خوف ہی نہیں ہوگا۔ وہ آپ کی بات سے متاثر نہیں ہوگا۔ آپ انکو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ یہ حال فرمایا کہ آپ کا فریضہ یہ ہے کہ آپ نصیحت کر دیں اور اللہ کے احکام کی یاد دلائی کر دیں، پھر خوف خدا لکھنے والا شخص ایساں کہ قبول کرے گا انبیاء کے علاوہ جو شخص حضور علیہ السلام کی نیابت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ وہ غلط و تبلیغ کا کام کر رہا ہے دین کی دعوت پیش کر رہا ہے، اس کا بھی یہی فرض ہے کہ وہ قرآن کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام پہنچاتا ہے۔ اُن کا فرض ادا ہو جائے گا، اُن کے ایمان ماننا تھا طہین کا کام ہے، وہ اپنے کو دار کے خود ذمہ دار ہیں۔ فرمایا آپ دشمنوں کی شرارتوں کے مقابلے میں میرے کلام میں، خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کریں اور خدا اور دیگر عبادات میں مصروف رہیں اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔



سُورَةُ الذِّرِّاتِ
(مَكِّيَّةٌ)

مَنْ لَمْ يَلِدْ يَلِدْ مَرْيَكَةً مَّوَدَّهَا سِتُونَ آيَةً قَدْ تَلَكَّتْ كَرْكُهَا
سورة الذّٰرِیّٰت مکہ ہے، اور یہ ساٹھ آیتیں ہیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بعد میں ان آیتوں پر دم کر فرمایا ہے

وَالذّٰرِیّٰتِ ذَرْوًا ① فَالْحَمِلَاتِ ② وَفَرًّا ③ فَالْجَرِیّٰتِ ④
یُسْرًا ⑤ فَالْمُقَسِّمَاتِ ⑥ أَمْرًا ⑦ إِنَّمَا تُوعَدُونَ
لَصَادِقٌ ⑧ وَإِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ⑨

ترجمہ :- قسم ہے ہواؤں کی جو بجھتی ہیں اٹاک ①

پس اٹھانے والی برہمہ کو ② پس چنے والی نرمی سے ③

پھر تقسیم کرنے والی حکم سے ④ بیشک تم سے جو

وعدہ کیا جاتا ہے، البتہ وہ سچا ہے ⑤ اور بیشک

جہنم کے عمل البتہ ضرور واقع ہونے والے ہیں ⑥

اس سورہ کا نام سورۃ الذّٰرِیّٰت ہے جو اس کے پہلے الفاظ سے اخذ ہے

یہ سورہ کی دُور میں سورۃ احکاف کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی ساٹھ آیتیں اور تین

ہم اور
کوائف

سابقہ سورۃ
کے ساتھ
رہا

رکوع ہیں۔ یہ سورۃ مبارکہ ۲۶۰ الفاظ اور ۳۸۴ حروف پر مشتمل ہے۔

گہ شہ سورۃ کی میں اللہ تعالیٰ نے دلچسپ قیامت کے بعض دلائل بیان

فرمائے تھے کہ منکر یہ قیامت کی بات درست نہیں ہے انہیں بعث ابوالمرث

پر اللہ رب تعالیٰ نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے واضح کیا کہ جب ان فی اہبام مرنے کے بعد مٹی میں گرل لی جلتی ہے تو پھر مٹی وہ ضائع نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے کہ کس انسانی جسم کا کون کون سا حصہ مٹی نے کم کیا ہے اور وہ کہاں پر موجود ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا۔ وہ انسانی جسم کے ذرات کو زمیں سے واپس لے کر اکٹھا کر دے گا اور اس طرح انسان کے جسم کو دوبارہ کھڑا کر کے اس سے حساب کتاب لے لے گا۔ پھر اللہ نے ارض و سما سے تعلق رکھنے والے بعض مشاہدات کا ذکر بھی کیا کہ جن کو دیکھ کر وقوع قیامت سمجھ میں آسکتی ہے۔ آخر میں زمین کے پھٹ کر وٹاں سے اہبام انسانی کے دوبارہ نکلنے کا ذکر کیا اور اس طرح وقوع قیامت پر دلیل قائم کی۔ ان دلائل کے بعد اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ نے وقوع قیامت کے یقینی ہونے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جزائے عمل منورہ واقع ہو کر رہے گی۔ یہی اس کا پہلی سورۃ کے ساتھ ربط ہے۔

مضامین کو

اس سورۃ مبارکہ میں وہ تمام مرکزی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ جن پر ایمان کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ اور جن اصول توحید خداوندی ہے جس کے تعلق اللہ نے اس سورۃ کے آخر میں فرمایا کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ مجھے پہچان سکیں اور میری عبادت کریں۔ اور میان میں اللہ نے بعض سرکش اقوام کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے سرکشی اختیار کی اور پھر خراب الہی میں گرفتار ہوئے۔ بنیادی عقائد میں سے وقوع قیامت پر نہایت ہلکے لٹکے ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ توحید، رسالت، جزائے عمل اور نصیحت کی باتیں تاکہ رہیں۔ اللہ کے فرمانبردار بندوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی بیوی کا تذکرہ ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کی پاکیزگی کو بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ تافران لوگوں یعنی قوم فرعون، قوم لوط، قوم نوح اور عاد اور ثمود اقوام کا ذکر ہے اللہ نے ان کی حکمت کا تذکرہ کر کے انہیں آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے عبرت عبرت بنایا ہے اور نصیحت کی ہے کہ وقوع قیامت پر یقین لاکر آخرت کی

تیار کر لی چاہیے۔

قسم کی ہیں

اس سورہہ کی ابتدا اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کی قسم اٹھا کر ایک حقیقت کو واضح کیا ہے۔ انسان کے لیے تو حکم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفت کے علاوہ کسی چیز کی قسم نہ کھائے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان جس چیز کی قسم کھاتا ہے وہ اس کو اپنے حق میں بطور گواہ پیش کرتا ہے۔ جب کسی معاملہ میں بظاہر گواہ موجود نہ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ کی اس ذات والا صفات کو گواہ بنایا جاتا ہے۔ جو عظیم کلی اور قادر مطلق ہے۔ قسم اٹھانے والا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور وہ میرے حق کو بھی جانتا ہے۔ نیز اگر میں یہ قسم جھوٹی اٹھاؤں تو وہ قادر مطلق ہے جو مجھے سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس کے برخلاف جب اللہ تعالیٰ خود کسی چیز کی قسم اٹھاتا ہے تو وہ اس چیز کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ یہاں پر بھی اللہ نے جن ہواؤں یا دیگر چیزوں کی قسم اٹھائی ہے اس سے وقوف قیامت پر دلائل قاطع کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تشریح

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ يَذُرُوا قِسْمًا ہے اٹا کر بکھیرنے والی ہواؤں کی فَالْحَبْلُ يَنْقُطُ وقرآن پھر وہ اٹھانے والی ہیں ترجمہ کر۔ فَالْحَبْلُ يَنْقُطُ يَنْقُطًا ہیں وہ چلنے والی ہیں نرمی سے۔ فَالْحَبْلُ يَنْقُطُ يَنْقُطًا پھر تقسیم کرنے والی ہیں حکم سے۔ منسرج کرام نے ان چار جملوں کی تفسیر دو طریقوں سے کی ہے۔ بعض قرآن چاروں آیتوں کو ہواؤں پر محمول کر کے ان کی مختلف کیفیات کو بیان کرتے ہیں۔ یعنی اصل چیز وَالَّذِينَ يَذُرُوا قِسْمًا میں ہوائیں ہیں جن کی پہلی کیفیت ہے يَذُرُوا یعنی جب یہ چلتی ہیں تو گرد و غبار کو اڑاتی ہیں۔ ان ہواؤں کی دوسری صفت يَنْقُطُ وقرآن ہے یعنی یہ بادلوں کے ترجمہ کر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں اور پھر جہاں اللہ کا نشانہ ہوتا ہے وہاں بارش ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان ہواؤں کی تیسری صفت يَنْقُطُ يَنْقُطًا ہے یعنی بعض اوقات یہ نہایت نرمی کے ساتھ چلتی ہیں اور لوگوں کو نہایت خوشگوار محسوس ہوتی ہیں، حالانکہ بعض اوقات یہ تند ہو کر عذاب

کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ اور ہوائوں کی چوتھی حالت مُتَحَدِّثَاتٌ آفرا ہے یعنی ہوائیں اللہ کے حکم سے بادلوں کو مختلف غلوں میں تقسیم کر دیتی ہیں جن سے بادش کی تقسیم ہو کر ندی کی تقسیم کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر یہ معنی کیا جائے تو چاروں بادلوں کا تعلق ہوا ہی ہے۔

ابن بعض مفسرین نے ان چاروں آیات کا مصادق الگ الگ بنایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ الَّذِي يَذُرُّ الْحَبَّ سے تو وہی ہوائیں مراد ہیں کہ جب یہ تیز چلتی ہیں تو گرد و غبار کو اڑاتی ہیں۔ اور وَالَّذِي يُمْسِكُ السَّحَابَ سے پانی کا بوجھ اٹھانے والے بادل مراد ہیں اس سے حاملہ عورتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو دلدلی محل بچوں کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہیں اور بعض اس سے کشتیاں بھی مراد لینے ہیں جو ایک جگہ کا بوجھ دوسری جگہ منتقل کر دیتی ہیں۔ جلیوت يُسْرَا سے آسانی سے چلنے والی کشتیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں اور بعض نے اس سے لڑکیاں بھی مراد لیں۔ جو اپنی اپنی منزلوں کی طرف آسانی کے ساتھ رواں دواں بہتے ہیں اور پھر وَالَّذِي يَنْفِثُ السَّحَابَ سے خدا کے فرشتے مراد ہو سکتے ہیں جو کہ اللہ کے حکم سے بادش اور اسی کے نیچے میں پیدا ہونے والی ندی کو بھی تقسیم کرنے پر مامور ہیں۔ پھر حال ان چاروں جملوں سے ایک ہی چیز مراد لی جانے یا زیادہ، اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کا ذکر کر کے ان کو وضع قیامت پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔

نام بیضادئی فرماتے ہیں کہ اس سے وہ اسباب بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے حکم سے کائنات کی مختلف چیزوں میں دخل حاصل ہے۔ مثلاً بادل جو پھل، پھول، فوج، سبزیاں، چارہ وغیرہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ جب بادل پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں تو بادش کا ذریعہ بنتے ہیں۔ زید ابن عمرو اسی تفیل کا یہ مشورہ ہے۔

أَسْأَلُكَ فَتَقْبَلُ لِيَعْنِ أَسْأَلُكَ لَكَ

أَلَمْ تَنْزِلْ عَنَّا عَذَابًا كَذَلَا

میری جان اس ذات کی مطیع ہے کہ جس کے سفید بادل بھی مطیع ہیں جو بیٹھے پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ سفید بادلوں میں لطیف پانی ہوتا ہے جو میٹھا اور غرض گزار ہوتا ہے اور جو انسانوں کے حلق میں آسانی سے اتر جاتا ہے۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ مفصلات سے فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے حکم سے رزق اور بارش کو تقسیم کرتے ہیں حتیٰ کہ جو کچھ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس کی روزی وہیں اُسے پہنچتی ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جب بچے کا حمل قرار پایا تو آپ کر فرشتے اللہ تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ اس کی روزی کتنی ہوگی جو کہ صحت کر ل جاتی ہے۔ اور پھر عیلا بھی اُس کو اتنی روزی ملتی رہتی ہے۔ غرضیکہ اس سے تقسیم کنندگان فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

مفسر قرآن حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس مقام پر مذکورہ چیزوں میں سے بعض کا تعلق آسمان سے، بعض کا زمین سے اور بعض کا کائناتِ جو (فضا) سے ہے۔ فرشتوں کا تعلق عالمِ ساویات سے ہے جب کہ ہولان اور کھیتوں کا تعلق زمین سے ہے اور بادلوں کا تعلق فضا سے ہے۔ جو زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں پھلتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں زمین چیزوں میں سے بعض مبصرات ہیں جو نظر آتی ہیں جیسے کشتیاں اور بعض چیزیں نظر نہیں آتیں۔ جیسے لطیف ہوائیں مگر وہ اپنا اپنا کام برابر کر رہی ہیں ان تمام چیزوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ نامہ کا اظہار فرمایا ہے روضیات، ساویات یا جریات سے متعلق جو بھی چیزیں ہیں سب کا مستصرف خدا تعالیٰ ہے۔

وَقَرَعْنَا
اَلْجِبَالَ
عَلٰی

قسم کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاں قسم کے طور پر فرمایا ہے اُنکے تَوَعَّدُ قَوْمًا لَّعَادُوًّا رشکِ تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ البتہ سچا ہے۔ یہ وعدہ وقرع قیامت، بعثتِ بعد الموت اور جبرائیل علی کا وعدہ ہے جو اللہ نے انسانوں کے ساتھ کر رکھا ہے اور جسے وہ ضرور پورا کرے گا۔ سورۃ الانبیاء میں بھی اللہ کا فرمان ہے کہ جس طرح ہم نے کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا، اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔ وَعَدْنَا عَلَیْكَ نَارًا تَلْهٰکَ فَاُفٰیضُ لَیْلًا (نیت - ۱۰۳) یہ وعدہ ہم پر لازم ہے اور ہم ضرور ایسا کرنے والے ہیں، بہر حال فرمایا کہ تمہارا ساتھ

جودہ کیا جاتا ہے، وہ پہلے قرآن الکریم کو قیام کرے اور ایک بڑے علما کے دروازے پر
 ہونے والی ہے۔ اللہ نے ہزاروں کشتیوں، بادلوں اور فرشتوں کو دلیل بنا کر
 فرمایا کہ قیامت لازماً واقع ہوگی، حساب کتاب ہوگا، لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے
 اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔

اب بات اس طرح سمجھائی گئی ہے کہ دنیا میں پیش آنے والے واقعات یا تو
 ٹہکتے ہیں آتے ہیں یا پھر لوگوں کے علم میں آتے ہیں۔ ان میں سے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی
 مقصد ہوتا ہے اور کوئی چیز اللہ نے بیکار نفس پیدا نہیں کی۔ اسی طرح ہواؤں کا بھی
 ایک مقصد ہے۔ ان کے ذریعے باد نسیم چلتی ہے، آندھیاں اور طوفان آتے ہیں اور آواز
 اڑاتے ہیں، بارش ہوتی ہے اور کشتیاں چلتی ہیں غرضیکہ کوئی چھوٹی شے
 چھوٹی چیز بھی بے مقصد نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اتنی بڑی کائنات اور اس کا
 کس طرح بے مقصد ہو سکتی ہے؟ اسی طرح جن آدمی انسان اللہ کی بہت بڑی مخلوق ہیں
 جیسا کہ تخلیق فضول کر نہیں بلکہ ان کی بھی کوئی غرض و عایت ہے۔ ان کے اعمال
 کا نتیجہ دنا نکلنے والا ہے۔ اسی لیے اللہ نے قسم اٹھا کر کہا ہے کہ اے لوگو! تم
 سے جودہ کیا گیا ہے۔ اُن کی مذکورہ تمام چیزیں شامل ہیں اور یہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔
 فرمایا انسانوں اور جنات کے علاوہ اللہ نے حیوانات، نباتات اور جادات
 کو بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا، دریا، سمندر اور پہاڑ بھی بے غرض نہیں ہیں۔ درخت
 پرندے، مینے، مگرمچوں کی بھی کوئی غرض ہے۔ جب ہر چیز بے مقصد ہے تو پھر
 انسان یکے بے مقصد ہو سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ جنہوں نے عمل ضرور واقع ہونے
 والی ہے۔ دین کی سمجھ میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی نکتہ انصاف،
 انصاف اور جرنلے عمل بھی ہوتا ہے اور یہاں جرنلے عمل ہی مراد ہے۔ ہم ہر زمانہ
 میں پڑھتے ہیں غیلطہ یوسف الذین اللہ تعالیٰ یوم جزا کا مالک ہے۔ مطلب یہی
 ہے کہ ان فرد کو جرنلے عمل سے محروم نہیں۔ اُنے ایک دن ضرور اللہ کی عدالت میں
 پیش ہو کر اپنی کارکردگی کا حساب دینا ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْجُبِّ ۝ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝
 يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝ قِيلَ الْغَدَا صُوتَ ۝
 الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ۝ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ
 يَوْمِ الدِّينِ ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْسَنُونَ ۝
 ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْبِلُونَ ۝
 إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ اخْذِينَ مَا آتَاهُمْ
 رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ۝ كَانُوا
 قَلِيلًا مِّنَ آلِ إِبْرَاهِيمَ ۝ مَا يَلْجَعُونَ ۝ وَإِلَّا سَحَابُهُمْ
 يَسْتَغْفِرُونَ ۝

ترجمہ :- قسم ہے حالدار آسمان کی ۵ بیک تم
 اپنے ایک مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو ۸ اس
 سے باز رکھا جاتا ہے وہ جو پھیر دیا گیا ۹ ہلکے
 گئے اٹکل دھڑلے لگے ۱۰ جو غفلت میں بھول رہے
 ہیں ۱۱ پرچھتے ہیں کب ہو گا انصاف کا دن ۱۲ جس
 دن کروہ آگ پر گرم کیے جائیں گے ۱۳ (اور کہا جائیگا)
 چکھو اپنی شرارت کا مزہ یہ وہ چیز ہے جس کے بدلے
 میں تم جلدی کرتے تھے ۱۴ وہک متقی لوگ جنتوں
 میں ہوں گے اور پشموں میں ۱۵ اپنے ماسے ہوں گے

جو کچھ دے گا اُنہی کو اُنہی کا پودہ دگاوار . اور ایک
تھے وہ اس سے پہلے نیکی کے کام کرنے والے (۱۶) وہ
رات کو تھوڑا سوتے تھے (۱۷) اور سحریوں کے وقت ان
اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے تھے (۱۸)

جالی دار
آسمان

سورقہ کے ابتدائی چار جملوں میں اللہ تعالیٰ نے ہولڈوں کا ذکر کیا۔ اور اُن
سے وقیعہ قیامت اور جزائے عمل پر دلیل قائم کی۔ اب اسی سلسلے میں آسمان کا
ذکر فرمایا ہے وَالسَّمَاءُ ذَاتَ الْمِصْبَاحِ قسم ہے جالی دار آسمان کی۔ جبکہ
کے کئی معنی آتے ہیں۔ مثلاً مفسرین کہہ دیا، گرہ لگایا، جوڑ دیا اور جالی دار ہیں جن
میں تار یا نظرائیں۔ رات کے وقت چونکہ آسمان بالکل صاف نظر نہیں آتا بلکہ ستاروں
کی موجودگی کی وجہ سے جالی دار نظر آتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ستاروں کا جال
بکھا ہوا ہے، لہذا اس کا معنی عموماً صورت کے ستاروں پر رونق آسمان کیا گیا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جالیوں سے وہ گہکنیاں ملزوں میں جو بڑیک بڑیک
ستاروں کے چٹنے سے سڑک سی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں
کہ اس مقام پر جالی دار آسمان سے ملز بادل ہیں۔ سردی کے موسم میں جب بادل
چھا جاتے ہیں اور اگر ان میں کچھ شہری بھی ہو تو وہ جالی دار معلوم ہوتے ہیں۔
پھر سہما کا اطلاق چھت اور بادل پر بھی ہوتا ہے، اس لیے بعض نے یہ مراد
لی ہے۔ مگر حال جبکہ کا مصداق یہ تینوں چیزیں بن سکتی ہیں یعنی بادل، ستارے،
گہکنیاں یا بادل۔ ان ساری چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا پتہ چلتا ہے جس
سے اللہ کی ولایت کبھی میں آتی ہے، بشرطیکہ انسان اس میں غور و فکر کرے
اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح دین کے بعد اپنا کام
رات آجاتی ہے اور ستاروں سے مری جالی دار آسمان نظر کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح
قیامت بھی اپنا کام ہی کہانے گی۔ جیسا کہ سورۃ الاحزات میں اللہ کا فرمان ہے
لَا تَأْتِيكَ سَاعٌ وَلَا بِغْتَةٌ (آیت ۱۸۷) کہ یہ نہ اپنا کام ہی دار ہو جائیگی جیکہ

اسی کو اسس، وہم و گمان بھی نہیں ہوگا۔

و قریح تین بات
میں اختلاف

آگے اسی شخص میں فرمایا اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّتَفَعِلٍ بِهٖ فَكَمْ يَكُنْ فَمَلَّتْ
 بات میں پڑے ہوئے ہو۔ اس اختلاف سے مراد بھی قیامت کا اختلاف ہے جس
 کے وقوع کے متعلق لوگوں میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس بات کی وضاحت اللہ
 نے سورۃ النبا کے آغاز میں بھی کر دی ہے عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ النَّبَاِ
 الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِي هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُونَ ۝ يَوْمَ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ كُنُوزُهُمْ وَلَا
 مِلْكُهُمْ سَمِعَتْ لَهُمْ جَوَارِحُ حَدَقَاتٍ ۝ اُولَٰئِكَ لَهُمْ فِيْهَا عَذَابٌ عَظِيْمٌ
 یہ کسی بڑی خبر کے متعلق، جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں؛ اگلی سورۃ میں پیغمبر علیہ السلام
 کی نبوت و رسالت سے متعلق بھی مختلف باتوں کا ذکر آ رہا ہے۔ حضور علیہ السلام
 کو کوئی شاکہ نہ تھی، کوئی کاہن، کوئی جادوگر اور کوئی دیوانہ۔ لہذا یہ اختلاف وقوع نہ
 اور جزائے عمل کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور نبوت و رسالت کے متعلق بھی۔ تو فرمایا
 کہ تم ایک مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو یَوْمَ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ كُنُوزُهُمْ وَلَا
 مِلْكُهُمْ سَمِعَتْ لَهُمْ جَوَارِحُ حَدَقَاتٍ ۝ اُولَٰئِكَ لَهُمْ فِيْهَا عَذَابٌ عَظِيْمٌ
 جزائے عمل یا رسالت پر ایمان لانے سے وہ شخص اذرا رکھا جاتا ہے جو پھر دیا گیا۔
 یعنی جس کی عقل ہی ٹھکانے نہیں ہے وہی عقالتی سے وہی شخص الجھ کر رہے گا۔
 جو بصیرت اور فہم سے خالی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اسکی حکمت
 کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ کبھی ایسی چیزوں کا انکار نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا قَتَلَ الْمُشْرِكُونَ نَبَاهُ و بیا و ہمسے اُنکل چلنے پڑنے میں اور
 اس کے قتل اصولوں میں اُنکل پھر باتیں کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تو
 تصدیق کرنے اور ایمان لانے کا حکم ہے۔ جنہوں نے بعض گمان اور اُنکل سے
 بات کی وہ ہمیشہ جھگڑے ہوئے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمَرَةٍ
 سَاهُونَ ۝ وَ تَخَلَّتْ مِنْ بَھوئے ہوئے ہیں، دنیا کے غمے اثر رہے ہیں۔ مگر
 جزائے عمل کے معاملے میں بالکل غفلت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اللہ نے سورۃ انفیاء
 کے آغاز میں فرمایا ہے اِقْرَبَ إِلَیْهِمْ حَسْبُ إِلَیْهِمْ وَ هُمْ فِيْ
 عَقْلٍ مَّعْرُوفٍ ۝ لوگوں کے عذاب کا وقت تو قریب آچکا ہے، مگر وہ لوگ

غفلت میں مبتلا ہوں۔ منہ پیر رہے ہیں۔ ہر شخص کی زندگی فکرو وسوسے، مکر کے
 اس کی اگلی زندگی کا کچھ خیال ہی نہیں آ رہا ہے کہ اسی کے لیے کیا تیاری کرنا ہے ؟
 فرمایا اس معاملہ میں لوگوں کی بے حس و اطلاع فرائض يَسْتَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ
الَّذِينَ يَخْرُجُ فِيهِمْ بنا پر پوچھتے ہیں کہ انصاف کا دن کب آئے گا ! کہتے ہیں کہ قیامت
 بہرہ پر ہوگی۔ پھر سب لوگ زندہ ہو کر اس طرحائی کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ سب
 کتاب کی منزل پر پیش آئے گی اور پھر جزائے عمل کے فیصلے ہوں گے۔ بعد ہذا
 قرآنہ وقت کب آئے گا۔ سورة الملك میں ایشی نے حکمران کی یہ بات اس طرح
 نقل کی ہے وَيَقُولُ لَوْ أَنِّي مَنَّ عَلَى الْوَعْدِ بَلْ كُنْتُ ضَالِقًا (کیسے) مگر تم اپنے
 دعوے میں پکے ہو تو بتاؤ وہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اس کے جواب میں اللہ
 نے فرمایا کہ انصاف کا دن وہ ہوگا يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُعْشَوْنَ جس دن
 یہ لوگ آگ پر پتلے جائیں گے۔ غرض کہ لغوی معنی ان کا لاش اور اجلا ہوا ہے، اہم
 یہاں مراد یہ ہے کہ جس طرح سونے کو کشال میں ڈال کر پگھلایا جاتا ہے اسی طرح
 ان ناہنجاروں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ اور پھر ان سے کہا جائے گا ۔
ذُوقُوا عَذَابَ نَارِكُمْ آج اپنی شرارت کا برا چکسو۔ تم دنیا میں کہتے تھے کہ جس
 خدا کی وعید سناتے ہو وہ آگیں نہیں جاتا۔ تو یہ دیکھو کہ یہ خدا الٰہی كُنْتُمْ
يَمُتُ تَسْتَعْجِلُونَ یہی وہ سزا ہے جس کے متعلق تم عیبی کیا کرتے تھے۔ اگلی سورۃ
 میں آ رہا ہے کہ ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ اپنے عقائد و اعمال کے بہتے میں جہنم
 میں داخل ہو یا نہ فَأَصْبَبُوا أَوْ لَا أَصْبَبُوا أَسْوَأَ الَّذِي كُنْتُمْ (الطہور: ۱۶)
 اب صبر کرو یا بے صبری کا اظہار کرو تمہارے لیے برابر ہے، آج تمہیں تمہاری
 کارکردگی کا بدلہ مل رہا ہے، اب ہر حال اس سائے مضمون سے باہر یہ کرنا مقصود
 ہے کہ وقوع قیامت اور جہنم کے حق پرستی ہے اور ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ اسی
 معاملہ میں غور و فکر کی آج ضرورت ہے، اگر نہ جب پانی سر سے گزر گیا تو
 پھر کھیتا کچھ کام نہیں آسکے گا۔

کو دھنس جائیں گی اور پھر تم حقوق العباد ادا نہیں کر سکو گے، لہذا عبادت بھی کرو اور
 ساتھ ساتھ آرام بھی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزل میں بھی فرمایا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ
 قُمْ أَيْدِيَكَ لِأَلَّا قِيلَ لَكَ (آیت ۱۲۰) رات کا اعتدال احمد قیام کرو۔ یعنی نصف رات
 ایک تہائی یا اس سے بھی کم وقت میں عبادت کیا کرو اور باقی وقت آرام کیا کرو۔
 بہر حال یہاں پر اللہ نے نیکی کرنے والوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ سوتے
 کم اور عبادت زیادہ کیا کرتے تھے۔

وَرَبَّالْأَعْيَادِ هُمْ وَسَيُفْطِرُونَ اور وہ مکر پر لکے وقت اپنے پروردگار
 سے استغفار کرتے تھے۔ ان اللہ سے اپنی غرضوں کی معافی طلب کیا کرتے تھے
 اور ساتھ ہی بھی کہتے تھے کہ پروردگار! ہم تہ حق عبادت ادا نہیں ہو سکا۔ پھر وہ
 لوگ اس عبادت و ریاضت پر غور نہیں ہوتے تھے بلکہ نہایت عاجزی کا اظہار
 کرتے تھے۔ ان کے پیش پیش نظر و مشربہ بات، یہی تھی کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کا
 حق کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا۔

سحری کے استغفار کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ دُعا کی قبولیت کا خاص
 وقت ہوتا ہے۔ اس وقت خدا کی خصوصی تجلیات اور رحمت کا نزول ہوتا ہے۔
 صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب
 رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان و دنیا کی طرف نزول فرماتا
 ہے، اور ارشاد فرماتا ہے مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِبْ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ
 مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ کون ہے جو مجھے دُعا کرے اور میں اس کی دُعا
 قبول کروں۔ کون ہے جو مجھے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں، اور کون ہے
 جو مجھ سے معاف طلب کرے تو میں اس کو معاف کر دوں۔ فرمایا یہ آوازیں برابر
 آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ طلوع فجر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے
 شفیق بندے مکر پر لکے وقت اپنے پروردگار سے استغفار کرتے ہیں۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝۱۵ وَفِي الْأَرْضِ
 آيَاتٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝۱۶ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝۱۷
 وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝۱۸ قَوْلَ السَّمَاءِ
 وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ ۝۱۹

۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹

ترجمہ :- اور ان کے مالوں میں حق ہے مانگنے والے
 اور محروم کے لیے ۱۵ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے
 والوں کے لیے ۱۶ اور تمہارے نفسوں میں بھی دلائل
 ہیں کیا تم سوچتے نہیں ۱۷ اور آسمان میں ہے تمہاری
 رزقی اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۱۸
 پس قسم ہے پروردگار کی ، بیشک یہ بات حق ہے اسی
 طرح جس طرح تم گفتگو کرتے ہو ۱۹

رہا آیت

پہلے منکر یہی قسمت کار تو اور ان کی سزا کا بیان ہوا۔ پھر ان کے بالخاص متعلق
 اور ایمان دار لوگوں کا حال اللہ نے ذکر کیا کہ وہ باخبر اور چشموں میں ہوں گے۔ چہرہ
 کی خفیں حاصل کر کے ہدایت خوش ہوں گے کیونکہ وہ دنیا کی زندگی میں نیکیاں کاتے
 تھے۔ رات کے وقت اللہ کے حضور مناجات کرتے تھے اور اس کی عبادت
 اور ذکر میں بہت سا وقت صرف کرتے تھے۔ مزید کہاں وہ کھڑی کے وقت اللہ
 کو اللہ تعالیٰ سے پہنچے گناہوں کی معافی طلب کرتے تھے۔ مگر اراقوں کا قیام اور
 سحریوں کا استغفار ان کا معمول تھا۔

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہی متقیوں کے متعلق فرمایا کہ وہ

انہی کے
 بالمتعلق

اس دنیا کی زندگی میں اپنے مالی حقوق بھی دانتداری کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور خدا ہر جگہ
 وَقِفْ أَشْوَارَ الْبَهَرِ حَقِّ السَّائِلِ وَالْمَحْضُونِ اِنَّ اهل ان کے سوال میں سائل اور
 محروم کے لیے حق ہے۔ اور ان کے حق کا نئے والوں کی یہ بھی ایک صفت بیان کی ہے
 کہ وہ ان کے حق کردہ روزی میں سے مانگنے والوں اور محروم اشخاص کا حق پورے
 طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

اس حق کے متعلق مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض طے فرض حق
 یعنی زکوٰۃ پر گہرا کرتے ہیں۔ جبکہ ہر صاحب نصاب پر بقدر نصاب فرض ہے
 زکوٰۃ تو ہر حال میں بلاشبہ فرض ہے اور اس کی فرضیت کا واضح اعلیٰ قرآن میں
 بار بار ہوا ہے۔ تاہم اس مقام پر میں حق کا تذکرہ ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے
 جیسا کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے
 اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ مِیْنِ مَالٍ مِّنْ زَكَاةٍ كَے علاوہ بھی حق ہے
 اس طرح سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۰ میں ہے کہ نئی کا کام یہ ہے کہ مال کے ساتھ
 محبت رکھنے کے باوجود اپنے رشتہ داروں و غنیوں، غناہوں اور مسکینوں کو
 دیا جائے وَ اِنَّ الْمَالَ عَلٰی حَبِیۡمٍ ذٰوِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسْكِیۡنِ
 وَ اِنَّ الْمَسْكِیۡنِ وَالْمَسْكِیۡلِیۡنِ وَ اِنَّ الْوَقَّابِ اس میں مانگنے والوں
 اور یتیموں کا بھی حق آگیا (جیسا کہ سورۃ دھر میں ہے وَ شِکَیۡنَا کُوۡیۡتُنَا
 کُوۡاۡیۡتُنَا) سہرہاں یہ اتفاق زکوٰۃ کے علاوہ ہے کیونکہ زکوٰۃ کا حکم قرآن کے حصہ
 آیت میں ہے وَ اَقَامِ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِ الزَّكٰوةَ یعنی ایسے لوگ نماز قائم
 کرتے ہیں اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔

اسم اگرچہ جیسا کہ لکھتے ہیں کہ اس امر پر ملت کا اتفاق ہے کہ مال میں زکوٰۃ
 کے علاوہ بھی کچھ واجبات ہیں۔ مثلاً اگر والدین محتاج ہوں اور اولاد صاحب مال
 ہے تو اولاد پر والدین کا خرچہ اٹھانا واجب ہے۔ لہذا اگر محتاج اور نامسکین وغیرہ
 ہیں کہ کسی مالدار آدمی کے اقربا اگر محتاج ہیں اور ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش

ہیں ہے تو ان کا خرچہ بھی واجب ہو گا اپنے عزیز و اقرباء کے علاوہ بھی کرنی مسلمان
 مجبور ہو جائے تو الزام آدمی کے ذمے واجب ہے کہ اس کی حاجت برآوی کئے
 اسی طرح دو دہائی خرچ کر کوئی مسلمان مال خالص کر بیٹھا ہے، اسوار کی گم ہو گئی ہے ۔
 کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے یا راستہ منقطع ہو گیا ہے تو اس کا خرچہ برداشت کرنا بھی
 دو ستر مسلمانوں پر لازم آتا ہے ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جانوروں کے مالکان سے فرمایا کہ ان کے
 حقوق ادا کیا کرو ۔ جانوروں کا ایک حق تو اشرنے ان کی گردنوں میں دیکھا ہوا ہے
 یعنی زکوٰۃ ۔ جب جانور نصاب کو پہنچ جائیں تو ہر سال ان کی زکوٰۃ ادا کرو ۔ اور دوسرے
 حق یہ ہے کہ جب تم اذیتوں کو پانی پلانے کے لیے گھاٹ پرے جاؤ ۔ تو ان
 کا دودھ دھواں بھجوں کر بھی دو ۔ اگر کشتے میں کوئی مسافر بغیر سوار کی کے جا رہا ہے
 تو اس کو ساری مہیا کرو ۔ اس قسم کے حقوق وہ ہیں جو زکوٰۃ کے علاوہ ہیں ۔ تو
 فرمایا جو مسلمان خدا کی وحدانیت اور قیامت پر صحیح یقین رکھتے ہیں وہ مالی حقوق
 بھی ادا کرتے ہیں ۔

سائل اور
 محرم

بیان پر اشرنے دو قسم کے مستحقین کا ذکر فرمایا ہے یعنی سائل اور محرم ۔
 سائل تو وہ ہے جو محتاج ہے اور از خود وہ سروسے سوال کرتا ہے کہ اس کی درد
 کا جائے ۔ البتہ محرم کی تعریف میں ضروری کا قدرے اختلاف ہے بعض کہتے
 ہیں کہ محرم وہ شخص ہے جو خود سوال نہیں کرتا حالانکہ اس کے پاس کچھ نہیں مگر
 عزت نفس کی خاطر کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا ، عقیف اور پاکر کا
 ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ محرم سے مراد وہ شخص ہے جو پستے خود بھی مالک تھا ۔
 مگر حواشی کتاب نے اسے محرم کر دیا ۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر
 کسی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ، آذان چڑ گیا ، کوئی اور اعتماد چلا گئی تو وہ مستحق ہے
 اس کی زکوٰۃ فخر سے بھی مدد کی جاسکتی ہے ۔ ایسا شخص بھی محرم یا مستحق نے
 نمبرے میں آتا ہے ۔ اس کے علاوہ ایک اور مستحق گروہ بھی ہے وَلَقَدْ كَرَّمُوا

وہوں کے لیے زمین میں پانی جانے والی چیزیں انسان، حیوان، چرند، پرندہ اور یا سمند، پہاڑ، جنگل، صحرا اور دھاتوں وغیرہ کے کثیر سے متکوڑے ہیں۔ اس کے علاوہ سمندری مخلوق کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر انسان اپنی چیزوں میں غور و فکر کرے تو اس کی فہم نامہ اور درجہ قیامت کا ملکہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ فرمایا وَقَدْ أَنْشَأْنَاكُمْ خود تمہارے اپنے نفسوں کے اندر ہی بہت سی نشائیں ہیں۔ انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل پر غور کیا جائے اور پھر اس کی پوری زندگی کا احاطہ ہیں اس کے جسم کے ایک ایک عضو اور اس کی کارکردگی کا ماحول لیا جائے تو ان میں انسان کے اپنے قدر کے بہت سے دلائل مضمر ہیں۔ فرمایا أَفَكُلَّمَا نَضَعَنَّ کیا تم اس معاملہ میں غور و فکر نہیں کرتے؟ غرضیکہ آفاقی نشائیوں کے بعد انسانی نفس کے نشانات کا ذکر بھی ہو گیا۔ انسان کی روح، انفس نامہ اور اس سے وابستہ تمام اندرونی قوتیں بھانٹے غور و فکر کی قدرت کی نشائیں ہیں مگر یہ اس شخص کی سمجھ میں آتی ہیں جو ان میں غور و فکر کر کے ان کو سمجھنے کا کوشش کرتا ہے۔

ذوق عالم

پھر آگے فرمایا وَفِي السَّمَاءِ وَرِزْقُكُمْ اور تمہاری روزی آسمان میں ہے وَمَا تَوْفِيقِي اور وہ کچھ بھی وہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ظاہری اسباب میں آسانی کی طرف سے بارش ہوتی ہے تو سرورہ زمین کوئی زندگی ملتی ہے۔ اس میں قوتِ درویدگی پیدا ہوتی ہے۔ لوگ اس سے فائدہ اٹھا کر کاشت کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں پھل، نخل اور بہنیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو انسانوں اور دیگر جانداروں کی خوراک بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ رزق کا تعلق آسمان کے ساتھ چلنے کا یہ مطلب بھی ہے کہ ہر چیز کا حکم قرآن میں ہے۔ عالم بالا سے ہی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم جو نازل ہوتا ہے، بارش ہوتی ہے۔ پھر روزی کے ذرائع پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایک اور پرچہ حکم نہ آئے، تمام اسباب و محرکات کے دھڑکے رہ جاتے ہیں۔ ہوائیں بارشیں، دریا اور سمندر طوفان بن کر نقصان کا باعث بن جاتے ہیں۔ لہذا رزق کا تعلق ہر حال عالم بالا سے ہے اس کے علاوہ ہر آنے والی چیز خواہ موت

ہو یا حیات، غرض ہر مانع سب کا فیصلہ تو یہی ہوتا ہے۔ اللہ کا ہر حکم غیظۃ اللہ میں آتا ہے، پھر ظاہری کی جماعت کے سامنے اس کا ذکر ہوتا ہے اور پھر وہی سے عالم عقل میں اس پر عمل درآمد ہوتا ہے۔

جبرائیل علی
برحق ہے

ارشاد ہوتا ہے قَوَّيْتُ الشَّعَاةَ وَالْأَرْضِي پس قسم ہے پروردگار کی جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے إِنَّهُ لَخَبِيرٌ بے شک جبرائیل علی برحق ہے یمنی انصاف کی بات یقیناً واقع ہونے والی ہے۔ ابتداء میں اللہ نے ہواؤں کو دلیل بنا کر وقوع قیامت اور جبرائیل علی کے برحق ہونے سے آگاہ کیا۔ جب کائنات کی کوئی چیز بھی فضول نہیں ہے تو پھر کائنات کا یہ پروردگار کیسے بے مقصد ہو سکتا ہے۔ اس کا بھی انکشاف ہے۔ حدیث جبرائیل میں آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق مقصد طیبہ السلام سے سوال کرنے کے بعد پوچھا تھا مَتَى السَّاعَةُ یعنی قیامت کب آئے گی۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس پوری کائنات کی انتہا کب ہوگی۔ جس چیز کا آغاز ہے اس کا انجام بھی ہے اور جو چیز کو جلد ہے اس نے ختم بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح جو انسان پیدا ہوا ہے اسے مرنا بھی ہے اور اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہوتا ہے اور یہی جبرائیل علی کی منزل ہے۔ اسی لیے اللہ نے آسمانوں اور زمین کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ جبرائیل علی برحق ہے۔

ایک عجیب
واقعہ

صاحب ملکہ، صاحب کثرت اور تفسیر منطوری طے حضرات نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ فقہ و حدیث کے امام اسماعیل بن ابی اسحاق عیسیٰ کے زمانے میں رہتے ہیں۔ بڑے عالم فاضل اور نیک سیرت انسان تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ کسی دکان سے گھر جانے کے لیے بصرہ کی جامع مسجد سے نکلا۔ راستے میں ایک دیباچی اونٹ سوار سے ملاقات ہوئی۔ ایک سلیک کے بعد اس نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اٹن جگہ سے جانا سلام پاک پڑھا جا آئے یعنی جامع مسجد سے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ قرآن کا کچھ حصہ

مجھے بھی سناؤ، تو میں نے یہی سورۃ القدریت سنائی شروع کی۔ پھر جب میں اس مقام پر پہنچا **وَقَبَّ السَّمَاءُ بِرُفِّكَمُومًا فَوَعَدُونَ** تو وہ شخص کہنے لگا۔ رک جاؤ۔ اُس پر اِن آیات کا عجیب اثر ہوا۔ کہنے لگا کہ روزی کا حکم تو اُوپر سے آتا ہے، پھر میں کس تکلف میں پڑا ہوا ہوں۔ اُس نے اپنی سواری کے لوٹ کو دھکیں کر دیا۔ اور صافروں کو کھلا دیا۔ جو سامان پاس تھا، وہ بھی تقسیم کر دیا۔

عام اسماعیل کہتے ہیں کہ میں اس شخص کے توکل سے بڑا حیران ہوا۔ پھر ایٹھانی ہوا کہ حج کے موقع پر میں طواف کر رہا تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ کوئی کمزور ہی آواز والا آدمی شریک ہو رہا ہے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہی بدو نظر آیا۔ وہ پھر کہنے لگا کہ تمہیں کچھ قرآن یاد ہے! میں نے پھر یہ آیت سنائی **فَوَعَدَتِ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ مَعِيَ إِذْ هُنَّ لَكَ قَوَّامَاتٌ** وہ شخص کہنے لگا کہ عجیب لوگ ہیں جنہوں نے سب جیل کو قسم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ وہ شخص اس آیت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے الفاظ کو بار بار دہرا رہا راجح کو اُس کی مدح تقصیر نصیر سے پڑا کر گئی۔

گفتگو باحوالہ
دلیل

فرمایا اُس پروردگار کی قسم ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے کہ وقوع قیامت اور جزائے عمل برحق ہے **وَشَلَّ مَا أَفْكُمُ تَنْطِقُونَ** بالکل ہر طرح جس طرح تم گفتگو کرتے ہو۔ یہ انسان کا خاصہ ہے کہ اشرے اُسے قوت گروانی بخشتی ہے۔ جو انسانوں کے ساتھ لازم ہے اور جس پر کوئی بھی شک و شبہ کا اظہار نہیں کرنا تو فرمایا جس طرح تمہارا آپس میں بات و چیت کرنا بالکل حقیقت ہے، اسی طرح وقوع قیامت کے متعلق بھی کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

مفسرین کرام نے یہاں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ انسان ہونے کے علاوہ دیکھتا بھی ہے سنا بھی ہے، اکھا آ رہیا، چلنا پھرتا اور کاروبار کرتا ہے، مگر کیا وجہ ہے کہ اشرے صرف ہونے کے قیامت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی دیگر حرکات و سکنات کی نسبت اس کا تعلق (رہنا) اس کے حالات کے قریب ترین ہے۔ نطق قوت فکر سے

اٹھتا ہے۔ یعنی اپنے انسان کسی چیز میں غور و فکر کرتا ہے، پھر اس کے نتیجے میں وہ
 بوتا ہے پرانے فلسفے میں انسان کو حیران و محال کیا گیا ہے یعنی بولتے والا جاندار۔
 مطلب یہ ہے کہ گفتگو کن ثابت بڑی حقیقت ہے اور اسی وجہ سے اللہ نے
 نطق انسانی کو دلیل بنایا ہے۔

اسم شاہ ولی اللہؒ کی محکمات میں انسان کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ
 یَتَفَكَّرُ وَيَصْنَعُ بِالْاَدْلَاءِ یعنی انسان اس بات کو سمجھتا ہے جو غور و فکر کر کے اور
 آلات کے ذریعے کام کرتا ہے۔ اگر وہ غلطی ہے تو انسان ہے اگر ناری ہے تو جیج
 بہر حال غور و فکر کے نتیجے میں جو چیز انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اس کا اظہار نطق
 کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے بھی اپنے کلام میں نطق کی اہمیت کو اس
 طرح اہلکار کیا ہے کہ وہ اپنے صبر کی بجائے کے کشمکشات پہلے کرتا ہے تو کہتا ہے

هَذَا بِالذِّكْرِ اَنْ يَحْيِيَ صَمَمٌ
 كَوْهَكَانَ حَيًّا نَاطِقًا كَلَمٌ

یہ بہرے گنگے کشمکشات کیا بات کریں گے، اگر وہ گفتگو کرنے والا زندہ
 ہوتا تو کلام بھی کرتا۔ بہر حال گفتگو کرنا انسان کا خاصہ ہے جس کا ذکر اللہ نے
 خاص طور پر اس جملہ کیا ہے۔

انسان کے گفتگو کرنے میں دو طرح قیامت اور بھٹ بعد الموت کی دلیل
 اس طرح بھی بنتی ہے کہ اللہ نے انسان کو قوت گریائی بخشی ہے۔ وہ مردوت کو
 جڑ کر کھات بناتا ہے۔ پھر جو چیز اس کے ذہن میں آتی ہے اس کو ظاہر کر سکتا ہے
 انسان ایک دفعہ گفتگو کیسے عاجز نہیں آجائے بلکہ اس عمل کو بار بار دہرائتا رہتا ہے۔
 اور اس طرح گفتگو کا تعلق منظم کے ساتھ مستحکم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے
 کائنات کو اس طرح بتایا کہ ہر انسان کو ایک ایک کر کے پیدا فرمایا، تو جس طرح
 کلام منظم کی طرف راجع و رجوع کرنے والی ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کی پیدا کردہ
 مخلوق خود انسانی کی طرف راجع ہوتی ہے۔ جیسے سورۃ بقرہ میں فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ

کا کیسے انکار کرتے ہو جب کہ تم مرد تھے۔ اُس نے تمہیں زندگی بخشی، وہ پھر تمہیں
 موت دے گا اور پھر زندہ کرے گا **ثُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** (آیت ۲۸) پھر تم
 نے اُن کی طرف لوٹنا ہے، مقصد یہ کہ یہ سب چیزیں پست کر اور تعالیٰ ہی کی طرف
 آئیں گی، اور جس طرح اللہ نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کیا، وہ اُسے لٹانے پر بھی قادر
 ہے۔ جس طرح ایک انسان بار بار کھوم کر لے سے عاجز نہیں آتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ
 انسان کو دوبارہ پیدا کر لے سے بھی عاجز نہیں ہے۔ اور جنہوں نے عمل ضرور واقع ہوئی
 بہر حال اللہ نے نفع کو وقوع قیامت کی دلیل بنایا ہے کہ یہ چیز انسان کے معاصات
 کے قریب ترین ہے۔

الذاریات ۵۱

آیت ۲۲ تا ۲۷

قال فما خطبکم ۲۷

درس چہارم ۴

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ إِذْهِمَّ الْعُكْرُونُ ③۱
 دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ③۲
 فَرَأَىٰ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعَبْلٍ سَمِينٍ ③۳ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ
 قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ③۴ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا
 لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ③۵ فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ
 فِي صَرَفٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ③۶
 قَالُوا كَذِبٌ ۖ قَالَ رَبِّكَ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ③۷
 قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ③۸ قَالُوا إِنَّا
 أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ③۹ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَابَ
 مِّنْ طِينٍ ④۰ مَسْوَمَةً ۖ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ④۱
 فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ④۲ فَمَا وَجَدْنَا
 فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ④۳ وَتَرَكْنَا فِيهَا
 آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ④۴

ترجمہ :- کیا پہنچا ہے آپ تک بات ابراہیم علیہ السلام
 کے معزز مسالوں کی ③۱ جب کہ وہ ان کے پاس آئے
 اور انہوں نے سلام کیا ۔ ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا

جواب دیا (اور کہا) یہ لوگ کچھ اور سے معلوم ہوتے ہیں (۱۵)
 پھر نظر بچا کر اپنے گھر والوں کے پاس گئے، اُس دن
 وہ ایک بچہ لایا تھا (۱۶) پس قریب کیا اُس کو اُن کی
 طرف اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ (۱۷) پس عیسیٰ علیہ السلام
 ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے کچھ خوف، تو وہ کہنے لگے
 خوف نہ کھاؤ۔ اور بشارت دی انہوں نے ابراہیم علیہ السلام
 کو ایک علم ملے لڑکے کی (۱۸) پھر سزا ہوئی آپ کی
 بڑی شدت کرنی ہوئی۔ اُس نے اپنے ماتھے کو پٹا اور کہنے
 لگی بڑیا ہے (۱۹) تو وہ (فرشتے) کہنے لگے کہ اسی
 طرح فرمایا ہے تیرے پردہ دار نے۔ بیشک وہ حکمت
 والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۲۰) کہا ابراہیم علیہ السلام
 نے، میں کیا کام ہے تمہارے بیچے ہوئے لوگ (۲۱) کہا
 انہوں نے کہ ہم بیچے گئے ہیں ایک بھرم قوم کی طرف (۲۲)
 جبکہ ہم چھوٹی اُن پر پتھر مٹی کے (۲۳) نشان لگائے گئے
 تیرے پردہ دار کی طرف سے اسرار کرنے والوں کے
 لیے (۲۴) پس صلاؤ ہم نے اُن کو جو تھے اُن ہی میں
 ایمان والوں میں سے (۲۵) پس نہ پایا ہم نے اُن میں
 سوائے ایک گمراہے مسلمانوں کے (۲۶) اور چھوٹی اُن میں
 ہم نے نشانی اُن لوگوں کے لیے جو حدناک عذاب سے
 خوف کھاتے ہیں (۲۷)

اس سورۃ کا مرکزی مضمون واقع قیامت اور جزائے عمل ہی ہے جس کو مختلف
 عزائم کی تحت بیان کیا جا رہا ہے۔ اشر نے چار قسمیں اٹھا کر فرمایا ہیں (الذین کوا قبح
 راہیت۔ ۱۶) جزائے عمل عنود واقع ہونے والی ہے۔ اشر نے منکرین قیامت کا

رد آیت

رہ گیا اور اُن کو کھٹے والی سزا کا ذکر کیا۔ اس کے بالمقابل متقی لوگوں کو کھٹے والی نعمتوں کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد انشورے دنیا میں نئی کائنات والوں کی صفات بیان فرمائیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے عظیم و بڑا زندگی اور دنیا ہات کرتے ہیں، اور سہری کے وقت اپنی نغز شہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اُن کے اہل میں محبتوں اور محروموں کا حق ہر ۲۰ ہے جس کو وہ ادا کرتے ہیں۔ پھر انشورے و قریح قیامت کے بارے میں فرمایا کہ زمین میں قدرت و خداوندی کی بے شمار نشانیاں ہیں جن میں خود کر کے و قریح قیامت کا مشہد سمجھیں آ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ خود انسان کے اپنے نفس میں بھی بہت سی نشانیاں رکھی ہیں۔ روزی اور ہر موجود چیز کا حکم آسمان کی طرف سے آتا ہے پھر فرمایا کہ ارض و سما کے پروردگار کی قسم جڑنے عمل برحق ہے اور یہ مندر واقع ہر عام اور اس کی حقیقت بالکل اسی طرح شک و شبہ سے پاک ہے جس طرح تمہارا گنہگار گناہ سے ہے۔

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض سابقہ انبیاء اور اُن کی اقوام کے حالات اور اُن کو کھٹے والی سزا کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قریح قیامت و جڑنے عمل، قریح و رسالت کا انکار کرنے والوں کے لیے انشورے ہی دنیا میں جڑنے عمل کا ایک اونی نمونہ پیش کر دیا ہے۔ جو خدا تعالیٰ دنیا میں کسی بھی نافرمان کو سزا دے سکتا ہے وہ آخرت میں بھی اُن کی کارکردگی کا بدلہ لینے پر قادر ہے۔ اس سلسلے میں انشورے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قضیت بیان کی ہے اور اُن کے پاس آنے والے مہمان قریشیوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے پروردگار کے لیے جینے کی خوشخبری لائے جب کہ لوط علیہ السلام کی ناہنجار قوم کے لیے تباہی کا سامان سے کر گئے۔ مگر سزا آیات میں بھی ایسے ہی دو گناہوں کا ذکر ہو چکا ہے، ایک وہ نافرمان گروہ جنہیں آگ میں تپایا جائے گا۔ جب کہ متحین کا گروہ جنہوں کو لہر چشموں میں بچا گا جہاں انہیں ہر طرح کی نعمتیں میسر چوں گی۔ بہر حال انشورے نافرمانوں کی سزا کا ذکر کر کے سمجھا دیا ہے

جڑنے عمل
کے اونی
قرنے

ابن عباس
کا ترجمہ

کہ ابی جہل نے چھوٹے فرزند کو ذہن میں رکھ کر آخرت کی بڑی سزا کو بھی قیاس کر لو۔
 سب سے پہلے حضور ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمیں۔ ارشاد ہوتا ہے: هَكَذَا
اَنْشَأَ حَدِيثُ كَتِيفِ اِبْرَاهِيْمَ الْمُسْكُوْنِ کیا آپ تک ابراہیم علیہ السلام
 کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کر کے
 واقعہ کی تفصیلات بتا رہے ہیں۔ یہاں پر معزز مہمانوں سے مراد وہ فرشتے ہیں
 جو آپ کے پاس آئے تھے۔ انشأ نے اپنی اس پاک مخلوق کو جیسا کہ فَاَنْشَأَ مَوْنٌ
 کہہ رہے کہ یہ اُنہی کے باغزت بندے ہیں۔ تمام فرشتے طرہ و طر، اعلیٰ کے ہوں
 یا علوہ ماضی کے، سب عزت ملے ہیں۔ وہ ہر وقت اپنے پروردگار کی عبادت
 اور ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمُرُوْنَ (راہل ۵۰)
 اور اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

تفسیری روایات کے مطابق ان فرشتوں کی تعداد تین، فریادہ تھی جو ابراہیم
 علیہ السلام کے پاس آئے۔ یہ فرشتہ لڑکوں کی انسانی شکل میں تھے جن کے نام جبرائیل
 میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام ہیں، فرمایا کیا آپ تک ابراہیم علیہ السلام کے معزز
 مہمانوں کی بات نہیں پہنچی اِذْ دَخَلُوْا حَتْبُوْ جب وہ آپ کے پاس آئے
فَقَالُوْا سَلَامًا قرآن ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا۔ یہ واقعہ سورۃ ہود، سورۃ الحجرا
 سورۃ العنکبوت اور سورۃ القمر میں بھی مذکور ہے۔ اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام
 کی اعلیٰ اقدار کا ذکر مقصود ہے۔ ساتھ ساتھ آپ پر ہونے والے بعض انعامات
 کا تذکرہ ہے اور آگے اصل بات پہنچنے کے عمل والی بھی آرہی ہے۔

فرمایا، فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ آپ نے سلام کا
 جواب دیا میں دیکھ کر سلام کیا، اور پھر فرشتہ ہی خیال آیا فَوَقَّعَتْ كَنُوزًا
 یہ کچھ اور چھٹے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جانی پہنچی خشکوں میں نہیں تھے اس
 لیے آپ نے دل میں کہا کہ اگر کوئی اجنبی اور غریب انوس شکلیں ہیں۔ بہر حال آپ نے
 ہماروں کا غیر مقدم کیا، انہیں ابھی جگہ خاطر خدمت سے بٹھایا اور اس کے بعد

ابن عباس
کا ترجمہ

جہاں سے ملو محض جان پہچان والا مہمان ملو نہیں بلکہ اجنبی مہمان کی خاطر مہارت اور عزت افزائی ہی ضرور کا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مہمان کو ایک ہی اور ملت حب حیثیت پر مملکت کہنا ناگوار ہے۔ تین دن تک مہمان نوازی ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ خدمت حد تک میں داخل ہے۔

یہ تمام معافی کا اصول ہے۔ اور اگر اپنا کئی عزیز، دشمن وار یا خاص معافی پر
 تو وہ زیادہ عرصہ بھی غصہ رکھنے ہیں، اور حضور علیہ السلام نے معافی کر بھی نصیحت کی ہے
 کہ کسی کے پاس اتنا زیادہ نہ غصہ ہو کہ میزبان صبح محسوس کرنے لگے، اس کی حیثیت کا
 خیال، کھو کیونکر پر سکنا ہے کہ وہ معافی کا ٹوکے کمزور ہو اور قسم اس پر جو بھی ہے ہے
 بہر حال جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ اسی کے ساتوں کے ہاتھ گرنے
 کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو انہیں تشریف لہوئی گیا، بات ہے! اس زمانے میں یہ عام
 دستور تھا کہ جس کو نقصان پہنچا، مقصود ہوا تھا اس کا کھانا انہیں کھایا جاتا تھا کہ یہ
 ملک عزائم میں شمار ہوتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہی بات باعث تشریف لہو
 کہ یہ معافی کیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچا پیش گئے۔ چونکہ آپ کو حقیقت حال کا ابھی
 علم نہیں تھا، اس لیے آپ کی تشریف لہو کیا تھی اور اسی لیے آپ نے ساتوں سے
 پوچھا کہ تم کھانا کیوں نہیں کھاتے۔

پیشرفت

انہوں کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر قاضی جس جٹھٹھ جٹھٹھ
ابراہیم علیہ السلام نے اسی سے خوف محسوس کیا۔ جب فرشتوں نے آپ کو اس حالت
میں دیکھا قائلوا لا عَجَبَ تو کھنگلے ڈر و مت۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، دیکھو
میں جبرائیل ہوں، یہ میکائیل ہیں اور یہ اسرافیل علیہم السلام ہیں، اللہ اہم یہ کھانا نہیں کھاتے
اس کے ساتھ ہی فرشتوں نے ایک اور بات بھی کہی کہ اے ابراہیم! یہ جٹھٹھ جٹھٹھ
انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم مانے لڑکے کی بنا دت بھی سنا دی کہ اللہ تعالیٰ
تمہیں صاحب علم بنا دے گا۔ اس جیسے سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں
جو حضرت سارہؓ کے بطن سے نولد ہوئے۔ اس سے چودہ سال قبل حضرت اسماعیل علیہ السلام

کہ وہ دست حضرت مابرجہ کے بلبل سے بڑھتی تھی۔ جن کے یہ اتنے غلبہ پر
خدا نے (الشعشعۃ - ۱۰۱) یعنی ہمدان کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

بہر حال ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیٹے کی بشارت تو ایک قسمی بات تھی۔
اصل کام جس کے لیے فرشتے آئے وہ اور تھا یعنی وہ لوط علیہ السلام کی قوم پر خدایا
نے کر کے تھے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ ایک طرف تو ایک پوری قوم کی تباہی کا
وقت آپکا تھا اور دوسری طرف ایک بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے جس کے
متعلق بالکل کو بیان ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ نے فرمایا
تھا اے ابراہیم! یہ لوگ تجھے دنیا سے ختم کرنا چاہتے ہیں مگر میں تیری اولاد کو دیتا ہوں
خداوند کی طرف دنیا میں پیغمبروں کا چناؤ کبھی ہم دیکھتے ہیں۔ دنیا کی اکثر آبادی حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

جب اللہ کے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دے رہے تھے تو
اس وقت آپ کی نذر جبرائیل حضرت سارہ کی عمر اتنی یا کتنے سال کی ہو چکی تھی۔ جب
انہوں نے یہ خوشخبری سنی فَأُتُوا بِبَشِيرٍ مِّنْ رَبِّهِمْ پھر سزا ہوئی آپ کی پوری
عمر بچاتی ہوئی مینا بڑھتی ہوئی آئی۔ دراصل وہ اس بات سے سخت حیرت منہ ہوئی تھیں
فَصَبَّحَتْ وَرَأَيْهَا كَأَنَّ الْفَلَاحَ بَشِيرًا پھر انہوں نے پناہ اختیار لی، حیرانگی کے عالم میں چہرے پر
استغراق کے سماں کی بات کر رہے ہیں؟ وَقَالَتِ الْيَتِيمَ الَّذِي يَصْرِفُ مَالَهُمْ تو بڑھی
ہو چکی ہوں اور چلے گی انکھوں میں، بھلا میں کیسے بچ رہی ہوں گی؟ سورۃ ہود میں آپ کے
یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ قَالَتْ يَتُومَنِي ذَٰلِكَ وَأَنَاْ كَاظِمَةٌ وَهُذَآ بَعُولِيْ نَسِيفًا
إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ مُّخْتَبٍ (آیت ۴۲) کہنے لگی، اے الھوس! کیا اب میرے بچوں
کی حالت میں ہر مٹی ہر مٹی ہوں اور میرا غلام بھی بڑھا ہوا گیا ہے۔ بہر حال اس حیرانگی
کے اندر یہ قائلوں کا کہنا کہ فرشتے کہنے لگے کہ ایسا ہی ہوگا فَاكُنْ زَيْنَبُ تیرے
ہمدان کے پریشانی فرمایا ہے۔ اس میں حیرانگی کی کوئی بات نہیں کیونکہ جس پر وہ دیکھ رہے
یہ فیصلہ کیا ہے إِنَّهُ هُوَ الْكَبِيرُ اے الھیم! وہ حکمتوں والا اور سب

کچھ جانتے والا ہے۔ اس فیصلے میں اُس کی کمال محکمت کا فرمایا ہے کہ وہ اس بچے کے ذریعے کیا کام لینا چاہتا ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں لگنا ہر چیز میں تصرف اور تدبیر اپنے علم اور ارادے کے مطابق کرتا ہے۔

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ پہلے تو فرشتے کھانے کی طرف اٹھ نہیں بڑھ سکتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو خوفزدہ محسوس کر کے اپنی حیثیت کو واضح کر دیا تو اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے اُنیں بچے پر آنے گزشت کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی پھرت کو دوبارہ زندگی بخش دی۔ اور وہ دیکھ کر اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ اسی دوران حضرت سلوٹ نے اُن پر بھت کی طرف نظر اٹھائی، جہاں بوسیدہ اور گلی شری کھڑیاں پڑی ہوئی تھیں، تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بوسیدہ کھڑیاں آٹا آٹا سر پہن ہو گئی ہیں اور ان میں پتے نکل آئے ہیں اور اس طرح وہ دوبارہ درخت کی صورت میں ملتے آگئیں۔ ان دو واقعات سے حضرت سلوٹ کو یقین ہو گیا کہ جو پردہ گار بچے پر ہے، پھرت کو دوبارہ زندگی ملے سکتا ہے۔ اور جو خشک کھڑکیوں کو بہرے بھرے درخت میں تبدیل کر سکتا ہے، وہ کچھ جیسی بڑھی اور باخبر حرکت کو اور لامبی ملے سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فرشتوں نے حضرت مارٹ سے کہا: قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ (محدود - ۴۳) کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو، اے اہل بیت! تم پر خدا کی رحمت اور اُس کی بَرَکاتیں ہیں۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو حقیقتِ مال کا علم ہو گیا اور بشارتِ والی بات بھی مکمل ہو کر آپ کی قلبی ہو گئی تو فرشتوں سے کہنے لگے: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ اے اساتذہ کے نیچے ہر سنے فرشتہ! تمہارے آنے کی اصل عرض کیا ہے، بشارتِ والی صحنی است نہ ہو گئی، اب آگے تمہارا کیا پروگرام ہے۔ قَالُوا إِنَّا تَوْصِيكَ إِلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ كُفُّوا لَكُمْ ہم ایک کفر قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ وَلَنْ يَكُونُوا عَلَيْكُمْ عِشْرًا مِّنْ حَبْلٍ اگر ہم ان پر مٹی کے پتھر پڑائیں

قوم اور
کھینچے

اس سے مراد کھنڈر ہیں۔ جو مٹا ہے بنا کر آگ میں پھیلے جاتے ہیں۔ اور یہ ایسے پتھر ہیں۔
 سَقَمًا عِنْدَ رَبِّكَ رَفَعْنَا عَنْكَ رِجْلًا مِّنَ آيَاتِنَا جِن پرتیبے پر ہونگا اس کے ہاں نشان لگے
 ہوئے ہیں اسراف کرنے والوں کے لیے مطلب یہ کہ قریم لوط کے لوگ اپنے جرائم میں
 حد سے بڑھ گئے ہیں ان کی تباہی کا وقت آچکا ہے۔ اب ہر پتھر اُس نافرمان پر
 پڑ کر گئے ہلاک کر دے گا۔ جس کا نام اس پر لکھا ہوا ہے۔

یہ مجرم لوگ شرقِ اوردن میں علاقہ سدوم کے باشندے تھے ان کے پھر بڑے
 بڑے شہر تھے جن کی آبادی چار لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ کچھ دیات بھی تھے، بشا سر سبز
 علاقہ تھا، تجارت اور زراعت دونوں عروج پر تھیں۔ بڑے خوشحال لوگ تھے مگر ہم
 جنسی جیسی فحش بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اس قوم سے پہلے اس بیدہی کا کہیں نام نہ
 نہ تھا مگر اب اس کے سوا جتنے۔ حضرت لوط علیہ السلام تیس چالیس سال
 تک لوگوں کو تبلیغ کرتے رہے اور ان کو بڑے انجام سے ڈراتے دھمکاتے رہے
 مگر انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی، بلکہ کہنے لگے اَحٰیذُ جُؤْجُؤَ مِّنْ قَوْمٍ لَا یَسْمَعُونَ
 اِنَّهُمْ اِنَّمَا یَسْمَعُ سُرُوْرًا (الاعراف: ۸۲) کہ انکی کو اپنی بیتی سے نکال
 دو، یہ بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں۔ اور میں ناپاک کہتے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام
 نے قوم سے یہی کہا تھا قَالَ اِفْرِغْ عَلَیْكُمْ مِّنَ الْعَالَمِیْنَ (الشعرا: ۵۸)
 میں تو تمہارے اس کام سے سخت بیزار ہوں۔ تم بڑا ذلیل کام کرتے ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ
 نے انہیں جگہ دی کہ کشتِ قرین سزا دی، اللہ نے زمین کو بھی تہہ دہلا کر دیا، اور
 اگر یہ پتھر پتھروں کی بارش کی جس سے مادی قوم ہلاک ہو گئی۔

فعلی الاطاعت کہ حیثیت کے متعلق اللہ کریم کا حق ہے اختلاف ہے۔ بعض
 لحد زنا کے برابر قرار دیتے ہیں اور اس پر بھی حد زنا جاری کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں تاہم
 امام ابو حنیفہؒ اور بعض دیگر اللہ سے زنا میں تو شمار نہیں کرتے البتہ اس جرم پر سخت
 ترین عجز و ننگ لگانے کا حکم دیتے ہیں۔ جو قید و بند کر دے یا سزا موت تک بھی ہو سکتی ہے
 فرمایا نافرمان لوگ تو مٹا دے کے مٹے تباہ ہو گئے۔ فَاصْبِرْ جَنَّاتٍ

كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُتَمِيعِينَ ابنتہ ہم نے اہل ایمان لوگوں کو اس جہنم سے نکال دیا
 اور اس طرح وہ عذاب الہی سے بچ گئے۔ اشر نے فرمایا کہ ساری جہنم میں کھانا و خمر
 فِيهَا كُلُّ شَيْءٍ يَنْتَبِعُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ پس نہ پایا ہم نے وہاں کوئی بھی اہل ایمان
 سوائے ایک مسلمان گھبرائے کے۔ ظاہر ہے کہ وہ گھبراہ صرف لوط علیہ السلام کا تھا جو
 اشر کی گرفت سے بچ گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کی بچیاں تھیں۔ بری ہی میں کافرو
 تھی اور وہ بھی باقی قوم کے ساتھ ہی بھاگ ہو گئی۔ فرمایا وَكَانَ كَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ
 يَخْلَفُونَ الْغَايِبَ اَلَا يُكَلِّمُ اس سائے واقف میں ہم نے ایک نشان چھوڑی
 ہے مگر ان لوگوں کیلئے جو وہاں عذاب سے خوف کھاتے ہیں۔ یہ نشان فی وحی کھنگر
 میں جو عرصہ دراز تک موقع پر پڑے ہوئے۔ وہاں سے گزرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے
 اس تباہ حال جہنم کو دیکھتے تھے اور اس سے عبرت حاصل کرتے تھے۔ یہ اتن
 سخت عذاب تھا کہ نہ صرف جہنم جہنم آبادیاں گھنڈرات کا ڈھیر بن گئیں۔ بلکہ
 سمندر کا پانی بھی زہر ہو گیا جسے اب بکریت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اب
 اس سمندر میں کوئی آبِ جانور سینڈلک پھیل و خیر و زندہ نہیں رہ سکتا۔ اشر نے اسی دنیا
 میں جڑائے عمل کا ایک ادنیٰ مانورہ پیش کیا ہے اور پھر قیامت کے بڑے عاوسے
 کا حال بھی بتلوا ہے۔

قال فلما خطبكم ۲۷

الذریع ۵۱

آیت ۲۸ تا ۲۹

در سیم ۵

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۚ ۲۸
 فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سِجْرًا مَّجْنُونٌ ۚ ۲۹ فَأَخَذْنَاهُ
 وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلَيَّمٌ ۚ ۳۰ وَ
 فِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ۚ ۳۱ مَا تَدْرُ
 مِنْ شَيْءٍ أَنْتَ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلْنَاهُ كَالرَّمِيمِ ۚ ۳۲ وَ
 فِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ۚ ۳۳ فَفَقَّحْنَا
 عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذْتَهُمُ الصَّيْقَةُ وَهُمْ
 يَنْظُرُونَ ۚ ۳۴ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا
 مُتَنَصِّرِينَ ۚ ۳۵ وَفُورَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا
 قَوْمًا فَاسِقِينَ ۚ ۳۶

ترجمہ :- اور موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی (نہانی ہے) جب کہ ہم نے بیباکی کو فرعون کی طرف کھل سنے
 مے کر ۲۸ پس دوگردانی کی (فرعون نے) اپنی قوت
 کے ساتھ انہ کھنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیکھ ۲۹
 پس پکڑا ہم نے اسی کو اور اس کے لشکر کو، پھر
 پھینک دیا ہم نے اسی کو صیا میں، اور اس کی حالت
 قابلِ عرصت تھی ۳۰ اور قوم عاد میں بھی (نہانی ہے) ۳۱

جب کہ ہم نے بھی ان کے کہہ ہوا جو پھر سے خالی تھی (۳۱)
 سنیں چھوٹی تھی وہ کسی چیز کو جس پر وہ چلتی تھی مگر کہ وہی
 تھی ان کو چھڑا چھڑا (۳۲) اور قوم ثمود میں بھی دلتانی ہے جبکہ
 کہ گیا ان کے لیے کہ فائدہ اٹھا کر ایک وقت تک (۳۳)
 پس سرکشی کی انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم کے بدلے
 پس پکڑا ان کو ایک کڑاگ نے، اور وہ دیکھ رہے تھے (۳۴)
 پس نہ طاقت رکھی انہوں نے کھڑے ہونے کا اور نہیں
 تھے وہ بارہ چلنے والے (۳۵) اور اسی طرح ہم نے ہلک
 کیا، قوم نوح کو اس سے پہلے۔ بلکہ تھے وہ ایک
 نافرمان قوم (۳۶)

ربط آیات

گزشتہ دو حصوں میں حضرت لوط علیہ السلام کی تباہی کا حال ذکر کیا ہے
 قوم میں ایک گھروے کے سوا کوئی بھی خدا تعالیٰ کی فرخندہ نوازی کرنے والا نہیں تھا۔ یہ
 واقعہ دراصل ہزنائے عمل کی حقیقت کے سلسلے میں ہی پیش کیا گیا ہے اور قصائے
 اسی دنیا میں بعض اقوام کو ان کے بڑے انجاس سے دوچار کر کے بتلایا کہ وہ آخرت
 میں بحیثیت مجموعی بھی ہر فرد کو اس کی کارکردگی کا بدلہ دینے پر قادر ہے۔ گزشتہ آیات
 میں فرما خبرداروں کے غور کے طور پر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا
 اور ساتھ ساتھ نافرمان اقوام کے پانچ واقعات بطور تمثیل بیان کیے
 ہیں۔ مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزائیں بغیر نہیں چھوڑتا، گزشتہ دو حصوں
 میں گزشتہ حصے کے جب ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ قصائے آنے کا قصد
 کیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ ہم لوط علیہ السلام کی مجرم قوم کو سزائیں دینے کے لیے آئے
 ہیں۔ چنانچہ لوط علیہ السلام کے ایثار گھرانے کو بھی سزا سے نکال کر پوری بستی کو الٹ
 دیا گیا اور آپ سے پیغمبروں کی بارش بھی ہوئی جس کی وجہ سے پوری قوم سے ایک

فروری زندہ رہا بلکہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

فرعونوں
کی چوکت

اب کچھ کچھ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے
واقعہ کو بھی بطور نشانی پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَقَدْ مَوَّصَيْنَا لِرَبِّهِمْ
کے واقعہ میں بھی نشانی موجود ہے۔ اس میں غرور و تکبر کرنے سے وقوف قیامت اور
عِزِّيْ عَمَلٍ کی بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔ فرمایا: اِذَا اَنْ سَلَّمْتُمْ اِلٰی فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ
جَبِيْنٍ جب کہ جیسا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف کھینچنے کے
ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو واضح تعلیم واضح معجزات اور دلائل دیا ہیں عطا فرمے
موسیٰ علیہ السلام کی توحیح نشانیوں میں سے جو خدا پر بیضا خاص اہمیت کی حامل
تیسرے حب موسیٰ علیہ السلام یہ معجزات ہے کہ فرعون کے پاس گئے هَتَقُوْنِيْ بِرُكْنِيْهِم
تو اس نے اپنی پوری قوت کے ساتھ آپ کی دعوت سے مدد گزانی کی۔ ارکین کا
سنبھلنا اور طاقت دونوں آتے ہیں اور اس تمام پر دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ اگر
رکن کا معنی پتھر کیا جائے تو مطلب ہوگا کہ فرعون نے آپ کی دعوت سے پتھر کی
یعنی اس سے بچنے کا کرشمہ کیا۔ اور اگر اس کا معنی قوت لیا جائے تو یہ بھی درست
ہے کہ اس نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ دعوتِ توحید کا انکار کیا۔ رکن بمعنی
طاقت حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ قَالَ لَوْ
اَنْ اِلٰی بِكُمْ قُوَّةٌ اَوْ اَوْحٰی اِلٰی ذٰكِنِ مَّشٰوِیْدٍ (ہود: ۸۰)
لوط علیہ السلام نے بہتہ قدم سے کہا کاٹل میرے پاس طاقت ہوتی یہ وہ طاقت ہوتی
ہوتی جس پر بیروں سے کیا جاسکتا۔ اور ظاہر ہے طاقتِ تربی ہوتی خدا کی ذات ہی ہو سکتی ہے
بہر حال فرعون نے ساز و سامان اپنے امراء اور لشکر کی قوت کے بل بوتے پر موسیٰ علیہ السلام
کی نبوت و رسالت اور آپ کے پیغام کا انکار کیا۔ وَقَالَ اَنْجِزْ اور کہنے لگا کہ یہ شخص تو
جادوگر ہے اور اپنے دعویٰ نبوت میں سچائیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات
دیکھ کر ان پر ایمان لانے کی بجائے انہیں جادو کا کرشمہ کہہ کر ٹال دیا۔ بعض دوسری
سورتوں میں موجود ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے خود نشانیاں طلب کی

تھیں۔ سورۃ الشوریٰ میں موجود ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دعوت کو قبول کر دیا تو وہ کہنے لگا، اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو سبوتا یا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا خواہ میں تمہارے پاس کوئی واضح چیز لے آؤں؟ قَالَ فَاتَّيْبَهُ إِنَّ كُنْتُمْ مِنَ الْمُشْرِقِينَ (آیت ۲۱) تو فرعون کہنے لگا اے کون اگر تم کہتے ہو مگر اب آپ نے واضح نشانیاں پیش کر دیں تو کہنے لگا کہ یہ تو بادل گرہ ہے اور بجلی جو آج آ رہی ہے جو ہمارے نظم و نسق کو غائب کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے اکابر و اجداد کے دم دردن اور دیں کر بدل کر ہمارے معاشرے میں خرابی پیدا کر رہا ہے۔ اس مقام پر اشر نے نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپ کو ختم ہی کر دینا چاہا اور آپ کے سخت دشمن بن گئے فَاخَذْنَاهُ وَجِبْرِتَهُ تو ہم نے پکڑ لیا فرعون کو بھی اور اس کے لشکر کو بھی فَقَبَضْنَاهُمْ فِي السِّبْرِ اور ہم نے انہیں دیا میں پھینک دیا اس حالت میں وَهُمْ قَوْلٌ مِّنْ أَمْرِ قَوْمٍ عَالَمِينَ اشر نے قیامت تک کے لیے فرعون پر لعنت مسلط کر دی ہے۔ اب ہر شخص اسی پر لعنت کرتا ہے، اور قیامت کے دن بھی فرعون مع اپنی قوم لعنت ہی کا شکار رہے گا۔ اشر تعالیٰ نے فرعون سمیت پائے لشکر کو کھمقلزم میں ترقی کر دیا اور فرعون کی کوشش کو جہت کے لیے باقی رکھا جو آج بھی لوگوں کے لیے باعث عبرت بنی ہوئی ہے، جو بھی اس کو دیکھتا ہے، اس پر لعنت ہی بھیجتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ قرآن پاک میں چھپا ایسے مرتب سے زیادہ بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ یہ واقعہ بائبل میں بھی مذکور ہے اور تاریخ کے اوراق میں بھی محفوظ ہے۔ اس واقعہ کا ذکر اشر تعالیٰ نے جہنم کے عمل ہی کے سلسلہ میں کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو خدا کسی نافرمان کو اس دنیا میں سزا دے سکتا ہے وہ آخرت میں بھی جہنم کے عمل پر قادر ہے۔

اس کے بعد اشر نے قوم عاد کا حال بیان کیا ہے وَفِي عَادٍ قَوْمٌ عَادُوا میں بھی لٹائی ہے۔ یہ بھی بڑے طاقتور اور بیمار لوگ تھے۔ اقتدار کے ناکب تھے،

قوم عاد کا حال

اس کے پاس بے شمار وسائل تھے اور بڑے خوشحال تھے۔ تاریخی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہرودیس اللہ تعالیٰ پادشہِ روم اس قوم کو دیکھ کر تعجب کرتے ہوئے فرمایا کہ امامِ مہدیؑ کو ملنے والے اپنی تاریخ کا کتاب میں لکھا ہے، (اس میں سے بہت کم رنگ لیا گیا ہے)، پھر یہی ہی کی انسانی صورت سے جھوٹ کر لگی تو ایسا غضب جوش میں آگیا کہ اَوَلَمْ نَكُنْ مِنْكُمْ نَبِيًّا مِّنْ قَبْلِكَ جب کہ ہم نے ان پر ایک پہلے ہی نبی بھی بھیجا تھا جو غیرِ برکت سے نکلا تھا۔ اس ہوا کے متعلق سورۃ الکافر میں آتا ہے تَعَذَّرَ عَنْكَ يَكُفِّرُ كَيْفًا وَلَمْ يَكُنْ لَكَ آيَاتٌ (آیت ۷) خدا تعالیٰ نے اس کو ان کی لوگوں پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل چھوڑ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا مَا تَذَكَّرْهُمْ شَيْئًا اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لَوْ كَانُوا صَادِقِينَ کہ وہ جس چیز پر جھوٹے تھے اُس کو چھوڑ کر کے جھوٹا ہی تھے۔ مریم پر سیدہ ٹھہری یا غلط گئی یا بکٹری وغیرہ کو بھی کہا جاتا ہے جو ذرا سا جھوٹے سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ تو یہ بڑا اتنی تندہی کہ جس چیز کو گنتی تھی اُسے تیس تیس کر دیتی تھی۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو اس تندہی کے ذریعے جھٹک دیا، اور فرمایا کہ اس میں بھی جنائے عمل کی نشانی ہے۔

اس سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ نے ہولوں کی قسم اٹھا کر کی تھی وَالَّذِي لَدُنَّ ذُرُوءُ قَوْمٍ مِّنْ بَیْنِ يَدَيْهِمْ جو مختلف سالوں میں روزِ موعود سے آتی ہے۔ جب یہ خبر پہنچتی ہے کہ آگہی میں جاتی ہے گرم ہو کر۔ اِنَّ جِبَّ غَمْدٍ ہو کر ہر چیز کو تباہ کر دیتی چلی جاتی ہے۔ پھر یہی ہوا، جب فریاد آ رہی تھی کہ اِنَّ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَهُمْ کہ ان لوگوں، جانوروں اور نباتات کے لیے خوش گئی نہیں جاتی ہے حدیثِ شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے میری مددِ مشرقی ہوا صبا کے ساتھ فرمائی، جبکہ ازاں کے موقع پر جب کفار نے مدینہ کا محاصرہ کر دیا تھا اور مدینہ کے مسلمان سخت آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے اُس وقت اللہ

ہولوں کے
اثرات

نے مشرق کی طرف سے تھذبی ہوا چلائی جس سے دشمن کے نیچے اکٹھے گئے اور وہ جہنم کے اندر با آغزاں کر محاسن و جہیز کر بھاگن پڑا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس موقع پر اہل ایمان کی تقویت کے لیے فرشتے بھی کو حق دتے اور اُدھر ہوا جس اپنا کام کر رہی تھی۔ مگر انہوں نے مشرقی ہوا کے ذریعے حضور علیہ السلام کی مدد فرمائی۔ اس کے برعکس قریم طو پر انہوں نے مغرب سے گرم ہوا اور برسا مسلط کی جس نے ان کا مشکل طور پر خاتمہ کر دیا۔

تھذبی شریعت کی بدولت میں یہ تفصیل موجود ہے کہ علاقہ سبا کے رہنے والے قبیلہ ربیعہ کے ایک صحابی حادثہ ابن یزیدؓ مدینہ طیبہ گئے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ جب میں یہاں پہنچا تو اُن وقت مسجد نبویؐ لوگوں سے بھری ہوئی تھی، جبندے جھول رہے تھے اور حضرت بلالؓ ٹھولہ ٹھٹھکے حضور علیہ السلام کے سامنے حاضر تھے میں نے پوچھا کہ سب لوگوں کے صبح ہونے کی کیا وجہ ہے تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ حضور علیہ السلام حضرت عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں ایک لشکرِ جادو پر روانہ کر رہے ہیں جس کی وجہ سے سب لوگ جمع ہیں۔ حضرت حادثہ کا بیان ہے کہ پھر میرا ذکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں باس الفاظ کیا گیا کہ عاتق کی سرزمین سے ایک وفد آیا ہے۔ جب میں نے اپنا تعارف اس طریقے سے سنا تو فرمایا کہ: **أَهْوَدُ بَالِغُهُ أَلَّا أَكُونُ مِثْلَ قَافِلَةٍ عَادَ بِنَاءِ بَهْدَا** کہ میں وفدِ عاتق کی طرح بن جاؤں۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کیوں بھائی اس وفد میں کیا عزائی کی بات تھی جو تجھے نا پسند ہے تو میں نے عرض کیا، حضور ایہ ہزاروں سال پہلا وفد ہے مگر زبانِ ندامت ہونے کی وجہ سے حضور بہت جس کا ذکر تفسیری طور پر میں بھی مانتا ہے۔ ایک وفدِ قریم عاتق پر کثرتِ قحط پڑا، تین سال تک بارش کا ایک قطرہ نہ گر جس کی وجہ سے انسان اور جانور ہلک ہوئے گئے۔ اس نذر نے میں نمازِ کعبہ کی عمارت گر کر چکی تھی، صرف ایک ٹیلہ سا باقی تھا مگر پھر بھی وہاں ان کے لوگ ٹھہر گیا کرتے تھے کیونکہ یہ خطہ ہمیشہ سے مشرق کا ہے۔ قحط سالی سے تنگ قریم عاتق نے اپنے ایک سردار کی قیادت میں ایک وفد کر بھیجا تاکہ وہاں جا کر دعا کریں، تاکہ

وفدِ عاتق
کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ قحط سال کی گود فرمائے۔ یہ وفد ملک کے قریب ایک شخص بزرگ ابن صہابی کے پاس صہاب ٹھکانے میں رہا۔ نے بڑی عزت و تکریم سے وفد کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی خوب خاطر مدارت کی۔ اچھا کھانا کھلا دیا، شراب کے جام پینے سے لگا کر بھانے والی لڑکیاں دل بہلاتی رہیں۔ حتیٰ کہ اسی عیش و آرام میں ایک ماہ گزر گیا اور وفد میں کام میں دھماکے لیے آیا تھا وہ مؤثر ہو گیا۔ پھر وہ وفد وٹاں سے نکل کر مکہ کی پھاڑیوں جیال میں پہنچا اور دھماکا کر پور وگارا! کہ میں کسی بیمار کی شفا پانی کی درخواست نے کر نہیں آیا، اور نہ ہی یہ کسی قیدی کی رہائی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میری درخواست یہ ہے کہ میں طریقہ تو پتے ہماری قوم کو سیراب کرنا تھا۔ اب بھی سیراب فرما یعنی بارش نازل فرما کر قحط سالی دور کر دے۔ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ جس شخص کے پاس یہ صہاب ٹھہرا ہوں اُنھیں کو سیراب فرما۔

قوم ہاد
کے تباہی

اُن وقت آسمان پر تین قسم کے بارش نمودار ہوئے یعنی سفید، سرخ اور سیاہ۔ ان بارشوں سے آواز آئی اچھا سنائی دیتی تھی اس میں سے جو تمہیں پسند ہے اُس کو اختیار کرلو۔ وفد کے سرکار نے سیاہ بارش کو پسند کیا کیونکہ عام طور پر کالی گھٹا بارش لاتی ہے۔ وفد اور قوم کے لوگ خوش ہو گئے کہ کالی گھٹا چھائی بہت مناسب بارش ہوگی اور سالانہ علاقہ جل تھل ہو جائے گا۔ سورۃ الاحقاف میں ہے۔ **هٰذَا اَنۡعَامُ جَنۡ مَّطۡرَہَا** (آیت ۴۴) کہ وہ کہنے لگے کہ یہ تو بارش ہے جو ہم پر بارش برساتے گا۔ مگر اللہ نے فرمایا **بَلٰی ہُوَ مَکَا شَرٌّ مِّنۡ شَرِّہِمْ** بلکہ یہ تو وہ چیز ہے جس کے لیے تم طلبی کرتے تھے۔ یعنی یہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے تم پر ہوا کی صورت میں عذاب آرہا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ یہ ہوا کوئی بہت زیادہ نہیں اتنی بلکہ صرف خشک مٹی کے حلقہ خفہ سے ہے چوڑی گئی اتنی جو سات راست اور آٹھ درجن تک متواتر ملتی رہی۔ یہ ہوا جس چیز پر ملتی تھی اُسے چمک چمک کر رکھ

ہے۔ اس کو بھی اللہ نے جنائے عمل کے غور کے طور پر پیش کیا ہے۔ حضرت
 نوح علیہ السلام کی لہجہ عربی تک تبلیغ اور قوم کا انکار قرآن میں متعدد جگہوں پر مذکور
 ہے بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے نام سے ایک مستقل سورۃ نوح بھی ہے آپ
 سادھے نو سو سال تک قوم کو اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے مگر نتیجہ یہ نکلا کہ مَا أَغْنَىٰ
 عَنْكَ إِلَّا قَلِيلٌ (دھود۔ ۴) بہت ہی کم لوگ ایمان لائے یعنی اسٹی کے
 قریب افراد جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے۔ اسی ساری قوم اِنْهَکُمْ کَانُوا قَوْمًا
 فَاسِقِينَ (افراں ہی رہی۔ سورۃ الاعراف میں اِنْهَکُمْ کَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ (۱۴)
 اذ ہی قوم کہا گیا ہے۔ اللہ نے اس قوم کو اسی طوفان میں غرق کر دیا۔ قرآن ہر طرح ہونے
 مختلف قیروں کو دنیا میں مندرج اسی طرح اذ ہی نمل انسانی کا بھی محاسبہ ہوگا اور جنائے عمل
 واقع ہوگا ہے گی۔

قال فما خطبكم
درس ششم ۶

الذريات ۵۱
آیت ۳۷ ۵۵۲

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۵۱﴾ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا
فَنَعْمَ الْعَامِدُونَ ﴿۵۲﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۳﴾ فَيَقُولُ إِلَى اللَّهِ تُرَاقِبُكُمْ ذَرِيرٌ
مُبِينٌ ﴿۵۴﴾ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنَّكُمْ لَعِندَهُ
مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۵۵﴾ كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجْنُونٌ ﴿۵۶﴾ أَلَتُؤْتُواهُ
بِلَهُمْ قَوْمٌ طَافُونَ ﴿۵۷﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ
بِمَعْلُومٍ ﴿۵۸﴾ وَذَكَرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: اور آسمان کو بنایا ہے ہم نے قوت کے ساتھ
اور بیشک ہم سب قدرت رکھنے والے ہیں ﴿۵۱﴾ اور زمین
کو بچھایا ہے ہم نے، پس کیا ہی خوب بچھانے والے
ہیں ہم ﴿۵۲﴾ اور ہر چیز سے پیدا کیا ہم نے جوڑا تاکہ
تم نصیحت حاصل کرو ﴿۵۳﴾ پس بھاگے اللہ کی طرف، بیشک
میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھول کر دروازے ڈال
ہوں ﴿۵۴﴾ اور نہ ٹھہرو اللہ کے ساتھ اور مسجود، بیشک
میں تمہارے لیے اُس کی جانب سے کھول کر دروازے ڈال
ہوں ﴿۵۵﴾ اسی طرح نہیں آیا اُن لوگوں کے پاس جو ان سے
پلے گزرے ہیں، کوئی رسول، مگر کہا انہوں نے کہ یہ جادوگر

ہے یا طائر ہے ﴿۵۴﴾ کیا وہ وصیت کر گئے ہیں اس بات کی ؟ بلکہ یہ لوگ ہیں سرکش کرنے والے ﴿۵۵﴾ پس آپ منہ پھیریں ان کی طرف سے ۔ پس نہیں آپ پر کوئی عرصت ﴿۵۶﴾ اور آپ نصیحت کریں ۔ پس بے شک نصیحت فائدہ کرتی ہے ایساں لوگوں کے لیے ﴿۵۷﴾

وَقَرَّبَ قِيَامَتِ اُولٰٓئِہِ جَزَائِہِ عَلٰی سُلٰسِہِ اَشْرَہِ مِیٰں بھروسہ کی سزا دہانی کے کئی واقعات بیان فرمائے اور یاد دلایا کہ اہل ایمان کے لیے یہ نشانیاں ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں نافرمانوں کو سزا دی اس طرح وہ آخرت میں بھی گرفت کرنے پر قادر ہے ۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب الیم سے خوف کھاتے ہیں ۔ وہ ایساں لانے اور نکلنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

آسمان کی تخلیق

مگر جہنم کے عذاب کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا امر کا ذکر کیا ہے جو اس کی وحدانیت پر دلیل بنتی ہے اور شاد و ہراسہ وَاللّٰہُ کَذٰبُکُمَا پانچویں اور ہم نے آسمان کی قدرت کے ساتھ پیدا کیا ستھ لیے جوڑے اور وسیع آسمان کی تخلیق اور وہ بھی بغیر ستروں کے ، قدرت کا امر کی بہت ثری دلیل ہے ۔ اے کاشفی اقدار جو انسانی قدرت کا منظر ہوتے ہیں اور اس سے مراد قدرت ہے ۔ جیسا کہ سورۃ قصص میں اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے وَ اٰتٰیہٗ حَبَدًا کَا دَاوُدَ اٰتٰیہٗ (آیت ۱۷۰) ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا تذکرہ کریں ۔ جو کہ انھوں نے اپنے جہنم قوت دے تھے ۔ پھر حال اید سے مراد قوت یا طاقت ہے جس کے ذریعے اللہ نے آسمان کو پیدا فرمایا ۔ اس تذکرے سے مراد یہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ آسمان جیسی کسب و معین چیز کو پیدا کرنے پر قادر ہے ، وہ کسی انسان بھروسہ کو گرفت کرنے پر کیوں قادر نہیں جب کہ انسانی حیثیت ہی آسمان کے مقابلے میں کیا ہے ؟

مگر اس کا حال یہ ہے کہ یہ عرصہ تکبیر کا بنا رہے آپ کو بڑا سمجھا ہے ۔ اور وقوع قیامت اور جہنم کے عمل کا حکم کر دیا ہے ۔ فرمایا آسمان کی تخلیق کوئی بڑی بات

نہیں ہے وَإِنَّا لَكَوْنِيَعُونَ ہم ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں، ہم اس سے بھی بڑی چیزیں پیدا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

زمین کا
فرق

پھر فرمایا وَالْأَرْضُ قَرَشَقًا دیکھو! ہم نے زمین کو کس طرح سے نکھار دیا ہے فَنَعَمَ الْعَمْدُ پس ہم بہت ہی خوب زمین کو نکھانے والے ہیں لَمْ يَكُنْ نے زمین کی ہیئت اس طرح کی بنائی ہے کہ یہ انسان اور دیگر جانداروں کی تمام ضروریات پوری کرتی ہے تمام جانداروں کی غذا ان زمین سے ہی پیدا ہوتی ہے اس کو سطح ایسی نرم ہے کہ اس میں آسانی کے ساتھ کاشتکاری ہو سکتی ہے جس سے فصل پھول اور اناج پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ زمین زیادہ سخت ہوتی تو کھیتی باڑی نہ ہو سکتی اور اگر زیادہ نرم ہوتی تو اس پر کھانا شکل نہ لے پاتا۔ غرضیکہ اللہ نے اس کو زمین مخلوق کی مصلحت کے عین مطابق بنایا ہے۔

اس مقام پر زمین کی جس خاص خوبی کا ذکر کیا گیا ہے وہ قَرَشَقًا سے ظاہر ہے یعنی اس کی سطح ہلکا ہے جس کی وجہ سے لوگ اس پر آسانی سے چلتے پھرتے، کاروبار کرتے، عمارات تعمیر کرتے اور اسی پر سوتے ہیں، اگر یہ ہلکا نہ ہوتی تو اس پر کاروبار حیات کو جاری رکھنا مشکل ہو جاتا۔ اگرچہ یہ زمین ہمیں بخام سطح نظر آتی ہے۔ مگر جدید سائنسی تحقیق کے مطابق زمین چٹانی نہیں بلکہ گیند کی طرح گول ہے۔ اور شمالی اور جنوبی قطبین کے قریب ٹھیکٹی ہوتی ہے۔ اہم اپنی وسعت کی وجہ سے یہ گول کی بجائے چٹانی عموماً ہوتی ہے۔ آج کل سائنس دانوں کی تلاش یہ ہے کہ فضا سے لی گئی زمین کی تصویر میں زمین بالکل گیند کی طرح گول نظر آتی ہے جس طرح ہمیں زمین سے چاند کو صحیح گول دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح فضا میں بھی گول ہی نظر آتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے زمین کو نکھار دیا اور ہم اس کو خوب نکھانے والے ہیں آگے اللہ نے اپنی ایک اور قدرت کا تذکرہ فرمایا ہے وَمِنْ حَقْلٍ شَعِيرَةٍ خَلَقْنَا رَجُلًا اور ہم نے ہر چیز سے جوڑا پیدا کیا ہے۔ انسانوں اور دیگر جانداروں مخلوق میں تو ہم ہر شے کے جوڑے جوڑے کا مشاہدہ کر رہے ہیں تاہم سائنس دان

ہر چیز کا
جوڑا

بتلاتے ہیں کہ چھوٹے سے چھوٹے کیڑے مکوڑے سے لیکر محمدؐ کی بڑی سے بڑی مخلوق تک ہر چیز کو اللہ نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ حتیٰ کہ علم نباتات والوں کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ نے قلم نباتات کو بھی جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ نرواد کے جوڑے سے ہی آگے حیوانات یا نباتات کی تسلسل چلتی ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ زمین سے مراد متضاد چیزیں ہیں یعنی ہر وہ چیز زمین کی بنا سکتی ہے جو اپنا مقابلہ رکھتی ہے۔ مثلاً گردشِ کلت، ایل و نہار آپس میں متضاد ہیں اور جوڑا جوڑا ہیں۔ اسی طرح خشکی اور تری، دھن و ما، حیدان اور پھاڑ، تجربہ و نوجہن میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ صفات میں سعادت اور شقاوت، کھر اور ایان بھی زمین میں ہیں۔ گرمی اور سردی، علم اور قہر، پیادہ اور جدلی، پہل اور سعادت، حق اور باطل، مینا اور کڑوا، صحت اور بیماری، چکنی اور قشر، ٹھک اور بکا، فرحت اور غم، موت و حیات، دینا اور جتنی وغیرہ سب زمین میں شمار ہوتی ہیں۔ اگر نفس ان چیزوں میں غور و فکر کریں تو اللہ کی قدرت اور اسکی وحدانیت کھد میں آسکتی ہے فقہ کفر تذکرہ کوئی نہ کہ رقم نصیحت حاصل کرو۔

اس سورۃ میں دین کے بنیادی عقائد قرآنِ کریم کی حیثیت، توحید، رسالت، اور وقوعِ قیامت کا ذکر بھی کر لیا ہے۔ چنانچہ یہاں پر دعوت الی التوحید کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے **فَقُلْ قَدْ اٰتٰکَ اللّٰہُ مِنَ الشَّرْعی اٰیٰتٍ** کہ ہر طرف سے کٹ کر صریح اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کے ساتھ اپنا تعلق درست کرو۔ **حٰضِرًا اَدْرِ اللّٰہَ عٰتِیْ شُرَکَیْنِ** (الحج ۲۱) حقیقت بن جاؤ اور شرک نہ خزا، کفر و شرک اور معصیت کو چھوڑ دو۔ اور ساتھ اپنے پیغمبر کی زبان سے یہ بھی کہلو **اِنِّیْ کُفُوْۃٌ مِّنْہٗ** تَذِیْقٌ مِّنْہِمْ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھول کر ڈھنسانے والا ہوں۔ میں خدا کا رسول ہوں اور مجھے اندازہ کا حکم دیا گیا ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتے ہیں کفر اور شرک کا راستہ اختیار کرتے ہیں، میں اُن کے برے انجام سے آگاہ

اللہ کا نبی تاکید فرماتا ہے وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا أُخَرَ
 اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو سمجھو نہ مشرک کسی کو حاجت بردار اور مشکل گزار نہ بھرو
 کسی کی خدمت یا نہ دو۔ اللہ کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ مالک، نہ قادر مطلق ہے اور
 نہ علیم مطلق وہی متصرف اور مدبر ہے، وہی قدرت نامہ کا مالک ہے اور سخی قدرت
 ہے، لہذا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مٹراؤ اور دوبارہ میں اور اِفْتِ ذِكْرُ
 قِسْمَةِ خَلْقِ تَبَيَّنَ بے شک میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کھول کر
 ڈھانسنے کے لیے آیا ہوں۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے
 خلاف چلو گے تو انجام بہت بڑا ہوگا۔

انکار رسالت

اگلی آیت میں اللہ نے منکرین رسالت کا تذکرہ فرمایا ہے كَذَلِكَ مَا
 آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ اس طرح سے نہیں آیا ہیں سے پہلے
 لوگوں کے پاس کوئی رسول والا قالوا اسحق او جثوثی مگر انہوں نے یہ کہا
 کہ شیخ جس جادوگر سے یا دیوانہ سے۔ فرمایا یہ صرف تمکے اور عرب کے مشرکین کی
 بات نہیں بلکہ میں قوم میں بھی اللہ کا کوئی رسول آیا انہوں نے انکار ہی کیا۔ انہوں نے
 اللہ کے نبی کی بات پر کبھی غور ہی نہ کیا اور جب انہوں نے اللہ کا پیغام سنایا تو انہ
 حمارت کے ساتھ ٹھکرایا، فرمایا اتوا صوابہ کیا تمہیں پہلے لوگ وصیت
 کر گئے تھے کہ ان کی طرح تم بھی اللہ کے رسولوں کا انکار کر دینا، اور کیا تم انہی کی
 وصیت پر عمل کر رہے ہو؟ جب قوم نوح کا بوڑھا آدمی قریب المرگ ہوا تو وہ
 دوسروں کو وصیت کر رہا کہ دیکھنا کہیں نوح علیہ السلام کی بات کو نہ مان لینا ورنہ وہ تمہیں
 قہار سے اہل ابدال کے دین سے پھیر دے گا۔ فرمایا حقیقت یہ ہے بَلَا هُمْ
 قَوْمٌ طَافُوا کہ وہ سرگرداں تھے جو تو حید و رسالت کا انکار کرتے تھے۔ یہ
 ان کی سرکشی کا نتیجہ تھا کہ اللہ کے نبی کو سزا اور عینوں کا خطاب مے دیا، اھیا ہاں اللہ
 آگے اللہ نے اپنے پیغمبر کو کسی دلائل سے قَوْلًا عَنقَدَ آپ نے

قبول
مستحسن

منگنی تو عید و رسالت سے منہ پھیریں، ان کی طرف زیادہ توجہ نہ دیں۔ **فَسَمَا**
أَنْتَ بِمَعْلُومٍ آپ پر کچھ علامت نہیں۔ اگر یہ لوگ فتنہ پردازی کرتے ہیں،
 ان سے بات نہ کی جائے۔ اگر کٹر دکھاتے ہیں تو آپ اپنا فریضہ ادا کرتے ہوئے سمجھا دیں اور
 اس کے بعد ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ آپ اس بات کے ذمہ دار نہیں
 ہیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے۔ آپ کا فرض یہ ہے **يَبْلُغُ مَا أُكْرِمَ**
إِلَيْكَ مِنْ كَرَمِكَ (المائدہ - ۶۷) جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔
 اس کو ان کی نگاہ تک پہنچا دیں، اس کے بعد بتایا نہ جاتا ان کی ذمہ داری ہے
 اور قیامت والے دن انہی سے سوال ہوگا کہ میرے پیغام کے ساتھ تم نے کیا
 سلوک کیا کیا آپ اپنا فریضہ ادا کر دیں اور ہیں۔

اور ساتھ ہی فرمایا **فَذَكِّرْ** آپ ان کو نصیحت کر دیں **فَإِنَّ الدِّكْرَ لَیْ**
تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ہے شک یہ نصیحت ایمان والوں کو ضرور فائدہ دے گی۔ البتہ
 سرکش اور شرارتی لوگ اس نصیحت کا فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ جب آپ ان لوگوں
 کے سامنے اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کریں گے، اور آپ دعوتِ نبی کی بات پیش کریں
 گے۔ شیطان کے وہ غلامانے کی بات کریں گے تو انہیں غرور و فخر کا موقع ملے گا۔
 پھر جن کے دل میں ایمان کا جذبہ موجود ہوگا وہ اس سے متغیر ہو کر باوجود راست
 پر آجائیں گے، اور جو ایمان سے یکسر خالی ہوں گے۔ ان پر آپ کی نصیحت
 کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔

اسی نصیحت ہی کے ضمن میں ایک عرب شاعر دنیا کی بے ثباتی اور ان کی
 بے بسی کے متعلق کہتا ہے۔

كُلُّ بَنٍ أُنْثَىٰ وَإِنْ حَالَتْ سَلَامَةٌ

لَأَمَدًا يَوْمًا عَلَىٰ أَلْوَىٰ الْعَدَاوَةِ تَحْشُرُ

ہر ایک انسان عورت ہے اور اگر سلامت
 حوالہ دیا کہ جس صحت و سلامتی میں ہو مگر ایک دن اسے ٹیڑھے کے یعنی جانے
 کی چادر پائی پر سڑا ہوا ہی پڑے گا۔

يَا أَيُّهَا شُعْرَى وَهَذَا الْعَذَابُ يَنْبَغِي
وَلَيْسَ كَذَلِكَ فِي الْقَيْسِ كَحَدِيثِ

کاش کہ مجھے معلوم ہو کہ انسان کو موت کا غم کیسے قدر غم میں ڈالتی ہے غم کی زندگی میں موت سے بچانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

علامہ اقبالؒ نے بھی کہا ہے۔

آیا ہے تو جہاں میں مثالِ شرار دیکھنا

دمِ مجھے نہ جلنے ہنسی کیا نیدار دیکھنا

بدی مثال تو چنگاری جیسی ہے جو ابھی سنگ رہی ہے مگر عنقریب بجھ جائیگی اور ظاہر ہے کہ موت لازماً آنے والی ہے، جس سے کسی طرح بھی بچنا نہیں مقصد یہ ہے کہ دنیا کی ناپائیداری کی اس طرح کی باتیں نصیحت کا درجہ رکھتی ہیں۔ پھر قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کی تذکرہ بھی انہی کے لیے باعث نصیحت ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی باتیں ایمان والوں کیلئے یقیناً مفید ہوں گی۔ ابی تمام چیزوں کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے، لہذا ان باتوں کی نصیحت کرتے رہیں۔

قال فاعطیکم ۲

التَّوْبَتِ ۵۱

درس ہفتم

آیت ۶۰ تا ۵۶

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا ﴿۵۷﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۵۸﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے تاکہ وہ میری عبادت کریں ﴿۵۶﴾ میں نہیں چاہتا ان سے روزی، اور میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھدیں ﴿۵۷﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہی روزی بیٹے والا ہے مضبوط طاقت کا مالک ﴿۵۸﴾ بیشک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا ہے، اڈول بھر چکا ہے جیسا کہ ان کے ساتھیوں کا۔ پس یہ جلدی نہ کریں ﴿۵۹﴾ پس تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا، اس دن جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ﴿۶۰﴾

درجہ آیت

اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر متکثرین قیامت کا رد ہوا ہے، اور اب آخر میں اللہ نے اس کی طرف رجوع کرنے اور اپنی ترمیم کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ گزشتہ درس میں متکثرین رسالت کا تذکرہ کیا اور اللہ کے نبی کو ساحر اور مجنون کہنے والوں کی مذمت بیان کی۔ پھر آخر میں اپنے نبی کو قتل دی اور ساتھ ساتھ لوگوں کو نصیحت کرنے کا حکم دیا۔ اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آپ پر

کام کرتے چلے جائیں، آپ کی فیصحت سے اہل ایمان ہی فائدہ اٹھا سکیں گے۔

آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ جنہوں کو انسانوں کی تخلیق کی غرضِ نعتِ بیان فرمائی ہے۔ اور شاہد ہر سچے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي میں نے جنوں کو انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ بعض حضرات اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ میں نے جنوں کو انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ مجھے پہچان لیں یا میری کوجید گان میں؟

عام رائج فرماتے ہیں کہ لفظ عبادت کو عام ہے۔ اس لیے سوائے پیدا ہونے کے اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی عبادت کے لیے جنوں کو انسانوں کی تخلیق فرمائی ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ اس عبادت میں دو چیزیں شامل ہیں یعنی الْعِبَادَةُ اور الْقُرْبَانِ اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا وَالسُّقُوتُ عَلَى خَلْقِ اللَّهِ (اور مخلوق خدا پر شغقت و عمرانی کرنا)۔ مقصد یہ ہے کہ عبادت کی یہ دو قسمیں تو عام جنوں اور انسان کے لیے مشترک ہیں۔ مگر ذاتی عبادت ہر دو انواع اپنا اپنا شرائع کے مطابق کرنے کے پابند ہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سلسلے میں چار فصلیں تمام سابقہ امور اور ہماری امت میں بھی برابر ضروری ہیں فرماتے ہیں کہ پہلی فصلت طہارت ہے۔ انسان کا جسم اور لباس بھی پاک ہو اور اُس کی روح اور عقیدہ بھی پاک ہو۔ طہارت کے خلاف ہر چیز نجاست ہے۔ خواہ وہ ظاہری نجاست ہو یا اعتقادی، اعتقاد اور عمل کی نجاست جو انسان کو ہر حالت میں ظاہری باطنی طہارت کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور کفر، شرک، انفاق اور بدعتیہ کی بے پہچان چاہیے کہ طہارت کا یہی تقاضا ہے۔

فرماتے ہیں کہ دوسری ضروری فصلت انبات یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا ہے۔ انسان کو غرور و تکبر سے پہچاننا چاہیے کیونکہ یہ بہت بُری فصلت ہے۔ اس کی پہلے انسان کو غرور و تکبر کی کاپٹو ہونا چاہیے۔ تیسری چیز ساحت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی خسیس چیزوں سے بچنا تاکہ اور اچھی باتوں کو اختیار کرے۔ اسی

کا وہ تمام حق تعالیٰ ہے۔ تمام اہم میں جو حق مشترک چیز عدالت ہے۔ انسان کو اپنے
 بچکانے ہر ایک کے حق میں انصاف کا نظام رکنا چاہیے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ نہ
 کرو کوئی کفر تعقل کے زیادہ قریب ہے عدل کے باعقاب ظلم و جور ہے جو کی صورت
 میں بھی قابلِ مستہزل نہیں۔

صحیح عبادت
 کے لیے ضروری

عبادت ایک عام چیز ہے جسے دہروں کے سوا تمام اہلِ خدا پسند ادا کرتے
 ہیں۔ یہود، نصاریٰ، ہندو، مشرک، نبوی اور بدعت والے سارے ہی اپنے اپنے طریقے
 پر خدا کی عبادت کرتے ہیں، مگر صحیح عبادت کے لیے خدا تعالیٰ کی ذاتِ ہدایت کی
 صفات کی صحیح پہچان ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔
 صحیح عبادت کے لیے خدا تعالیٰ کی تشریح کا اقرار بھی ضروری ہے۔ میں انسان اس
 اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے کہ وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور
 تمام چیزوں کا مالک ہے۔ انسان کے قلب کے ذہن میں یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے
 کہ وہ جس ذات کی عبادت کر رہا ہے اسے تمام اسباب پر کنٹرول حاصل ہے۔ وہ
 نافع اور ضار ہے، قادر مطلق اور عظیم کل ہے۔ ہر حال اس عقیدے کے تحت جو انسانی
 عیب کی تعظیم ہوگی وہی صحیح عبادت ہوگی۔ خواہ وہ قیام کی صورت میں ہو، رکوع یا
 سجدہ ہو یا نذر و نیاز کی صورت میں ہو۔ غرضیکہ عبادت کی مختلف شکلیں ہیں اور یہ اس
 وقت تک ٹھکانے نہیں لگ سکتی جب تک خدا تعالیٰ کی صحیح پہچان نہ ہو۔

عبادت کا
 فائدہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا تاکید حکم دیا ہے، کیا خدا کی عبادت بکالائے میں
 اس کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے؟ فرمایا **مَا أَرْبَيْتُمْ شَيْئًا مِّنْ رِّزْقِي** میں اپنی عبادت
 کرو اسکے اپنے بندوں سے کوئی روزی اگر طلب نہیں کرنا۔ دنیا کا یہ کس قدر تر ہے کہ
 آقا اپنے غلام یا لاکروں کی کافی کھاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ تو ان چیزوں سے پاک ہے
 اسی لیے اُس نے تاکید واضح کر دیا ہے **وَمَا أَرْبَيْتُمْ أَنَّىٰ يَطْلُبُونَ** میں نہیں چاہتا
 کہ یہ لوگ مجھے کدلائیں۔ اللہ تعالیٰ تو کھانے پینے سے پاک ہے، وہ خود اپنے مخلوق
 کو روزی پہنچاتا ہے، اس کو رزق کی کیا پوچھ سکتی ہے؟ فرمایا **إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ**

ذَوِ الْقُوَّةِ الْبَیِّنِ یُحَکِّم رِوَدی وہاں تو رہی ہے۔ وہ تو خود ساری مخلوق کا رازقی ہے
اور فیصلہ طاقت کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسے نہ کسی
کی عبادت کی ضرورت ہے اور نہ صحت کی بلکہ عبادت کرنے میں خود بندے کا اپنا ہی
فائدہ ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان اور جن صحیح طریقے
پر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے ان کا اعلیٰ مزاج درست ہے گا اور وہ ترقی
کی منازل طے کرتے چلے جائیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ کا حکم ہو گا فَادْخُلْ فِي رِجَالِهِ
(المعمرہ: ۲۹) میرے بندوں میں سے میری معظمتِ تقدس میں داخل ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ
عبادت کرنے میں خود انسان ہی کا فائدہ ہے۔ شاہ صاحب وضاحت کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ مزاج کی درستگی کا مطلب یہ ہے کہ جو خوراک اللہ نے کسی جاندار کے لیے
فطری طور پر مقدور کی ہے، اُسے استعمال کر کے اُس کا مزاج درست ہے گا۔ اور اگر
وہ غیر فطری خوراک کھائے گا تو اس کا مزاج بگڑ جائے گا۔ اونٹ، گائے، بھیڑ،
بجری وغیرہ بہت تک گھاس بنز و وغیرہ کھاتے رہیں گے ان کا مزاج صحیح ہے گا۔
اگر یہ گشت کھانا شروع کر دیں تو مزاج خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر گشت
ورہے گھاس کھانے لگیں تو ان کا مزاج بگڑ جائے گا۔ اس بیک کے مطابق جب
تک جن اور انسان خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے، ان میں پاکیزہ اخلاق پیدا
ہوں گے اور وہ حقیقی کی منازل طے کرتے چلے جائیں گے۔ بر خلاف اس اگر وہ عبادت
اللہ کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے تو تنزل کے گرہے میں جا گریں گے۔ ہر حال عبادت
کرنے کا فائدہ خود انسان کو ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے
کہ اللہ تعالیٰ انسان کو خطاب کر کے فرماتے ہیں يَا اٰدَمُ قُمْ فِي رِجْلِكَ
اَمْلَاةٌ مِّنْ دَنَّا بِالْفِتْنِ وَلَا تَفْعَلْ اَمْلَاةٌ مِّنْ دَنَّا شَفَعَا لَكَ
آدم کے بیٹے اپنے آپ کو میری عبادت کے لیے غارِ کریمے میں تیرے بیٹے کو

مغنی سے بھروسہ کیا اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو تمہارے پیٹے بیورو چیزوں سے بھردوں گے اور تمہارا فقر بھی بڑھ نہیں ہوگا۔

رزق کی
توضیح

امام احمد نے اپنی سند میں دو صحابہ مثلاً ابو شامہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ اپنے فقر کے کسی چیز کو ٹھیک کہہ سکتے تھے مگر وہ درست ہونے میں نہیں آ رہی تھی اور اس کے لیے آپ کافی مشقت برداشت کر رہے تھے۔ حضور علیہ السلام اس کام سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوئے، ہمارے لیے تمنا فرمائی اور ماضی بھی فرمایا **رَبَّنَا قَسِّمْنَا مِنْ رِزْقِكَ اللَّهُ تَعَالٰی** تم دونوں اللہ تعالیٰ کی مدد سے کہیں نا اُمید نہ ہونا کیونکہ رزق کا سلسلہ اللہ نے اپنے تصرف میں رکھا ہے اور اس کو کسی مخلوق کے سپرد نہیں کیا فرمایا **إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَحَدِيدٌ** اُنہوں نے انسان کی ماں کے سُرُخ کو تھوڑے کی شکل میں بنھ دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو مدد ہی ہم پہنچاتا ہے اور اس کی تمام ضروریات پوری کر رہا ہے، لہذا رزق سے کبھی مایوس نہ ہونا، خدا کی عبادت کرتے رہنا اور اسی کی ذات پر بھروسہ رکھنا۔

کسی قدر افہام کا مقام ہے کہ اس زمانے میں حکومتوں نے اپنے آپ کو رزق کا درجہ عطا کر دیا ہے۔ سرکاری سطح پر پیشہ پر ایجنڈا کیا جاتا ہے کہ وسائل رزق کی کمی کے پیش نظر آبادی کو بڑھنے سے روکو۔ خود کو صاحب اقتدار حکومتی خزانے سے پیش و عشرت کہہ سکتے ہیں اور دوسروں کے مدد کے وسائل کی کمی کا رونا رو کر انہیں آبادی میں اضافے سے روکتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو شرائع الہیہ کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا مشاء کریم ہے کہ جائز ذرائع سے مال حاصل کرو۔ اور صحیح طریقے پر تقسیم کرو، مگر یہاں ترقی حصول صحیح ہے اور نہ اخراجات مناسب ہیں، مگر ان شرائط و تقریبات کا دور دورہ ہے، عیب لیسے میں دنیا کا معاشی اور معاشرتی حالت کیسے بدتر ہو سکتی ہے؟ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے **أَجْمَلُوا فِي الْعَلَقِ** اچھے طریقے سے کھاؤ، جائز پیشہ اختیار کرو اور ناجائز ذرائع سے

کوئی چیز حاصل نہ کرو۔ اگر تمہاری آمدنی جائز ہوگی تو تمہارے اخراجات بھی درست ہوں گے۔ اگر کوئی حرام ہے تو پھر مال حرام بود بچائے حرام رفت والا معاملہ ہی ہوگا۔
 اہم اس کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ پہلی آسمانی کتابوں میں یہ چیز کبھی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی کو خطاب کر کے فرمایا: **يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ** (فَلَا تَلْعَبُوا) اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔
 لہذا مصحف کیل کر میں ہی شوق نہ ہو جانا۔ تم اپنے مقصد کو پہچانو، تمہاری روزی کا مفید میں ہوں اور کسی نہ کسی طریقے سے تمہیں ضرور روزی پہنچاؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ کمانے کے لیے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو۔ فرمایا اگر مجھے خوش کرو گے تو ہارو گے۔
 میری عبادت کرو گے تو میری خوشنودی حاصل ہوگی، اور اگر میری مخلوق کی خدمت کرو گے تو میری رضا کو ہارو گے، اگر تم نے مجھے پایا تو گویا ہر چیز کرایا۔ اور اگر مجھے نہ پایا تو تمہارے ہاتھ سے ہر چیز نکل گئی۔ پھر تم ایسی حالت میں ہو گے کہ تمہارے نزدیک میری ہمتی سب سے زیادہ اچھی ہوگی لیکن تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اللہ نے تو جنوں اور ان لوگوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے مگر انہیں یہ پیدا ہوا ہے کہ اس کے فناء کے مطابق یہ مخلوق اس کی عبادت کیوں نہیں کرتی؟
 سفر میں کڑم فرماتے ہیں کہ حکم دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک حکم ظہری ہے جس کے سلسلے میں ہادی مخلوق مجبور ہے اور اُسے تسلیم کرتی ہے۔ چاند، سورج، ارض و سما، شجر و حجر سب اللہ کے حکم ظہری کے پابند ہیں اور ہر حالت میں اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اللہ کی مقرر کردہ ڈیوٹی سے معذور نہیں ہو سکتا، بلکہ ہر کوئی اپنے اپنے کام پر لگا ہوا ہے حکم کی دوسری قسم تشرعی ہے۔ اس حکم کی تعمیل مخلوق اپنی نیت اور ارادے سے کرتی ہے، مثلاً ایمان لانا، عبادت کرنا، احسان و عفو کا خیال رکھنا وغیرہ تشرعی احکام ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے کسی کو مجبور نہیں کیا۔ اگر حکم کی تعمیل کرے گا تو انعام پائے گا۔ وگرنہ سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا جنوں اور ان لوگوں کے لیے تشرعی حکم ہے، لہذا

عبادت سے
 اور اس کی کوئی

بعض اہل میں سے اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں جبکہ اکثر اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔
 بعض فرماتے ہیں **لَتَعْبُدُنَّ دُونِ كَاسِطَب** یہ ہے کہ اللہ نے تمام جنوں اور
 دہنوں میں عبادت کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے، اب یہ ان کی مرضی ہے کہ
 وہ اس صلاحیت سے فائدہ اٹھا کر نفع کا سوا کرتے ہیں۔ اس صلاحیت کو
 ضائع کر کے غلامی میں پڑھاتے ہیں، حضور علیہ السلام کا فرمان بھی **كُلُّ مَوْلُودٍ**
فَرِيدٌ عَلَى فِطْرَةٍ ہر نو روید اپنی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ مگر بعد میں ہر
 کے اثرات اُسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی وہ مجوسیت کا شکار ہو جاتا ہے، یا
 کفر و شرک میں پھنس جاتا ہے، اہم سر میں دامن کی فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ وہ
 اپنے خالق و مالک کی عبادت بجا لائیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے **فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا جَعْلًا**
لَهُمْ ان لوگوں کے لیے جہنم میں ظلم کیا۔ ظاہر ہے کہ ظلم میں سرفروست، کفر و شرک
 بظلمت و تاریکی، ماحمی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا انکشاف، تعدی اور زیادتی، غرض
 آتے ہیں، مگر عتیدے کا ظلم اللہ سے بڑھا ہوا ہے۔ اللہ نے فرمایا **إِنَّ الْبَشَرَاءَ**
ظَلَمُوا عَظِيمًا (لقمان - ۱۴) بے شک سب سے بڑا ظلم اللہ شرک، کفر، جہنم
وَالْكُفْرُ دُونَ هُمْ الظالمون (البقرہ - ۲۵۴) کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں
 تو فرمایا ہیں لوگوں نے ظلم کا ارتکاب کیا **ذُنُوبًا قَبْلَ ذَٰلِكَ** اَضْحَمُوا
 ذُنُوبًا ان کے سابقہ ذنوب کے ذنوب کی طرح ہیں، جب کر کے ذنوب پانی میں ڈالا جاتا ہے
 اس دھوپانی سے بھر جاتا ہے تو پھر اُسے نہیں تیرا بلکہ ڈوب جاتا ہے، مطلب یہ کہ ان
 کی طرح ان کے پہلے سابقہ ذنوب کو بھی پورا پورا موقع دیا گیا مگر وہ کفر، شرک اور ماحمی
 سے باز نہ گئے جس کی وجہ سے ان کے ذنوب بھر گئے اور پھر ڈوب گئے۔ اب ان
 کو بھی یہی حال ہے، ماحمی کی وجہ سے ان کے ذنوب بھی ڈوب رہے ہیں مگر یہ اس
 سے کہ بھرنے کیلئے تیار نہیں، لہذا ان کا مشرب بھی پلے لوگوں سے مختلف نہیں
 ہوگا۔ ان کو عذاب کی گہی پہلے قریب الاغصام ہے، جس کے بعد ہمیشہ کے لیے

اکلام ہر جائیں گے۔ فرمایا فَلَا يَسْتَفِيدُونَ اب یہ جلدی نہ کریں کہ قیامت اور عذاب جلدی آجائے بلکہ یہ وقت مختصر یہ پہنچا ہونے والا ہے۔ جب بن کر ان کے لیے کاہل نہ مل جائے گا۔

کنہار کے
پلے ہر پلے

سورۃ کی ابتداء اللہ نے پہلوؤں کے ذکر سے کی تھی کہ اُس نے کس طرح بعض اقوام کو پہلوؤں کے ذریعے ملک کیا اور ساتھ ساتھ اور دلائل قِيَامَ الْيَوْمِ (قیامت) کو یہے کا رہن لانا واقع ہونے والا ہے۔ سب تحریریں ہی بات دہرائی جا رہی ہے فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ پس تب بھی ہے کفر کرنا ان کے لیے اٹھ رہا ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اسی کی آخرت کے دن سے ڈرایا جاتا تھا کہ اٹھ کے لیے تیار کر رہا کفر، شرک اور منہ منی کو ترک کر کے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ مگر وہ جنہیں اللہ کی بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے آج تک کسی کو رو بہ زندہ ہونے نہیں دیکھا۔ عباد ہم وقوع قیامت اور جنہیں اللہ کی بات کو تسلیم کریں۔ اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے انکار کی وجہ سے دوسرے کے اٹھ رہا ان کے لیے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

سُورَةُ الطَّوْحِ

مَكِّيَّةٌ

سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ وَمِنْ أَوَّلِهَا أَمْرٌ بِالْعُرْفَةِ وَأَنَّ يُعْطُوا مِثْلَ الَّذِي هُمْ يَحْكُمُونَ

سورۃ طہ کی ہے ۔ اور یہ انہیں آیتیں اور وہ دیکھیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 شروع کر ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

وَالطُّورِ ① وَكُنِیْ مَسْطُورٍ ② فِی رَقٍّ مَّنْشُورٍ ③
 وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ④ وَالسَّافِرِ الْمَرْفُوعِ ⑤ وَالْبَحْرِ
 الْمَجْمُورِ ⑥ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَكَاوِعٌ ⑦ مَّالَهُ مِنْ
 دَافِعٍ ⑧ یَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ⑨ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ
 سَیْرًا ⑩ قَوْلٌ یَّوْمَیْذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ⑪ الَّذِیْنَ هُمْ
 فِی خَوْضٍ یَلْعَبُونَ ⑫ یَوْمَ یَدْعُونَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ
 نَارًا ⑬ هَذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ⑭
 أَفِیْضَرُّ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ⑮ إِنْ صُلُوْهَا
 فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَیْكُمْ إِنْ أَنْتُمْ
 تَحْزَنُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑯

ترجمہ :- تم جہ طہ کی ① اور تم جہ کھیں جہ

کتاب کے ۲۰ کثافہ میں ہیں ۲۰ اور قسم ہے آباد گھر
 کے ۲۰ اور قسم ہے بلند چھت کے ۲۰ اور قسم ہے
 گرم کیے ہونے والا کے ۲۰ ایک تیرے پانچواں
 کا خطاب البتہ ضرور واقع ہونے والا ہے ۲۰ نہیں اس کو
 کوئی ہٹائے والا ۲۰ جس دن کھپائے گا آسمان نور
 سے کھپا ۲۰ اور چلیں گے پاڑ چا ۲۰ پس حرکت
 ہے اس دن جھٹکنے والوں کے لیے ۲۰ وہ جو غلط
 باتوں میں کھیل رہے ہیں ۲۰ جس دن ان کو دھکیلا جائیگا
 جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائیگا ۲۰ (اور کہا جائے گا)
 یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹکتے تھے ۲۰ پس کیا یہ
 جادو ہے یا تم دیکھتے نہیں ۲۰ داخل ہو جاؤ اس
 میں۔ صبر کرو یا نہ صبر کرو برابر ہے تم پر۔ ایک
 تم کو بدلہ دیا جائے گا اس کام کا جو کچھ تم کیا کرتے
 تھے ۲۰

تمام اور
 سرائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الطور ہے، جو کہ اس کے پہلے لفظ سے
 ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں سورۃ المجد کے بعد نازل ہوئی۔ مکی سورتوں کا یہ
 تسلسلہ سورۃ النور تک چلے گا۔ اس سورۃ کی انجاس کہتیں اور دو رکعت ہیں اور یہ سورۃ
 مبارکہ ۸۱۲ الفاظ اور ۵۰۰ احرف پر مشتمل ہے۔

مضامین
 سورۃ

گذشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ میں بھی زیادہ تر جزیئے علی ہی کا ذکر ہے، البتہ
 پہلی سورۃ کی نسبت اس سورۃ میں کچھ زیادہ تفصیلات آگئی ہیں پچھلی سورۃ میں
 بواب قسم تھا اِنَّ الدِّیْنَ لَکَ وَاِیَّیْهِ یَرْجَعُ اَلْحُکْمُ وَرَاقِعٌ ہونے والی ہے، اور
 اس سورۃ میں مختلف چیزوں کی قسم اٹھانے کے بعد فرمایا ہے اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ
 لَکَ وَاِیَّیْهِ یَرْجَعُ اَلْحُکْمُ اور کاذب ضرور واقع ہونے والا ہے۔ جسے کوئی

چیز نال نہیں نکلتی ۔

دیگر بھی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر اسلام کے قبیلہ بنی ہاشم ہی کا ذکر ہے ۔ قرآن کے وہی اہل ہونے ، توحید و رسالت کی گواہی ، قیامت اور جزا و نعل کا ارتقا اس سورۃ کے مضامین میں شامل ہیں ۔ انداز و تفسیر کا چلو بھی نمایاں ہے عذاب کی بعض تفصیلات اور اہل ایمان کو ملنے والے انعامات کا ذکر ہے ۔ مشرکین کی طرف سے انکار قیامت سے متعلق بعض ٹکڑے و جہالت کا تذکرہ کو کے اہل کو جڑنے عمل پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے ۔

سورۃ کا آغاز مختلف قسموں کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ سب سے پہلے وہ لفظ تھا قسم ہے طور کی ۔ عربی زبان میں طور سرسبز پہاڑ کو کہا جاتا ہے ۔ اہم بیاں پر طور پر ال ذکر اہل کو خاص بنا دیا گیا ہے اور اس سے مراد وہ سرسبز پہاڑ ہے جو سرزمینِ مدینہ میں ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ نے مومن علیہ السلام سے کلام کیا تھا اور تواریخ عطا فرمائی تھی ۔ یہ بڑا متبرک پہاڑ ہے جس پر اللہ نے اپنی تجلی فرمائی تھی ۔ اللہ نے اس پہاڑ کی قسم اٹھا کر عزمین کے لیے عذاب واقع ہونے کی تصدیق فرمائی ہے سورۃ طہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **اِنَّ اِلٰہَنَا اَحَدٌ اَکَادُ اُخْفِیْہَا لِعَبْدِیْ** **کُلُّ نَفْسٍ لِّہَا شَعْرٌ وَّ اٰیۃ** **۱۵** قیامت یقیناً آنے والی ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ اُمم کے وقت کو پریشیہ دیکھوں مگر ہر شخص کی اُم کی کوشش کا بدلہ مل سکے ۔ ظاہر ہے کہ اس دنیا میں کی گئی ہر کوشش ، محنت اور عمل و اعتقاد کا نتیجہ قیامت کو ہی ظاہر ہوگا ۔ اللہ نے اس بات کو نہ صرف قرآن میں بلکہ ہر جگہ لایا ہے بلکہ تواریخ میں لکھا ہے کہ قیامت اور جبرائے عمل کا واقع ہونا یقینی امر ہے ۔

الطور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ مجرموں کو دنیا میں ہی سزا میں مبتلا کر دیتا ہے ۔ بنی اسرائیل نے خود مومن علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ اہل کو کوئی ایسی کتاب ملنی چاہیے ۔ جس کے مطابق وہ اپنی زندگیوں کو گزار سکیں ۔ مومن علیہ السلام قوم کا یہ مطالبہ سے کہ طور پر گئے

قسم کو بیان
(۱) طور

چالیس دن کا احکامات کیا تو اشر قتلے نے تو رات جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی، مگر جب اُسے دکر قلم کے ملنے پیش کیا، تو لوگ اس سے انکاری جھگئے۔ اشر نے اُنکی اس جھڑپی کا سخت فزوس یا اور فرمایا وَرَفَعْنَا فَوْقَ كُتُبِ الطُّورِ (المعروفہ ۹۳) ہم نے تمہیں ثلثانے کے لیے کہہ طور اٹھا کر تمہارے سر پر کھڑا کر دیا، اور حکم دیا کہ ہماری عطا کردہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور اس کو سنو، مگر تمہارے اباؤ اجداد نے کہا سَيُفْنَا وَنَعَصِيْبُنَا ہم نے تمہیں یا گرامیں گے نہیں۔ پھر جب انہوں نے کہہ طور کو اپنے سروں پر چلتی دیکھا تو ڈر گئے۔ بنی غلی کا احترام کیا، قبر کی اور کتاب پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا، ابیر حال طور کی آرتیج میں منار کا عنصر بھی موجود تھا۔ سر سید جیسے بعض لوگوں نے بنی اسرائیل کے سروں پر کہہ طور کے علاج ہونے کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فی الواقع طور پہاڑ کو اٹھا کر نہیں اٹکایا گیا تھا بلکہ بنی اسرائیل کو پہاڑ کے دامن میں ڈاکر کھڑا کر دیا گیا ہے وَرَفَعْنَا كَامَامٍ دِيَا لِيَا یعنی ہم نے تمہارے اوپر طور کو بلند کر دیا یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ سورة الاحزاب میں وَإِذْ نُنَاقِشُ الْجَبَلَ فَوُضِعَ فِيهِ (آیت ۱۰۱) کے الفاظ ہیں یعنی ہم نے اُنکی کے اوپر پہاڑ کو اٹھا کر رکھ دیا تھا۔

۱۰۱ کتاب مطبوعہ

اشر نے دوسری قسم کے طور پر فرمایا وَكَيْتَبُ مَسْنُونٍ اور قسم ہے کہ کسی ہوائی کتاب کی۔ اس کتاب سے تو رات ہی مرلو ہو سکتی ہے، قرآن ہی اور لوح محفوظ بھی۔ قرآن پاک اور تو رات دونوں آسمانی کتابوں میں جزلے محل کے نسخہ کو کھول کر بیان کر دیا گیا آ اور لوح محفوظ میں تو میر حال ہر چیز اشر کے ہاں محفوظ ہے۔ تو فرمایا اِنَّ كَمِيْ هَوْنِي كِتَابٍ كَثِيْرٌ فِيْ رُفْقِيْ مَنَشُوْنِيْ جو کتاب وہ دن میں ہے۔ رقی دراصل جملی کرکتے ہیں۔ آج کل تو کاغذ کی صنعت بہت ترقی کر گئی ہے، پہلے دنائے میں کتابیں، پتھروں، پتھروں، چمڑے یا جملی پر ہی لکھی جاتی تھیں۔ کتاب تو رات اشر نے سونوں پر لکھی کھائی نازل فرمائی تھی۔ جب کہ قرآن پاک، پتھروں، لہجوں اور چمڑے وغیرہ پر لکھا جاتا تھا، نزدیکی قرآن کے زمانے میں من اور شام میں دستی طور پر کاغذ

تیار ہونے لگا تھا، پھر اس کی فراوانی بہت جلد میں جا کر ہوئی۔

فَرَايَا وَالْبَيْتَ الْمُقَدَّسَ وَارْتَمَى بِهِ آكَا دُغْمَرِي. آکا دُغْمَر سے مراد بیت المقدس میں بھی ہو سکتا ہے اور بیت المقدس میں۔ یہ دونوں ارضی گھر ہیں اور لوگوں کی گدہ و رفت کی وجہ سے ہر وقت آباد رہتے ہیں۔ البتہ بیت المقدس ساری آسمانی پر فرشتوں کا قبضہ ہے۔ جس کا فرشتے طواف کرتے ہیں۔ ہر فرشتے کو طواف کا ایک ہی موقع ملتا ہے دوبارہ نہیں۔ بیت المقدس بیت اللہ کی سیدہ ہیں بالکل اُپر ہے۔ معراج والی حدیث میں اس کا بھی ذکر ملتا ہے کہ جب حضور طے السلام سدرۃ المنتہی کے مقام پر پہنچے تو وہاں بیت المقدس بھی دکھایا۔ یہاں یہ نقطہ بھی غور طلب ہے کہ جب فرشتوں جیسی پاک مخلوق بھی خدا کی عبادت کی پابند ہے تو انسان کو تو بطریق اورئی اس کا اہتمام کرنا چاہیئے اور عزائے محل کر جیسا پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

بیت المقدس سے مراد خانہ کعبہ ہر بیت المقدس ہر باغ و بیت المقدس ہر جگہ ہے۔ کائنات کے واضح ہر آجے۔ خانہ کعبہ اور بیت المقدس میں لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنے پروردگار کو راضی کریں اور انہی کے لیے عزائے محل کے وقت آسمانی پیدا ہو جائے۔ کعبۃ اللہ کی آیت کے ساتھ قرآن کی سزا کا یہ بھی واسطہ ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ كَيْفَ قَعَلْتَ رَبَّنَا بِأَصْحَابِ الْفَيْلِ وَالْفِيلِ (۱) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ارضی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ابرہہ میں سے باغیروں کا لشکر کے کر خانہ کعبہ کو گرنے کے لیے آیا تھا مگر اللہ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے اس کے لشکر میں تباہی مچا دی۔ اس طرح گویا ان کو دیکھا میں ہی فعلیہ کی سزا مل گئی۔

(۱) اَللّٰهُمَّ كَيْفَ قَعَلْتَ رَبَّنَا بِأَصْحَابِ الْفَيْلِ وَالْفِيلِ

فَرَايَا وَالْبَيْتَ الْمُقَدَّسَ وَارْتَمَى بِهِ آكَا دُغْمَرِي. آکا دُغْمَر سے مراد بیت المقدس میں بھی ہو سکتا ہے اور بیت المقدس میں۔ البتہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے بیت المقدس کی چھت مراد ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے زندہ کی تھی۔ جہاں تک آسمان کی جندی کا تعلق ہے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ ہر چیز کا حکم تو آسمانوں کی طرف سے

ہی آتا ہے اور پھر اس حکم کی تعمیل یا عدم تعمیل سے جنہائے عمل کا پیٹھ بکنا ہے اور خدا
کی رحمتوں کا نازل ہونا آسمان کی طرف سے کہتا ہے اور عذاب الہی بھی اُردھوی سے
آتا ہے۔ قوم لوط، قوم شعیب، قوم عاد اور قوم ثمود پر اللہ نے اُپر ہی سے عذاب نازل
کیا۔ اگرچہ اس کا تعلق فضا سے بھی ہے تاہم اس کا زیادہ تر تعلق اُپر ہی سے ہے۔
پھر فرمایا وَالْجَنَّةُ الْمَسْجُورَةُ اور قسم ہے گرم جگہوں کے جوئے دریا کی۔ جب قیامت
ہو جائیگی تو سخت حرارت کی وجہ سے جہنم میں اور سیافند کا پانی بھاپ ہی کر اُڑ جائیگا۔
حضرت عبداللہ بن عباسؓ بجز سور کا مٹی کا، ہوا پانی کہتے ہیں۔ اس سے مجھوں کو سزا
نیچے کی طرف اشارہ ہے جب موسیٰ علیہ السلامؑ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ تم غلام کے کان سے
پرہیز کرنا اللہ نے پانی کو دھک کر درمیان میں آکر دے دیتے تھے جس پر جل کر
بنی اسرائیل جہنم سے پار چلے گئے۔ پھر جب اپنی راستوں پر فرعونؑ ٹکرنے لگے تو
ان کی کوشش کی تو اللہ نے پانی کو جگہ دیا اور اس طرح سلسلے فرعونؑ پانی میں غرق ہو گئے
اور قوم کو بھی اللہ نے پانی میں غرق کیا۔ پھر مالِ کفر سور سے نافرمانوں کی سزا پانی
کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔

واقعہ عذاب

ان اربعۃ پیروزوں کی قسم کھانے یعنی ان کو گواہ بنانے کے بعد اللہ نے فرمایا
ان عذاب دہشت کو واقع ہو سکے تیرے پروردگار کا عذاب واقع ہونے والا
ہے۔ اور یہ ایسا عذاب ہوگا جتنا کہ میں ڈاؤن کر دے دوں گا اور کوئی نہیں
ہوگا بطلب یہ کہ جنہائے عمل منہور واقع ہوگی اور اس کے راستے میں کوئی ٹکاوٹ
نہیں ٹھہر سکے گی۔

فرمایا ایہ عذاب اُس دن واقع ہوگا یَوْمَ تَعْلَوُ السَّعَادُ وَمَوْءِدُ
دن کہ آسمان اُڑ جائے گا اُڑنا۔ قیامت والے دن زمین کے علاوہ آسمان بھی اُڑے
پھٹ جائے گا جیسے فرمایا وَهَیْضَتِ السَّعَادُ فَكَانَتْ اَنْبُیَا (النبا۔ ۱۶)
آسمان کو کھول دیا جائے گا۔ تو اس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے وَلَتَسْمِعَنَّ
الْبَیِّنَاتُ سَمِعًا اور پاڑ چلنے لگیں گی کہ فرمایا وَنُكْفِیْهُنَّ اَلْجِبَالَ كَالْعِہْنِ

الْمُسْلِمِينَ (القاعدة - ۵) پہاڑوں پر رہنے والوں کی طرح منتشر ہو جائیں گے۔
 یہ جزائے عمل کا وہی ہوگا۔ اسی لیے فرمایا قَوْلُكَ يَوْمَئِذٍ يُفْعَلُ كَيْدٌ بَيْنِي اس
 دن جھوٹے دعووں کے لیے تباہی اور برابری ہے یہ ان بھڑوں کا ذکر ہو رہا ہے
 جنہوں نے دنیا میں تو حید کر تسلیم نہ کیا، رسالت اور جزائے عمل کا انکار کر دیا، قرآن کو
وَاللّٰهُ ذَالِ الْاِزْدِیٰ ان کی ہولناکی کا وہی ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
فَیَحْشَوْنَ یَلْعَبُوْنَ جو غلط باتوں میں ہی کھیل رہے ہیں، اس دنیا کی زندگی کھیل کر رہے
 ہیں گزار دی اور آخرت کے کچھ ٹکڑے کی بجائے بھٹ بھٹ موت اور جزائے عمل کو قہقہے
 کہنا بنائے کہہ کر روک رہے ہیں۔

فرمایا یَوْمَ یَدْعُوْنَ اِلَیْ نَارِ جَهَنَّمَ دَعْوًا جس دن کہ یہ
 دھوکے جائیں گے جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا۔ هٰذِهِ
النَّارُ الَّتِیْ كُنتُمْ یٰهَا تُكْذِبُوْنَ یہی وہ آگ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے
 تھے آج اس کی ذلت کر برداشت کرو۔ نیز ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ تم دنیا
 کی زندگی میں اللہ کے نبیوں کو جادوگر کہتے تھے اور معجزات کو جادو سے تعبیر کرتے
 تھے۔ اسی بنا پر ان کا انکار کر بیٹھے تھے۔ اب بتلاؤ اَفَیْضَرُّ هٰذَا کیا یہ جادو؟
اَمْ اَنْتُمْ شُرَکَآءُ تَتَّبِعُوْنَ یا تمہیں نظر ہی نہیں آ رہا ہے۔ بتلاؤ یہ وقوع قیامت
 اور جزائے عمل پر حق ہے یا نہیں؟ آج تمہیں یہ سب کچھ نظر آ رہا ہے یا نہیں؟
 اللہ فرمائے گا اِصْلَوْهَا اب اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے
 بغیر چارہ نہیں فَالصَّبْرُ وَالْاَوَّلُ تَصْبِرُوْا اب اس جذبات پر سب کرنا ہے ہر
 کام پر روکو۔ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ تمہارے لیے برابر ہے تمہیں ہر حالت
 میں اس سزا کا سزا چکنا ہے۔ تم اس سے بچ نہیں سکتے۔ تمہارے ساتھ یہ کوئی
 زیادتی کا سلوک نہیں ہو رہا ہے بلکہ اِنَّمَا جَزَآؤُكُمْ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ
 یہ تمہیں انہی چیز کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو کچھ تم دنیا میں عمل کرتے رہے۔ یہ تمہاری اپنی ہی
 کمائی ہے۔ اس کا بھگنا ہی کرو۔

اشیاء کے لئے عمل کے لئے کیا ہے۔ یہاں سے آگے پہنچنے کے لئے
 کیا ہیں اور اس خاک کے باطن میں کیا ہے۔ اگر ایک میں تشریح کر کے دیکھیں
 کہ اس میں کیا ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي جَنْبٍ وَنَعِيمٍ ① فَاكْهَيْنَ بِمَا
 أَنَّهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَّهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ②
 كَلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ③ مُتَكِينِينَ
 عَلَى سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ④
 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ
 بِإِيمَانٍ آخِذِينَ بِالْحَقِّ بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا
 أَلْتَهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا
 كَسَبَ رَهِينٌ ⑤ وَأَمَّا ذُنُوبُهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ
 مِمَّا يَشْتَهُونَ ⑥ يَتَنَزَّعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَغْوٌ
 فِيهَا وَلَا تَأْتِيهِمْ ⑦ وَيُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ غُلَمَانٌ لَهُمْ
 كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَكْنُونٌ ⑧ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى
 بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ⑨ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا
 مُشْفِقِينَ ⑩ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَّعْنَا عَذَابَ
 السَّجُورِ ⑪ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ
 الرَّحِيمُ ⑫

خوش ہونے والے ہونگے اس چیز کے ساتھ جو دی ان کو ان کے پندکار نے اور بچایا ان کو ان کے پندکار نے خدا کے عذاب سے (۱۸) ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو خوشگوار اُس کے بے ہیں جو کام تم کیا کرتے تھے (۱۹) وہ عظیم ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے کھنکھاہٹ بہ صفت بچائے ہوئے شخصوں پر، اور ہم بیاہ دیں گے ان کے ساتھ بڑی بڑی آنکھوں والی خوبصورت عورتیں (۲۰) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولادوں نے ایمان کے ساتھ ملا دیں گے ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو کر، اور نہیں کریں گے ہم ان کے بے ان کے اعمال میں سے کچھ کم۔ ہر آدمی اپنا ہوا ہے اپنی کماٹی میں (۲۱) اور ہم مدد پہنچائیں گے ان کو پہلوں اور گشت سے جو وہ چاہیں گے (۲۲) وہ ایک درخت کو دیں گے اُس میں پیالہ جس میں نہ نغمہ ہو گا اور نہ کوئی گناہ (۲۳) اور پھر دیں گے ان کے سامنے نیک گرا کہ وہ غلات میں محفوظ جوتی ہیں (۲۴) اور متوجہ ہوں گے ان کی میں نے بعض بعض کی طرف ایک دوسرے سے پھیریں گے (۲۵) کہیں گے ایک تھے ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں ٹہنے والے (۲۶) پس احسان کیا انہوں نے ہم پر، اور بچایا ہمیں اُن کے عذاب سے (۲۷) بے شک ہم تھے اس سے پہلے اُن کو پکارتے۔ پکارتے وہ نیک سلوک کرنے والے اور بے حد مہربان تھے (۲۸)

گزشتہ کدس میں اللہ نے چند چیزوں کی قسم اٹھا کر معنی اُنی کو بطور شام چیش
کہہ کے جزائے علی کی بات سمجھائی۔ پھر کدس میں کا حال بیان فرمایا کہ وہ جزائے علی
لئے دی سخت پریشانی کے عالم میں ہوں گے۔ ان کو دھکیل کر جہنم میں ڈال دیا
جائے گا اور مافقہ یہ بھی کہا جائے گا کہ جس چیز کو تم مھر سے تعبیر کرتے تھے۔ جلاؤ
کیا یہ مھر ہے یا حقیقت؟ آج دیکھ لو گی امت برہا ہر گر جزائے علی کی منزل آ
چکی ہے اب وہی چیز ہے جس کو تم جھٹھوتے تھے اللہ اللہ کی وحدانیت، رسول کی
رسالت اور قرآن کریم کی حقانیت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ اب تمہیں صبر یا بے صبر
کے مافقہ میں رہنا ہو گا۔ جیسے لوگوں کے لیے آس دیں تب ہی وہ بادی ہو گی۔
مکہ میں کو اڈا کر کے کے بعد وہاں ہٹنے متیقن کے لیے اُتار دیا کہ لاڈلہ فرمایا

4

ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جہاں تریب کی بات کی جاتی ہے، وہاں ترقیب کا پھر بھی اجالہ کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ كُلِّ نَفْسٍ لِّهٖ عَمَلٌ شَرِيْكَ اور نعمتوں میں ہوں گے۔ اِنَّكُمۡ لَاسَمَاعِیْنُ ہر آدمی کے ساتھ شریک، انفاق اور بدعتیہ کی سے نکال جائے، اَعْلَمۡ وَاَعْلَمُ جہاں تک بھائے صلہ و انصاف پر کار بند ہو جائے تو وہ متعلق کہلائے گا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے متقیوں کی یہی تعریف کی ہے کہ ایسے اشخاص جو اولاً کفر، شرک اور نفاق سے بچے ہیں اور پھر وہ سب کچھ پر صحاح سے بچتے ہیں، اور اعلیٰ درجے کے متقیوں کی صفات یہ ہے کہ وہ ایمان میں غفل ڈالنے والی معمولی معمولی باتوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ خیریت کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں، خود کو دوسروں سے کم نہ سمجھتے ہیں، غرور و تجسس پر ہیز کرتے ہیں، اور عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اِنَّ كُلَّ شَيْءٍ عِنْدَ اللّٰهِ لَفِيْ حُسْنٍ ہوں گے، انہیں وہاں ہر قسم کا انکسار اور راحت نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر وہ لوگ فاکہین پہنچا اللہ فخر و تہنیت

خوش ہونے والے ہوں گے۔ اسی چیز پر جو اللہ انہیں عطا کرے گا۔ میں جنت کے انعام و اکرام پاکر خوش ہو جائیں گے۔ فکارت کا سنی خوش طبعی بھی ہر سب سے اعلیٰ خشنی لوگ آپس میں دلی لگی کی باتیں بھی کریں گے۔ اس کے علاوہ فلاں کچھ پھل کر بھی کتے رہیں، اگر وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ پھل کھائیں گے۔ اور وہ اس بات پر بھی خوش ہوں گے وَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ بِعَذَابٍ بَاطِلٍ لِّئَلَّا يُشْرَكَ اُن کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا ہے اور وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔ جنت میں داخل کرنے کے بعد اُن سے کہا جائے گا كُلُوا وَاشْرَبُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ لَا يُبَذَّلُ لَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ کھاؤ اور پیو خوشگوار اُن اعمال کے بدلے میں جو تم دنیا کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ جنت میں خورد و نوش کی ہر قسم کی نعمتیں دستر برد کی ہو رنگ دانے لہو لہو میں ایک سے ایک بڑھ کر ہوں گی۔ اور پھر وہ خوشگوار بھی ہوں گی یعنی اُن کے کھانے سے کسی قسم کی تکلیف یا بوجھ نہیں رہے ہوگی، اور جنتی خوشگوار اور خوش و خرم زندگی گزاریں گے۔ ہر کبھی ختم نہیں ہوگی۔ فرمایا اُن کے عیش و آرام کا یہ عالم ہوا مَنْ شَاءَ مِنْكُمْ فَاغْتَسِلْ فِي سِدْرٍ مَّكِينٍ وہ اپنے خنوروں پر نیکہ دنگا کر بیٹھیں گے، جو قرینے کے ساتھ صف بہ صف بچانے لگے ہوں گے، جنتی لوگ ایک دوسرے کے آٹنے سامنے ہوں گے اور کسی ایک کی دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی۔

حدیث
مطالع

اس کے بعد ایک اور نعمت کا اشراف ذکر فرمایا ہے وَقَدْ رَزَقْنَاهُمْ سِدْرًا مَّكِينًا وَخُلُقًا نَفِيسًا اور ہم اُن کا گری میٹھی بڑی بڑی انگوروں والی خوب بھرتہ عورتوں سے نکاح کر دیں گے۔ مِنْ كَثْرَةِ كُنُوزٍ لَا تُحْصَىٰ بڑی انگوروں والی ہر آہ ہے اور جو سفیدی کا سنی دیتا ہے عام طور پر لوگ سفید رنگ والی عورت کو پسند کرتے ہیں، البتہ بعض گندی رنگ بھی پسند کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک گندی رنگ زہراں عورت کو دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ عرب کے لوگ تو عموماً گوری رنگ کا عورتوں کو پسند کرتے ہیں مگر یہ گندی رنگ والی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ اشراف اس عورت کو حضرت جعفر طیار کے لیے مخصوص فرمایا ہے جو حضرت علیؑ کے

بڑے بھائی تھے اور جنگِ ہند میں شہید ہوئے تھے، دوایں جنگ آپ کے دونوں
 باندکٹ گئے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ان کو جنت میں فرشتوں کے
 ساتھ پہنچا کر دے ہرے دیکھا، اللہ نے آپ کو دو باندوں کی جگہ دو پر غایت فرما
 دیے تھے۔ بہر حال اللہ نے ان کے لیے یہ گنتی رنگِ حمہ کو پیدا فرمایا ہے۔ لیکن
 ہے حضرت جعفرؓ اسی رنگ کو پسند کرتے ہوں، اور اللہ نے فیصے رنگ کی عزت
 ہی مخصوص کر دی ہو۔ حمہ میں جنت کی مخلوق ہیں اور یہ اس دنیا کی نوعِ انسانی کی
 عورتوں کے علاوہ ہوں گی، ان کا نکاح اہل جنت کے ساتھ ہوگا۔ سورۃ البقرہ
 میں بھی ان عورتوں کا ذکر ہے وَلَکُمْ فِيہَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَاتٌ اہل جنت کے
 لیے جنت میں پاکیزہ عورتیں ہوں گی۔ ان کے اجمالاً اور اخلاق بالکل پاک ہوں گے
 اور وہ ظاہری اور باطنی ہر قسم کی نجاست سے پاک ہوں گی۔ کوئی انسانی پنداری نہیں
 ہوگی، بول چال شائستہ اور نہایت بااخلاق اور شکر گزار ہوں گی۔

اس زمانے میں بعض لوگوں نے قرآنی اصطلاحات کو غلط معانی پہنچانے
 کی کوشش کی ہے۔ مثلاً غلام احمد پریز خود بخود عین کا معنی پاکیزہ فکر کر رہے
 اُس نے سکر سے اس جنتی مخلوق کا اظہار ہی کر دیا ہے۔ اُس نے اللہ کا معنی
 فاکر کیا ہے اور علامہ سے مراد سائنس دان لیے ہیں۔ اسی طرح اہل (روشن)
 کا معنی اہل کیا ہے۔ اس ضمن میں خود وہی صاحب نے بھی غلطی کی ہے۔ وہ کہتے
 ہیں کہ خود عین سے غیر مسلموں کی ایسی لڑکیاں ہیں جو ابھی سے جلالت کو نہیں پہنچیں
 یہ سچی درست نہیں کیونکہ سلف میں سے کسی نے بھی یہ معنی نہیں کیا۔ حقیقت یہ حال
 یہی ہے کہ خود یہ جنت کی مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کسی پاکیزہ مانے سے پیدا کرے
 گا اور یہ جنتوں کو ملے قدر المراتب کم و بیش ملیں گی۔ ان کے نکاح کا مطلب یہ
 نہیں جیسا کہ یہاں دنیا میں میاں بیوی و کباب و قبول کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ
 ہر جنتی کے لیے اس کی بیوی مقرر فرمائے گا۔ کسی ایکاب و قبول کی ضرورت نہیں ہوگی۔
 دنیا میں ہر شخص کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے اور وہ ہر وقت اس کی بہتری

چاہتا ہے۔ یہ خواہش جنت میں جا کر بھی قائم ہے گی۔ چنانچہ ان کی فرخندہ بی کی خاطر
 اللہ نے فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أُولَٰئِكَ
مَعًا جو ایمان لائے، اور ان کی اولادوں نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا۔
أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ تو ہم ان کی اولادوں کو بھی اپنی ایمان کے ساتھ ملا
 دیں گے۔ خواہ اولاد کا درجہ والدین سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے لیے خصوصی جنت
 ہوگی کہ اگر کوئی اہل درجہ کا ہے اور اس کی اولاد کم درجہ میں ہے تو اس کو بھی اہل
 درجہ میں جگہ دے دی جائیگی، اگر مومن کو ذہنی سکون حاصل ہو۔ مومنوں کی اولادوں کا
 مومنوں کے ساتھ ملنے کا یہی مطلب ہے۔

یہ قرآن اولادوں کا مندر بیان ہو گیا، البتہ نابالغ اولاد والدین ہی کے تابع
 شمار ہوتی ہے۔ جو حکم والدین کے لیے ہوا، وہی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ ان
 اگر والدین میں ایک مومن اور دوسرا کافر ہو تو نابالغ بچے کا شمار مومن کے ساتھ
 ہوگا، دنیا میں بھی یہی دستور ہے خلیفۃ المسیحؑ دینا کچھ اس کے تابع ہوگا
 جس کا دین بہتر ہے۔ اسی لیے فوت شدہ نابالغ بچوں کو کفن دیا جاتا ہے۔ اور
 ان کا جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ غیر مکلف ہوتے ہیں۔ مگر والدین کے اتباع
 کی بنا پر ان کے ساتھ بھی والدین والا سلوک ہی کیا جاتا ہے۔

فرمایا ہم ملا دیں گے مومنوں کی اولادوں کو ان کے ساتھ وَمَا أَلْحَقْنَا
مَنْ عَصَىٰ اللَّهَ وَرَسُولَهُ اور ان مومنوں کے اعمال میں سے کوئی کمی نہیں
 کریں گے۔ مطلب یہ کہ مومنوں کے اجر و ثواب میں سے کم کر کے ان کے
 بچوں کو نہیں فروزا جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہوگی کہ کم درجہ
 والی اولاد کو بھی زیادہ ملے کہ ان کے والدین کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا۔

حضور علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ حضور! جنگ کے دوران چار ادارہ
 ترکش ایخ اور قابل جنگ کافر کو قتل کرنے کا ہر آہستہ مگر بعض اوقات پہلے
 تلوار کی نو میں آکر عورت یا بچہ بلا ادارہ قتل ہو جاتا ہے، تو کیا اس کا وبال ہم
 پر ہوگا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا هَلْ هُمْ قَتَلُوا اس حکم میں وہ

پسند والدین کے تابع ہوں گے، یعنی دنیا میں ایسا بچہ تو کا فر والدین کے تابع ہوگا مگر آخرت میں نہیں کیونکہ وہ اگر گنہگار نہیں ہوتا۔ لہذا والدین کے کفر کا وجہ سے ان کے بچوں کو آخرت میں سزا نہیں ملے گی۔ دنیا میں والدین کے تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچے کے لئے قصاص یا ریت لازم آئے تو اس کے ذریعہ والدین ہوں گے۔ فرمایا كُلُّ امْرِئٍ يَكُنْ لِّكَسْبِ رَجُلَيْنِ ہر شخص اپنے اعمال میں رچیں رکھا ہو جائے۔ وہ اپنے اعمال میں اس قدر چھٹا ہوا ہے کہ ان کے نکل نہیں سکے گا بلکہ ان کا بگڑنا ہی پڑے گا۔

اہل جنت کا
خود دوزخی

جنت والد کے کسانے پینے کے اشاعت کے متعلق فرمایا وَأَمَّا دَنَابُكُمْ یعنی کیفیت اور ہم ان کو پھلوں کی مدد پہنچاتے رہیں گے، کس پھل کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ دو سکر ہو کم یا ایک انتظار کرنا پڑے، بلکہ ہر قسم کے پھل ہر وقت موجود رہیں گے۔ جو بھی کوئی جنتی کسی روز سے پھل آنا کر کھائے گا، اس کی جگہ فوراً ہی دوسرا پھل آ جائے گا۔ ان پھلوں کے علاوہ فرمایا وَلَحْمٌ مِّمَّا يَشْتَمُونَ اور اہل جنت کو مں پسند گشت بھی دیا گیا جائے گا۔ سورۃ واقعہ میں فرمایا وَلَحْمٌ مِّمَّا يَشْتَمُونَ ذرا ت (۲۱) ان کے لیے پسندوں کا گشت ہوگا۔ جیسا کہ وہ چاہیں گے۔ ظاہر ہے کہ پسندوں کا گشت زیادہ لذت اور پسندیدہ ہوتا ہے لہذا اس مقام پر پسندوں کے گشت کا ذکر کیا ہے مطلب یہ ہے کہ یہیں پسند نعمت ہی اہل جنت کو میسر ہوگی۔

پھر فرمایا يَتَنَزَّلُ فِيهَا كَلْبٌ مِّنْ أَهْلِ جَنَّتٍ جنت میں ایک دو سکر کر پیائے پیش کریں گے، وہاں پر خرب لہر کے قدر میں گے لہذا جنتی لوگ بخوش ایک دو سکر کر پیش کریں گے، تنازعہ کا مہین چھٹی اور حل کی کرنا بھی آتے ہے۔ جنتی لوگ خوشی اور مسرت کا اظہار کریں گے، اور خرب لہر کے پیائے لیے ہوں گے وَلَا يَغْوِي فِيهَا کہ ان میں کوئی پیروہ چیز نہیں ہوگی جس سے طبیعت میں جھکی پیدا ہو یا پریشانی کوئی تکلیف پیدا ہو جائے یا دوسرے شروع ہو

جائے بکریہ قرآنیت ہی خوشگوار جام ہوں گے جو ایک دوست کر کے جائیں گے
وَلَا تَأْكُلْ ثَمَرَهُمْ حَتَّىٰ يَصْرُفَهُمْ مِنْ يَدَيْكُمْ إِلَىٰ ذُنُوبِكُمْ ۚ إِنَّ أُنَاسًا مِنْهُمْ لَشَرَّابٌ ۖ
کر کے کھا دوست گناہوں میں بھی ملوث ہو جاتے ہیں۔ گالی گھونچ اور دغا دینا ایک
نوبت پہنچتی ہے، یہ کاری کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں مگر جنت کی شراب طلبو ایسی
تمام چیزوں سے پاک ہوگی اور اس کے نوش کرنے سے نہ کوئی جسمانی شکایت گئے
گی اور نہ آدمی کسی گناہ میں ملوث ہوگا۔

اہل جنت
کے لیے
غلام

حوروں کے علاوہ اللہ نے اہل جنت کے لیے ایک اور نعمت کا ذکر بھی
فرمایا ہے وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ زُجَّارٌ مِّنْهُمْ ۚ لَّهُمْ فِيهَا مَائِدٌ مِّنْ ثَمَرٍ مُّتَنَبِّئَةٍ
بچے گھوڑیں پھریں گے جن سے اہل جنت کی خوشیوں میں دو چند اضافہ ہو جائے
گا۔ یہ ایسے خوبصورت اور پیارے بچے ہوں گے کہ لَٰهُمَّ كُؤُلُوبٌ مِّنْ ثَمَرٍ مُّتَنَبِّئَةٍ
گر اگر وہ غلات میں محفوظ رکھے ہوئے ہوتی ہوں۔ یہ ایسے صاف شفاف اور
گرو و خبار سے پاک ہوں گے گریا کہ انہیں غلاتوں میں بند کر کے رکھا گیا ہو۔ جس
طرح حور جنت کی مخلوق ہے، اسی طرح غلام بھی خالص جنتی مخلوق ہے جسے
اللہ تعالیٰ اہل جنت کی خدمت کے لیے پیدا فرمائے گا۔

اہل جنت
کی خدمت

اگے اللہ نے جنتیوں کے پھر مزید عطا کیا فرمائے ہیں وَأَقْبَلُ بَعْضُهُمْ
عَلَىٰ بَعْضٍ يُّفَكِّكُ لَهُمُ الْوُكُلَ ۚ وَهُوَ يَكُونُ لَكُمْ رُجُلٌ مِّنْ دُونِ الْمَرْءِ ۚ لَا يَأْكُلُ
رِئَاسًا ۚ قَبْلُ فِي أَهْلِكُمْ مُّشْفِقِينَ ۚ اور کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم
دنیا میں اپنے گھروں میں اس بات سے ڈرتے تھے کہ چہ نہیں آگے چل کر کیا سائل بنیں
آئے والا ہے، ہمیں ہر وقت آخرت کی نگرانی کی جاتی تھی کہ وہاں ہمارا کام نہ ہو جائیں۔
در اصل یہی فکر جتنی جو اہل جنت کو جنت میں رہنے کا سبب بنی۔ اسی فکر کی بنا پر
وہ اپنے آپ کو مصیبت امتنا فرمائی سے بچاتے رہے، اللہ اور اس کے رسول کی
اطاعت کرتے رہے۔ جتنی کہ اللہ کی رحمت کے اس تمام کام کو پہنچ گئے۔ پھر کہیں
گئے فَحَسْبُ لَكَ اللَّهُ ۚ عَلَيْكَ اللَّهُ ۚ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِكَ

اَشْمُوْنِہ میں لڑنے کے خلاف سے بچایا۔ مطلب یہ کہ جتنی لوگ جہنم میں پہنچ کر کسی اپنی لاد کر دگی پر غر کرنے کی بھلے سے اشر کا احسان انہی کے کہ اُنہی نے جسے خدا سے بچا کر راحت کے مقام میں پہنچا دیا۔

پھر کہیں لے کر اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ فَخَلَقْنَا اس سے پہلے یعنی دنیا کی زندگی میں ہم اُنہی پر درگاہ کر پکا داکرتے تھے یعنی ہر مشکل میں اُنہی کی اعانت طلب کرتے تھے، اپنی حاجات اُنہی کے سامنے پیش کرتے تھے، اور اُنہی کی تلبیع و تحیہ میں مصروف رہتے تھے۔ اپنی تمام منجبات اُنہی کے عابد و پیش کرتے تھے، اُنہی کو مشکل کش اور حاجت روا سمجھتے تھے، لہذا اس نے ہم پر بڑا ہی احسان مسطور کیا اِنَّا هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ بے شک وہ بڑا نیک سلوک کرنے والا اور سچہ مہربان ہے۔ بَرُّ اشر کے اسمائے پاک میں سے ایک نام بھی ہے جو کہ بَرِّ جَنِّ کے اور سے ہے جس کا معنی نیکی ہوتا ہے، اور رحیم بھی ہے۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم کا مظاہرہ آخرت میں ہوگا۔ جو خاص ایسا خداؤں کے لیے ہوگی۔ جب کہ اُنہی کی صفت رحمان کا فیضان اہل ایمان اور اخیار سب کے لیے عام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا فیض ہوگا کہ اہل جنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آرام و راحت میں تر آبلے گی۔

فَذَكِّرْ فَإِنَّكَ بِرِيعَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ②۹
 أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ بِهِ رَبُّهُ مَنْوُونٍ ③۰
 قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُرِيبِينَ ③۱ أَمْ تَأْمُرُهُمْ
 آخِلَاءُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاعُونَ ③۲ أَمْ يَقُولُونَ
 تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ③۳ فَلْيَاثُوا بِحَدِيثِ قَسِيمٍ
 إِن كَانُوا صَادِقِينَ ③۴ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ
 أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ③۵ أَمْ خَلِقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
 بَلْ لَا يُوقِنُونَ ③۶ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ
 أَمْ هُمُ الْمُصِيطِرُونَ ③۷ أَمْ لَهُمْ سُلُمٌ
 يَنْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ مُسَمِعُهُمْ بِسُلْطَانٍ
 مُبِينٍ ③۸ أَمْ لَهُ الْبَلَاءُ وَلَكُمُ الْبَأْسُ ③۹
 أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ④۰
 أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ④۱ أَمْ
 يَرِيدُونَ كَيْدًا ④۲ أَلَمْ يَكْفُرُوا هُمْ الْكَافِرُونَ ④۳

ترجمہ :- پس آپ نصیحت کریں کہ کاهن اور نہ دیوانے

آپ اپنے رب کے فضل سے کاهن اور نہ دیوانے ②۹

کیا کہتے ہیں یہ لوگ کہ یہ شاعر ہے ! ہم انتظار کرتے
 ہیں اس کے ساتھ زمانے کی گردش کا (۳۰) آپ کہہ
 دیجئے (لے پیغمبر!) تم انتظار کرو، بیشک میں بھی تمہارے
 ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں (۳۱) کیا ان کو ان کی
 عقلیں یہ حکم دیتی ہیں، یا یہ لوگ سرکشی کرنے والے
 ہیں! (۳۲) کیا کہتے ہیں یہ کہ یہ شخص قرآن کو گھڑ لیا ہے!
 نہیں بلکہ یہ لوگ ایمان نہیں لائے (۳۳) پس لائیں کوئی
 بات اس جیسی اگر یہ سچے ہیں (۳۴) کیا یہ پیدا کیے گئے
 ہیں بغیر کسی چیز کے! یا یہ خود پیدا کرنے والے
 ہیں (۳۵) کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور
 زمین کو؟ بلکہ یہ یقین نہیں رکھتے (۳۶) کیا ان کے پاس
 تیسرے پروردگار کے خزانے ہیں؟ یا یہ لوگ مسلم ہیں (۳۷)
 کیا ان کے لیے کوئی میسر ہے کہ اس پر چڑھ کر بیٹھتے
 ہیں؟ میں لائے ان میں سے سننے والا کوئی کھلی منہ (۳۸)
 کیا اُس (پروردگار) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے
 بیٹے؟ (۳۹) آپ ان سے مانگتے ہیں کوئی بدلہ،
 پس وہ تانوں کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں (۴۰) کیا
 ان کے پاس کوئی خیمہ ہے؟ پس وہ اس کو کہتے
 ہیں (۴۱) کیا ارادہ کرتے ہیں یہ داؤ بیچ کا؟ پس وہ لوگ
 جنہوں نے کفر کیا وہی داؤ بیچ کا شکار ہوں گے (۴۲)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت، رسالت اور توحید کے منکوح

رابطہ کیا

کا تذکرہ کیا اور ان کا انجام بھی بیان فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ ستیتوں کا انجام اور ان
 کو سننے والے انعام و اکرام کا تذکرہ کیا۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بندہ مسلم اور عزت و

شرف حاصل ہو گا۔ اب اس درس میں اللہ نے مشکوٰۃ کی ذہنیت اور اُن کے مختلف نظریات کی تردید فرمائی ہے۔ ابتدا میں رسالت کا ذکر ہے اور آگے قرینہ اور جزئیے محل کی بات ہے۔ ختماً قرآنی حکم کی حقانیت اور صداقت کا بیان بھی ہے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا **هَكَذَا كُنْ** پس آپ لوگوں کو نصیحت کروں، اِن کو سمجھاؤں یا یاد دلاؤں گا میں یہ مطلب یہ کہ آپ ان کو احکامِ الہی سے آگاہ کرتے رہیں **هَذَا أَنْتَ يَذْهَبُ قَرِيبًا** بنگاہیں آپ اپنے بہرہ ورگار کے فضل سے کاہن نہیں ہیں۔ کاہن وہ لوگ ہوتے ہیں جو سادہ لوح لوگوں کو غیب کی خبریں بنا کر اپنا وسیعہ بنا کرتے ہیں۔ ان کا دلوں سے کہتے ہیں کہ یہ کاہن کبھی قطعی پیروں کے ذریعے کچھ باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ کبھی بتاؤں کے ذریعے اور کچھ سادوں کے ذریعے سے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے کائنات کے متعلق فرمایا کہ شیاطین اور جنات اوپر آسمان کی طرف جاتے ہیں تو فرشتوں کی مجلس باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرشتے ان کو مار کر ہٹا دیتے ہیں۔ ان پر شہاب پڑتے ہیں تو ان میں سے کوئی زخمی ہو جاتے ہیں، کوئی چوہا ہو جاتے ہیں اور کوئی جاگ کر زمین کی طرف آ جاتے ہیں، پھر جو کوئی ان میں سے فرشتوں کی کوئی بات سن پاتے ہیں وہ آکر نہایت کاہنوں کو بتاتے ہیں جو ان میں سے جمیوٹ بنا کر آگے لوگوں کو بتا دیتے ہیں۔ اس طرح کاہنوں کی ایک آدمی جات روست بھی نکلتی ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کے پاس آتے سہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس نے اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شریعت کا انکار کیا۔ اگر وہ شخص یقین کر لے کہ کاہن واقعی سچ کہتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس کو سچا نہیں سمجھتا مگر پھر بھی اس کے پاس جاتا ہے تو یہ بھی سخت ناجائز اور حرام ہے یہ کاہن یا جو تیشی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ریل کے ذریعے خبریں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بعض جو تیش اور نجوم کے ذریعے، جو کہ ہر حال غلط ہے۔

کہا ہے کہ
یہ بھی کہی گئی

نزدیک قرآن کے زمانے میں شعر و شاعری کی طرح کہانت کا بھی بڑا زور تھا۔ کہیں لوگ مسیح عبادتیں بڑا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت نے درسی لکھنے سے لڑائی مچا کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس کے پیٹ کا حمل گر گیا اور بچہ ضائع ہو گیا۔ حضور علیہ السلام کے پاس یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ علیہ السلام نے غمزہ یعنی پانچ سو غمزہ یا ایک ہجیرہ ایک غلام یا نو گیسو اس بچے کی دیت مقرر فرمائی تو متعلقہ شخص نے مسیح عبادت برپا کر دی کہ حضرت! نہ اس بچے نے کیا یا نہ بیا لودہ کوئی آواز نکالی، اہم قرآن کے قول کو دیکھیں کہتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ شخص کا ہنر بھی مسیح باتیں کر لے۔ میں تو اللہ اور اس کی شریعت کا حکم بنا رہا ہوں اور یہ آگے سے کاہنوں والی عبادت برپا رہا ہے۔

ہر زمانے کی اپنی اپنی بات اور اپنا اپنا رواج ہوتا ہے۔ حضور کے زمانے میں مگر کا بڑا چرچا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں علم نجوم کی بڑی مشہوری تھی۔ یہ لوگ بادشاہوں کی مجلسوں میں بطور مشیر بیٹھتے تھے اور حکومتی معاملات میں اس کا بڑا اعلیٰ دخل رہا تھا۔ جس طرح آج کے زمانے میں ڈاکٹر اور انجینئرز وغیرہ فنی ماہرین کہلاتے ہیں۔ ماہرین اقتصادیات کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اخبار نویس، ایڈیٹر، کالم نگار، وغیرہ زندگی کے اہم کردار سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح پرانے زمانے میں کاہنوں، نجومیوں اور جوشیوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ بہر حال اللہ نے ان چیزوں کی ترویج فرمائی ہے اور کہتا ہے کہ اے پیغمبر! آپ نہ کہہ کہ میں فلاں شخص کا امیر ہوں اور نہ ہی آپ (غزوہ بدر) دیکھنے میں ہے۔ سورۃ الفکم میں ہے مَّا كُنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَوْفَاكُ وَ تَكُنَّ بَعْدَ جُنُودٍ (آیت ۲۰) آپ اپنے رب کی مہرانی سے دیرانے نہیں ہیں بلکہ آپ کے لیے قربے انتہا اجر ہے اور آپ اعلیٰ علیہ کے مالک ہیں۔ یہ لوگ آپ کو دیکھ کر کہہ کر خدا اپنی دی گئی کا اظہار کرتے ہیں آپ تو علم و حکمت کی باتیں کرتے ہیں۔ جن میں انسانیت کی فلاح کا پروگرام ہے۔ بعد یہ کہ ان لوگوں کی باتیں بڑی پھر فرمایا اَمْ يَتْلُوْنَ اَنْتُمْ سُلَيْمًا کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ (غزوہ بدر) سارے

ہیں ! اور ساتھ یہ بھی لگائی کرتے ہیں فَتَقَرَّبْنَاهُ مِنْ رَبِّكَ الْعَلِيِّ ہم اس کے ساتھ نہ جانے کی گردش کا اشتہار کرتے ہیں۔ ایسا کہنے سے شرکیں کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ شاعر ہر زمانے میں جتنے سچے ہیں جو اپنا وقت گزار جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں لوگ ان کی دوا دلا کرتے ہیں۔ پھر زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کے دلوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کا زعم باطل تھا کہ نبوت کا یہ دعویدار محض شاعر ہے جو زمانے کے ساتھ خود ہی ختم ہو جائے گا لہذا یہیں اس کے پیچھے پڑنے کی بجائے اس کے از خود غلطی کا اشتہار کرنا چاہیے۔

اس کے جواب میں الشُّرَکَآءُ فَرَّوْا قُلُوبُهُمْ اے پیغمبر ! آپ ان لوگوں کے کہہ دیں کہ بیشک تم اشتہار کرو۔ فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَقِّطِينَ بلکہ میں بھی تمہارے ساتھ اشتہار کرنے والا ہوں۔ اگر تم میرے بارے میں اشتہار کرو اور میں تمہارے متعلق اشتہار کرتا ہوں، اعتزب یہ پتہ چل جائے گا کہ کوئی کام ہوتا ہے اور کوئی کام ہوتا ہے ؟ کس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور کس کا دایا ہوا رہی قائم و دائم رہتا ہے ؟ پھر فرمایا ذَا سَمْعٍ وَبُصْرٍ اکیلا اشتہار کا نبی کوئی شاعر نہ تھیں پیش کر رہا ہے ؟ شاعر لوگ کسی کی مدح کر کے اور کسی کی تہذیب کر کے لوگوں سے مال وصول کرتے ہیں، ان کے دلوں حاصل کرتے ہیں مگر آپ تو وحی الہی کی بت کرتے ہیں اور ان لوگوں سے تبلیغ حق کا کوئی معاوضہ تو طلب نہیں کرتے بلکہ الشُّرَکَآءُ ہر نبی سے یہ کہا وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَبْتُمْ إِلَّا عَلَى نَيْبٍ الْعَالِيَيْنَ (الشعراء : ۷۷) کہ میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا بلکہ میرا اجر تو تمام جباروں کے پروردگار کے ذمے ہے ہر حال اختلاف نے حضور علیہ السلام کے شاعر ہونے کی بھی تردید کر دی۔

پھر فرمایا أَمَّا نَأْتِيهِمْ مِنْهُمْ فَيُكْفِرُ بِهِمْ کیا ان لوگوں کی عقلیں ان کا اس قسم کا حکم دیتی ہیں کہ تم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی باتیں فرما کر دے ؟ مطلب یہ کہ ان لوگوں کی یہ باتیں عقل کے بھی خلاف ہیں۔ اشتہار کا نبی تو مخلوق

میں سے بے نیاز مقلد ہوتا ہے، اُس کی گفتگو، اُس کا اخلاق اور اُس کا کردار سب
سیارہ ہی ہوتے ہیں۔ وہ تو وہ ستر لوگوں کے لیے بہترین نمونہ ہوتا ہے مگر یہ لوگ
ایسی گنہگار ہیں کہ سب سے پہلے یہ لوگ عقل سے عاری ہو چکے ہیں جو نبی اور شامکے
کلام میں تمیز ہی نہیں کر سکتے۔ فرمایا پھر یہ بات ہے أَفَرَأَيْتُمْ قَوْمًا مُّذُنُّوا
کہ یہ لوگ سرکش ہو چکے ہیں اور اس سرکشی کا بنا پر بغیر علیہ السلام کو کہیں کہیں کہتے ہیں
کبھی دروازہ اور کبھی شاعر حقیقت میں ان کی اپنی عقلوں کا جنازہ نکل چکا ہے۔

قرآن کے
مخلوق
ہونے کی

پھر فرمایا کہ ان کے انکار کی ایک وجہ قرآن پاک کے متعلق ہونے کی ہے جو کہتا
ہے۔ چنانچہ تَتْلُوهُ هُمْ أَهْلًا مِّنْ دُونِ قَوْمِ آلِ عِمْرَانَ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں
قرآن خود گھر گھر سے آیا ہے؟ اور خود ساختہ کلام کو وحی الہی سے تعبیر کرتا ہے۔ فرمایا
یہ چیز بھی خلاف واقعہ ہے۔ اگر قرآن پاک کو ان کی کلام سمجھتے ہو تو کسی شاعر و شاعر
یا غیب کا اس جیسا کلام پیش کرنا اگر تہہ پہل جائے کہ انہی بھی ایسا جامع اور
مافع کلام پیش کر سکتے ہیں۔ اور قرآن پاک نے خود پہنچ کر آیا ہے وَإِنْ كُنْتُمْ
فِي رَيْبٍ مِّمَّا قُرْآنًا عَلَيْنَا فَعَلْنَا لَكُمْ أُنُورًا يَسُودُ قَمِيْنًا مثلاً
(سورہ ۲۳) اگر تمیں اپنے ہنسے پر ازل کردہ کلام میں کوئی شک ہے تو پھر
اس جیسی ایک سورہ تو ہی بنا کر دے اور تہہ پہل جائے گا کہ یہ خدا کا کلام ہے یا کسی
انسان کا ہے۔ فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْآءُ الْيَوْمِ غَيْرُ نُوْرٍ کہ یہ لوگ ایسا نہیں
دیتے۔ یہاں بھی فرمایا کہ اگر یہ لے ان کی کلام سمجھتے ہیں فَلْيَأْتُوا بِخُودِیْنِ
مِثْلِهِ تو اس جیسی ایک بات ہی بنا کر دے ان۔ وَإِنْ كَفَرُوا فَعَذَابُ اللَّهِ
اگر وہ واقعی سچے ہیں۔ مگر تاریخ شام ہے کہ جودہ صدیاں گزرنے کے باوجود قرآن
پاک کے اس پہنچ کو آج تک کوئی بھی قبول نہیں کر سکا۔

خاتم
مخلوق

اگلی آیت میں اللہ نے مشرکین کی طرف سے ایک اور نمونہ وجہ کا ذکر
کیا ہے ارشاد ہوتا ہے أَمْ خُلِقُوا مِن غَيْرِ مَعْنٰی یا یہ لوگ بغیر کسی چیز
کے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے قرآن اور رسالت اور معاد کا انکار کرتے ہیں؟ مفسرین

نے غیر شرعی کاموں کا یہ کیا ہے کہ یہ غیر خالق کے خود بخود ہی پیدا ہو گئے ہیں، کیا یہ والدین کے توسط سے پیدا نہیں ہوئے؟ کیا یہ پتھر اور دعوات کی طرح بے جان چیزیں ہیں، جن کی پیدائش کے لیے مخلوقِ ماضی کی ضرورت نہیں؟ غیر شرعی کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کیا یہ لوگ بے مقصد پیدا کیے گئے ہیں؟ کیا ان کی زندگی کو کوئی مقصد ہی نہیں ہے؟

حالا انکو اللہ تعالیٰ کا فرماؤ تو یہ ہے اَلْاِنْسَانُ اَنْ يُّشْكَلَ سُدًى اَلْاِنْسَانُ ۲۶۰ کیا انسان گواہ کر سکتا ہے کہ اُسے بیکار چھوڑ دیا جائیگا اس کی زندگی کی کوئی غرض و نفعیت نہیں؟ اللہ نے اس کو بیکار محض اور فضول نہیں پیدا کیا بلکہ اس کو عقل و شعور دے کر بھیجا ہے۔ اس کے لیے ہدایت کے تمام سلام مہیا کیے ہیں اور پھر اسے تکلیف یعنی قافری کا پابند بنایا ہے اور اسی چیز پر اس کا تکیہ بھی ہو گا اور جزا یا سزا کا فیصلہ بھی ہو گا۔

فرمایا کیا یہ لوگ اپنے آپ کو اس لیے غیر مسئول سمجھتے ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں یا یہ بیکار محض پیدا کیے گئے ہیں اَعْرِضْ عَنْ اَعْمَالِ الْفٰقُوْنَ اِدھر خود پیدا کرنے والے ہیں، اَلْعٰیٰذُ بِاللّٰہِ اَعْرُوہ کر لی چیز ہے جو انہیں و قریع قیامت اور محاسبہ اعمال پر ایمان سے روکتی ہے اور جس کے لیے یہ تیار نہیں کرتے نفعیت کا مسئلہ تو ایسا ہے کہ وہ ہر لوگ کی ایک قلیل جماعت کے علاوہ ہر مذہب و ملت کے دامنِ حق کو مشرکوں کے تمام لطعات بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔ فرمایا کیا یہ کثیث خالق اَعْرِضْ عَنْ اَعْمَالِ السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمیں کو پیدا کیا ہے؟ آخر کچھ تو بتلائیں کہ انہوں نے کیا چیز پیدا کی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ خالق بھی نہیں ہیں بلکہ صرف الٰہی سید ہی باتیں کر رہے ہیں بَلْ لَا یُؤْفِقُوْنَ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ غیر خدا کی بات پر یقین ہی نہیں رکھتے۔ وہی ابھی اور محاسبہ اعمال پر بے یقینی کا درجہ یہ ایسی ہی جیسی باتیں کرتے ہیں اگر ان میں ذرا بھی شعور ہو۔ تو یہ انکار کرتے۔

فرمایا ان کے اللہ کی ایک یہ وجہ بھی ان کے ذہن میں ہو سکتی ہے اَعْرِضْ عَنْهُمْ

خدا کی رحمت یا ان کے پاس تیسرے پروردگار کے خزانے ہیں، لہذا وہ اپنے معاملات میں خود کفیل ہیں اور اپنی ضروریات کی تمام چیزیں ان خزانوں سے نکالتے رہتے ہیں۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کو نہ کسی ہدایت کی ضرورت ہے، نہ قرآن کی نہ قرعہ کی اور نہ رسالت کی۔ کیا ان کے پاس خزانے ہیں؟ أَمْ لَهُمْ الْخِزْيَانُ یا یہ دوسروں پر مسلط ہیں یعنی یہ لوگوں پر درود فرماتے ہیں کہ ان کو اپنی مرضی کے مطابق چکاتے ہیں اور خود کسی اصول یا قانون کے تابع نہیں بلکہ ہر معاملہ میں خود مختار ہیں، عَسْرًا أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ يَتَّبِعُونَ؟ یعنی ان کے پاس کوئی میسر ہے۔ جس کے ذریعے یہ عالم بالا پر چڑھ جاتے ہیں اور اوپر کی باتیں سنی گئے ہیں اور پھر انہیں نافذ کرتے ہیں۔ فرمایا اگر ایسی کوئی بات ہے فَلْيَأْتِ مُسْتَعِثُّهُمْ بسڈھلن قُتِبَ بِنِیْ اتر پھر بات سننے والا اس کے لیے کوئی کھلی سننے کے آئے اور پیش کئے تاکہ پتہ چلے کہ واقعی یہ شخص عالم بالا سے براہِ راست حکم لے آیا ہے اور اب اسے وہی الٰہی رسالت یا قرآن کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ بھی کہ اب یہ شخص محاسبہ اعمال سے مستثنیٰ ہو چکا ہے۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بالکل جہی دامن ہیں۔ انہیں چھ کوئی چیز بھی ان کے پاس نہیں، بلکہ یہ محض خند، غبار اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہر چیز کا انکار کیے جا رہے ہیں۔

انکار کی
وجہ جو ہے

آگے اشر نے مشرکین کی ایک اور طاقت کا ذکر کیا ہے وہ خود تو ان کی پیروی پر چین نہیں ہوتے تھے بلکہ بعض اُسے زندہ دگر کر بیٹے تھے مگر فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تسلیم کرتے ہیں۔ اس بات کا شکوہ اشر نے قرآن کی غنیمت سورتوں میں کیا ہے۔ یہاں بھی فرمایا أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَٰكُمُ الْبَنُونَ کیا اُس پروردگار کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے؟ تم نے یہ کسی عبودیت کی تقسیم کر رکھی ہے کہ جس صنف کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے اُسے اشر تعالیٰ کے ساتھ منسوب کرنے ہو۔ حالانکہ پروردگار عالم قرآن مجید میں سے پاک ہے۔ تو جبکہ کیا تم اس وجہ سے تو میرا رسالت، وہی الٰہی اور خدا کا انکار کرتے ہو؟ أَمْ قَسَمَ الْفُجُورُ

یا آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کی بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ فَقَسْرَقْنِ مَعَنَہُ مَقْتُلُونَ اور وہ اس تاوان کی وجہ سے راجع ہو رہے ہیں۔ وہ کوئی بہت بڑا حق تبلیغ ادا کرنے کی وجہ سے مرے چکے ہیں، لہذا وہ آپ کی بات نہیں مانتے کہ اگر ان کو سچا نصیحت کر دیا تو پھر اتنا معاوضہ دیا پڑے گا۔ یہ بات بھی نہیں سنا کر ان کا کوئی بھی دشوار مخلوق سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ وہ تو اللہ کے حکم سے اللہ کا یہ پیام پہنچا رہے ہیں اور اس کا معاوضہ بھی انھی مالک ملک سے طلب کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے ہر نبی نے اپنی امت پر پردے طریقے سے واضح کر دیا وَمَا آتَيْنَاكَ عَلَیْہِمْ مِنْ أَجْرٍ ؕ اِنْ اَتٰہِمْ اِلَّا عَلٰی رِیْبٍ الْعَلِیِّیْنَ (الشعراء: ۱۸۰) کہ میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا کیونکہ میرا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہی مجھے عطا کرے گا۔ تم پر اس معاملہ میں کوئی مالی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔

فرمایا انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے اَفَرِحْتُمْ بِہُمْ الْعِیْبُ فَہُمْ یَكْتُمُونَ گمراہوں کے پاس غیب کی کوئی خبر ہے جسے وہ کھدھ لیتے ہیں اور پھر ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ فرمایا ایسی بات بھی نہیں ہے کہ ان کو غیب سے کوئی یلحدہ ہدایت ملتی ہو یا ان پر وحی نازل ہوتی ہو۔ اگر کوئی ایسی چیز ان کے پاس ہے تو پیش کریں۔

فرمایا اَفَرِئْسَ لَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کیا ان کوئی ذرا بھی کھانا چاہتے ہیں۔ کسی مفتی تدریس کے ذریعے کوئی تسلیم کرنا چاہتے ہیں فرمایا ان کو کچھ طریقے سے جان لینا چاہیے اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هُمْ اَلْمُکْرِیْنَ کہ کافر لوگ جو اس قسم کا تدریس کرتے ہیں جو کفر و فریب بناتے ہیں یہ خود ہی ان تدریس کا انکار ہو جائیگا اور اپنے پیچھے ہونے والے میں خود ہی پھنس جائیں گے۔ اللہ کافروں سے وَلَا یَخْفٰی اَلْمُنْکَرُ اَشْیَءُ (الزمر: ۴۲) ہر شخص کو وہ شے کے بارے میں بُرائی تدریس سہجہ ہے وہ خود انکی پر پڑتی ہے۔ حضور علیہ السلام کافران مبادک بھی ہے مَنْ حَفَرَ

لَا خِيَرَةَ لِمَنْ أُقْضِيَتْ عَلَيْهِ مِنْهُم مَّا لَمْ يَأْتِ بِشَيْءٍ يَدْعُو بِهِ ۚ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
 خود ہی اس میں گرفتار ہے۔ غلامی کا ستورہ بھی ہے چاہ کن را چاہ وہ پیش ہر شخص
 در ستورہ کے لیے کنواں کھودا ہے، اور خود اس میں جا کر آ ہے۔

الغرض! فرمایا کہ جو لوگ غلط تدبیریں سوچتے ہیں، وہ خود مغلوب ہو جائیں گے
 اشرکے سب سے ہیں ان کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بنی اسرائیل کی سزا
 کا ذکر کرتے ہوئے اشر نے فرمایا وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرُؤًا اللَّهُ فَكَانَ خَيْرًا لِّلَّذِينَ
 دَاوَّدَ حَمْرَان۔ ۱۵۴ انہوں نے بھی دوا بیچ چلایا اور ہم نے تدبیر کی، بہترین تدبیر
 کرنے والی تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی کامیاب نہیں
 ہو سکتا ہے۔ مشرکین کے اندر کی بعض ممکنہ رجحانات کا تذکرہ کرنے کے بعد اشر نے
 فرمایا کہ کیا یہ لوگ کوئی دوا بیچ کھینچ پاتے ہیں۔ ان کی بارگاہ چاہیے کہ اپنے کسی
 بھی دوا بیچ کا یہ خود ہی شکار بن جائیں گا۔ اشر، اس کے دین، اس کے پیغمبر اور
 اہل ایمان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

قال فما خطبكم

الطوبى ۵۲

درس چارم ۳

آیت ۳۹ تا ۴۲

أَمَرَ لَهُمُ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥٢﴾
 وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَمَابٌ
 مَرْكُومٌ ﴿٥٣﴾ فَذَرُهُمْ حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي
 فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ
 شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٥٥﴾ وَلِلَّذِينَ ظَلَمُوا
 عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾
 وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
 رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٥٧﴾ وَمِنْ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ
 النُّجُومِ ﴿٥٨﴾

ترجمہ :- کیا ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی اور اللہ
 ہے ؟ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے
 جن کو یہ لوگ اس کا شریک بناتے ہیں ﴿۵۲﴾ اور اگر
 یہ دیکھیں کوئی ٹکڑا آسمان کی طرف گرتا ہوا تو کہیں گے
 کہ یہ بادل ہے تھوڑا تھوڑا ہوا ﴿۵۳﴾ پس ان کو پھوڑ
 دیں یہاں تک کہ یہ جیسے اپنے اُس دن سے جس دن ان
 پر کوڑک پڑے گی ﴿۵۴﴾ جس دن نہیں بھانے گی ان کو اسی
 تدبیر کچھ بھی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۵۵﴾ اور بیک
 وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ان کے لیے عذاب ہے

اس سے دوسے ایسے اکثر ان میں سے نہیں جانتے ﴿۴۵﴾
 اور آپ صبر کریں اپنے پروردگار کے حکم کے سامنے،
 بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اور آپ صبر
 بیان کریں اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ جس وقت
 آپ اٹھتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور رات کے وقت اُس کی تسبیح
 بیان کریں، اور ستاروں کے نیچے ﴿۴۷﴾

وہابیات

پتے رسالت کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ مشرک اور کافر لوگ اللہ کے نبی
 کو کہیں کہیں کہتے، کبھی شاعرانہ کبھی اعیانہ بالشر و لایزال کہتے۔ اللہ نے ان کے اس
 غلط نظریے کی تردید کی اور فرمایا کہ تو خود بے عقل لوگ ہیں جو حق و باطل میں تمیز ہی
 نہیں کرتے۔ کفار قرآن کو وحی الہی بھی تسلیم نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تو
 اس مہی نریت کا خود ساختہ کلام ہے۔ اللہ نے پہنچ کیا کہ اگر تم اپنے دلوں میں
 سچے ہو تو تم بھی ایسا کلام پیش کر کے دکھاؤ۔ پھر ان لوگوں کے انکار کی بعض مکمل
 وجوہات کا تذکرہ فرمایا کہ کیا یہ لوگ کھڑے ہیں کہ ان کا کوئی خالق نہیں ہے، یا
 ان کی تخلیق بے مقصد ہے یا ان کے پاس خزانے ہیں جن کی وجہ سے انہیں کوئی
 دوسری بات سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ فرمایا، یا یہ اللہ کے ایک ہی
 پیغمبر کا کہ عالم ہلاک باتیں سنتے ہیں جسکی وجہ سے یہ اللہ کی طرف سے کائنات
 سے بے نیاز ہیں۔ فرمایا اگر ان کے پاس ایسی چیز ہے تو وہ پیش کریں، مگر پتہ
 چل جائے کہ انہیں عقیدہ وحدانیت اور نبی کی راہنمائی کی ضرورت نہیں ہے اور ہر
 معاملہ میں خود کفیل ہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس وجہ سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ
 کا نبی ان سے کوئی معاملہ طلب کرتا ہے۔ یا ان کے پاس عیب ہے جس کی وجہ سے
 کہہ رکھتے ہیں اور یہ ان کی کفالت کرتا ہے یا یہ کوئی انوکھی تدبیر کرتے ہیں مگر
 انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ خود ہی ایسی تدبیر اور فریب میں مبتلا ہو کر ختم ہو جائیں گے
 آج کا دور تو عید کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک

توحید کا
 بیان

کی تردید فرمائی ہے۔ أَمَّا لَكُمْ خُزَائِمُ السُّجَّارِ وَالتَّنُّورُ کیا ان مشکریں کے لیے اللہ کے
سوا کوئی اور معبود ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے خالق اور مالک کو پہچاننے سے
انکار کر رہے ہیں؟ کون ہے جو ان کی مشکلات میں مشکل کشائی اور حلایات میں
حاجت رسانی کرتا ہے؟ اگر یہ اللہ و وحدہ لا شریک کی عبادت نہیں کرتے تو پھر
لوہ کی عبادت کریں گے؟ حقیقت یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے اس کے علاوہ کوئی بھی معبودیت میں کام آنے
والا نہیں ہے، اگر ان خالق و مدبر اور تصرف نہیں، اگر انی روزگار رساں اور نفع
فتمان کا مالک نہیں، پھر یہ لوگ اپنے پروردگار کا کس طرح انکار کرتے ہیں۔
انہی کی درمیانیت پر کیوں ایمان نہیں لاتے؟ فرمایا حقیقت یہ ہے سُبْحَانَ
اللَّهِ عَمَّا يَشْرِكُونَ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ان تمام چیزوں سے پاک اور مشرک
ہے جن کو یہ لوگ اپنے زعم و عقل کے مطابق اس کا شریک بناتے ہیں اور ان سے
مدد طلب کرتے ہیں۔ اللہ نے ایسی تمام شے کو ان کی تردید فرمادی ہے۔

پھر اللہ نے ان لوگوں کی بد نظمی کی مثال بیان فرمائی کہ ان کی یہ اعمالیوں کی
بدولت اگر ان پر عذاب بھی آجائے تو اس کو جس قیسم کرنے کے لیے تیار نہیں
ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا وَأَن تَكْفُرُوا كُفْرًا فَسَيَكْفُرُوا بِكُفْرَانٍ اگر یہ
لوگ آسمان کی طرف سے گرتا ہوا کوئی ٹکڑا بھی دیکھیں تو اس سے خوف کھانے
کی بجائے يَقُولُوا سَحَابٌ مِّنْ سُجُومٍ کہ یہ تو کوئی بادل کا بھجڑا ہے
یعنی بادلوں میں برف جھمٹا ہے اور وہ لوگوں کی صورت میں آ رہا ہے۔ اللہ نے
ان کی بے خوفی کا تذکرہ فرمایا ہے وگرنہ جب اللہ کا عذاب آ جاتا ہے تو پھر وہ
رکنا نہیں بلکہ نافرمان قوم کی بنیادیں گرنے لگتی ہیں۔ اللہ نے نافرمان قوموں کی
کئی مثالیں بیان فرمائی ہیں جن میں قوم نوح، قوم لوط، قوم ہود، قوم ثعلیب وغیرہ
ہیں۔ ان پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ صخرہ جتنی سے صخرہ غلطی کی طرح ٹٹ گئیں
اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں مشرکین کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک طرف تو وہ

مشکریں کی
ہٹ مشرک

معجزات طلب کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے من سے عذاب کا سوا بکرتے تھے
 اَوْ تَقِطُّ السَّحَابَ كَمَا نَزَّلَتْ عَيْنًا رَّسْمًا (آیت ۹۲) یا ہم پر کوئی آسمانی
 کاٹھن ہی گراوے تاکہ ہمیں پتہ چل جائے کہ جس عذاب کے قریب ہیں ڈرنا ہے۔ وہ واقعی
 آسکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ از حد متعصب اور عنادی ہیں، اگر ان پر آسمان
 کا کوئی ٹکڑا بھی گرا دیا جائے تو پھر بھی یہ نہیں مائیں گے بلکہ اپنا عنصر پر اڑتے رہیں گے
 اور کہیں گے کہ یہ عذاب غیبی بلکہ برف باری ہو رہی ہے۔

انہوں نے فرمایا فَذَرْنَهُمْ أَتَبُورُ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اور
 ان کی طرف زیادہ توجہ نہ دیں۔ یہ سب سے بڑے لوگ ہیں جو کہ عقلی اور عقلی
 دلیل کو ماننے کے لیے تیار نہیں حتیٰ يَلْقُوا يَوْمَئِذٍ الْمَذِيَّ الَّذِي فِيهِ
يُصْعَقُونَ کیا ان تک کہ کہہ جائیں اپنے اس دن سے جس میں ان پر کڑا ک پڑے
 گی جس طرح کا مٹی بجلی کا کڑا ک کے ساتھ گرنے کا ہے اور اس سے مراد قیامت کا دن
 ہے جب کہ مسیحون کا جائے گا اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ یہ بجلی سراسر انجیلوں پر بھی
 پڑی تھی، کھٹکے لے ہوئی حیرت انگیز! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک
 کہ انہوں نے ان کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ انہوں نے فرمایا تمہاری اس گستاخی پر
فَاتَّخَذَ ثَكُمُ الْمَشْرِعَةُ وَأَنْتُمْ مُنْظَرُونَ (البقرہ ۵۵) تمہیں کڑا ک
 لے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ یہ حال اس کڑا ک سے دنیا کا عذاب بھی ہو سکتا ہے
 اور قیامت کی بدوشی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ فرمایا آپ ان سے روگردانہ کریں اس وقت
 تک جب یہ خود اپنی شامت اعمال میں گرفتار ہو جائیں گے۔

فرمایا وہ دن آیا ہر گا یوم لا یغنی عنہم کینہ کھڑ شینا جس دن
 اس کے داؤ بیچ کچھ بھی کام نہیں آسکیں گے، اور ان کی تمام تدابیر دوسری کی دوسری
 رہ جائیں گی وَلَا يَنْصُرُهُمْ رَبُّنَا أَوْ نَدِيٌّ وہ مدد کیے جائیں گے، اگر
 نہ تو وہ بذات خود عذاب الہی سے بچ سکیں گے اور نہ ہی انہیں کوئی بیرونی
 مدد بھیج سکے گی۔ اس دنیا میں تو عیبت کے وقت لوگ اپنے خاندان، بھائی

بلند کی اور یاروں و دوستوں کی مدد حاصل کر لیتے ہیں۔ دیکھو ان کی مافوقی اعداد حاصل کرتے ہیں اور رفعت و سفارش کے ذریعے کام نکلانے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس دن کسی قسم کی کوئی مدد نہیں پہنچے گی اور کفار و مشرکین بے یار و مددگار اپنے یکے پر چھپتا رہیں گے۔

فَرَأَىٰ فَإِنَّ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا اِثْمًا وَّيَكُفُّ عَنْهُمْ اِثْمُهُمْ فَاصْبِرْ
کیا اور سب سے بڑا ظلم کفر اور شرک ہے۔ اُن کے لیے فرمایا عَذَابًا ذُوْنَ ذَرِيْعَتَيْنِ
اس سے دسے (پہلے) بھی ایک عذاب ہے۔ آخرت کا عذاب تو وقوع قیامت کے بعد ہوگا، لیکن اس سے پہلے اس دنیا میں بھی اللہ مختلف قسم کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہ عذاب کبھی اہل ایمان کے اہتوں شکست کی صورت میں آتا ہے جیسے کہ عذوبہ بدر میں ہوا اور کبھی کھلم کھلا ان کے ذریعے نافرمان قسم کو مجبور فرماتا ہے، کبھی دشمن غدیر حاصل کر کے غلامی میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی کوئی آسمانی یا زمینی آفت نازل ہو جاتی ہے۔ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے سزا میں اللہ قلعے تنبیہ کے طور پر دیتا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، سابقہ گناہوں سے آگاہ ہو کر اللہ کی وسعت و رحمت، رسالت، قرآن کی حقانیت اور جتنے عمل پر ایمان سے آئیں۔ لیکن وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔

صبر کی نشانی

اب اگلی آیت میں اللہ نے مشرکین کی نیند اور سانسوں کے مقابلے میں بعض چیزیں بطور عطا بخیر دی ہیں اور حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو ان پر عمل درآمد کا نصیحت کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ اَبِ
اپنے پیروکار کے حکم کے سامنے صبر کریں۔ کذبین کی ضد اور عناد پر دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ ان تکالیف کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کریں۔ خدا تعالیٰ کی توحید، ایمان کا ذکر، شکر اور ناز کی طرح صبر بھی ایک بڑا اصول ہے جسے اختیار کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ آپ اپنے رب کے حکم کے سامنے صبر

کریں، اور یقین جانیں، قُلْتُ لَكَ بِأَعْيُنِنَا اَنْتَ کے تمام حالات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، اہم آپ کی کسی تکلیف سے غافل نہیں ہیں، مقررین کی فریب کاری و عیاری اور کاری سے خوب واقف ہیں، لہذا آپ بے حوصلہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ عنقریب اپنی کو مطلوب کرنے والا۔ ایسے ہی موقع پر صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی بھی تکلیف پر جبراً و فزع نہ کریں بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں نہ صرف آنے والی تکلیف پر صبر کریں بلکہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کے ہر کام پر صبر کا مظاہرہ کریں، اور اگر نفسانی خواہشات پیدا ہوں تو ان کو دبانے کی کوشش کریں۔

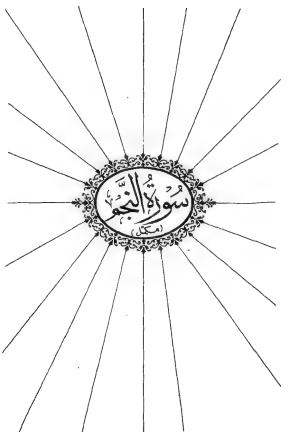
تبیح و تحید

فرمایا: دراصل یہ ہے کہ سُبْحَانَكَ رَبِّكَ اَنْتَ اَنْتَ پانچ ہندوؤں کی تسبیح یا کریں اس کی تعریف کے ساتھ جہن نغو تعجب کہ آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ کھڑا ہونے سے مجلس سے کھڑا ہونا بھی سزا ہو سکتا ہے اور نماز کے لیے قیام کرنا بھی۔ ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر مجلس کی ابتدا اور انتہا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے، حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ ہر مسلمان کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر نہیں کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے نبی پر درود نہیں بھیجا، اور مجلس اہل کے لیے قِرَاءَۃٌ یَعْنِیْ تَقْصِیْاں کا باعث ہوتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر مجلس میں اللہ کا ذکر کرتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس سے اٹھتے وقت یوں کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَدِّكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُكَ اِلَیْكَ تو یہ کلمہ اہل کی مجلس کی تمام کو اپنا کا کفار بن جا آئے اس کے علاوہ بعض فرماتے ہیں کہ سوکر اٹھنے کے بعد کبھی اللہ کا ذکر کرنا چاہیے اور نماز کے لیے قیام کی ابتدا بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحید سے ہی ہوتی ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَدِّكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُكَ اِلَیْكَ۔ پھر فرمایا: وَمِنْ اَشْیَءٍ حَبِیْبَةٍ اور رات کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحید بیان کریں۔ اس سے تحید کی نماز بھی سزا دی جاسکتی ہے جو سوکر اٹھنے کے بعد اللہ کی پالی ہے۔ بعض مفسرین نے اسے مغرب

اور عشاء کی غلازوں پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ بھی رات کے وقت ادا کی نہیں۔ ان اوقات میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنی چاہیئے۔ پھر فرمایا وَ اذْهَبَا لَ الصُّلُوْمِ اور ساریوں کے پشت پھیر کر چلے جانے کے بعد بھی اللہ کا ذکر کریں۔ بعض مفسرین اس سے نماز فجر مراد لیتے ہیں کیونکہ اس وقت ساریوں کی رکعتیں ادا پڑ جاتی ہے۔ گراں وہ جائز ہے ہوتے ہیں۔ بعض نے اس فجر کی دو سنتیں ملا دی ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بیان کرنی چاہیئے۔ ان دو سنتوں کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے رَأَيْتُمَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنْ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا فجر کی یہ دو رکعتیں دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ بہتر ہیں۔ لہذا ان کو خاص اہتمام کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔

اس تسبیح و تحمید سے وہ ذکر بھی مراد لیا جاسکتا ہے جو ہر نماز سے پہلے یا بعد میں سنتوں، احوال یا تسبیح و تحمید کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ یہ سب چیزیں اس ضمن میں آ جاتی ہیں۔ بہر حال اللہ نے اپنے نبی کو اس کے ہر رکاوٹوں کو پیش آمد پریشانیوں کا حل مبارک تسبیح و تحمید کی صورت میں تجویز فرمایا ہے۔ ذکر الہی سے دل بھی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد جڑتا ہے اور اس کے ساتھ بندے کا تعلق درست رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس قدر تعلق قائم ہے گا۔ اسی قدر تکلیف کم محسوس ہوگی۔





قال فاطمہ کرمہ

النَّجْم ۵۳

درس اول ۱

آیت ۱۲ تا ۱۴

سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ مِنْ ثَلَاثِينَ وَسُورَةٌ أَيْ قَدْ نَزَلَتْ فِي مَكَّةَ
سورة نجم مکی ہے، اسے پندرہ آیتیں ہیں اور تین رکعات ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جسے مدد مرہبان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

- وَالْجَبْرُ إِذَا هَوَىٰ ① مَاضٍ صَاحِبُهُ وَمَا سَوَىٰ ②
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ③ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ④
عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ⑤ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ⑥
وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ⑧ فَكَانَ
قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ⑨ فَأُولَىٰ إِلَىٰ عِزِّهِ مَا
أَوْحَىٰ ⑩ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ⑪ أَفَتُمَرُونَهُ
عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ⑫

ترجمہ :- قسم ہے ستارے کی بیب کہ وہ گر گیا ①
نہیں بہکا قصار صاحب (ساقی) اور نہ وہ بے راہ ہوا ②
اور نہیں بولتا وہ نفس کی خواہش سے ③ نہیں ہے وہ
مگر وہی جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے ④ اس کو کھلیا
ہے سخت قزاقوں نے ⑤ جو طاقت والا ہے، پھر وہ پیرہا
ہوا ⑥ اور وہ بلند کنا سے پر تھا ⑦ پھر وہ قریب ہوا

اور نیچے گھ گیا ⑤ پس تھا وہ مقدار دو کہن کے یا اس سے بھی زیادہ قریب ⑥ پس وہی کی (پہلوکار نے) اپنے بندے کی طوٹ ہو وہی کی ⑦ نہیں جھٹلایا دل نے اس چیز کو جس کو دیکھا ⑧ کیا تم جھڑا کرتے ہو اس کے ساتھ اس چیز پر جو اس نے دیکھی ہے ⑨

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الجہم ہے جس کی پہلی آیت کے پہلے لفظ سے اخذ ہے۔ سورۃ الجہم سے کہ سورۃ الاقلہ تک تمام کی سورتیں ہیں۔ چنانچہ یہ سورۃ بھی مکی دور میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کی بالمشہد آیات اور تین رکعات ہیں اور یہ سورۃ تین سو الفاظ اور چودہ سو حروف پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ سورۃ اخلاص سے پہلے نازل ہوئی۔

اس سورۃ کے مضامین بھی نیاں تو ہیں ہیں جو سابقہ سورۃ الطور کے ہیں۔ دیکھیں سورۃ کی طرف اس میں بھی اس نام کے بنیادی عقائد قرعید رسالت و معاد اور قرآن کی حیثیت ہی کا تذکرہ ہے، اہم رسالت کا پہلو غالب ہے۔ ساتھ ساتھ جزائے عمل کا مندرجہ ابھر گیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں مشرکین کے بعض جہولان باطلہ کا نام لے کر ان کی کارڈ کیا گیا ہے، آلات و منات اور عزتی کے نام پر جو بت بنائے گئے، انہوں نے ان کی نفی فرمائی ہے۔ اور جو لوگ شعری ماننے کی پرستش کرتے تھے ان کا بھی تعاقب کیا گیا ہے، نبوت و رسالت کے سلسلے میں بڑے بڑے کا ذکر ہے اور عبرت کے طور پر بعض سابقہ انفرامی توہین کا ذکر بھی ہے اس سورۃ میں واقعہ معراج کی طرف بھی مختصر اشارہ ہے اور عالم بالا کے ایک حصے سے شعلی بھی ذکر موجود ہے۔

قرآن پاک میں کل چودہ سورۃ آئے ہیں جن میں سے تین سورۃ اس سائری منزل میں ہیں اور اس سورۃ میں آئندہ سورۃ ان میں سے ایک ہے تاہم اس سورۃ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورۃ پہلی سورۃ ہے جس میں سورۃ تلاوت

نام لکھا گیا

مضامین سورۃ

اور تین سورۃ تلاوت

آیا ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نائی میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک موقع پر کسی ایسی مجلس میں تشریف فرما تھے، جہاں مسلمانوں کے علاوہ کافر اور مشرک بھی موجود تھے۔ آپ نے اس مجلس میں اس سورۃ مبارکہ کی تلاوت فرمائی اور پھر آخر میں جب سجدہ کی آیت تلاوت کی تو وہیں سجدہ کیا۔ آپ کی اقتدار میں مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا اور وہاں پر موجود مشرک بھی سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے اور آپ کے ساتھ انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ صرف ایک بڑھیا کافر ایہ بن خلف ایسا تھا جو سجدے میں شریک نہ ہوا، اس نے سجدہ کرنے کی بجائے زمین سے ٹھوڑی سی ٹیٹے کر اپنی پیشانی پر لگائی اور کہنے لگا کہ میرے لیے یہی کافی ہے۔ ہدای بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کافر کو بارہ کے موقع پر قتل کیا ہوا دیکھا۔ اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے پر حضور علیہ السلام نے تو ان کے حکم سے سجدہ کیا اور مسلمان آپ کے اتباع میں سجدہ ریخ ہو گئے، البتہ کفار کا سجدہ ریخ ہو جانا اس وجہ سے تھا کہ اس وقت غلامی کی قسری تعلیمات کا نزول ہو رہا تھا اور وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

یہ سب کچھ
قسم

گذشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء بھی قسم سے کی گئی ہے وَاللّٰجِیۡنَ اِذَا خَوَّیۡ قَمۡمَہٗ سَآئَہٗ کی جب کہ وہ گر گیا۔ عربی زبان میں نجم ستارے کو بھی کہتے ہیں اور زمین پر پھیلی ہوئی جڑی بوٹیوں اور پودوں کو بھی کہہ سکتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ الرحمن میں موجود ہے جہاں فرمایا وَاللّٰجِیۡنَ وَالنَّجۡۡۃُ وَالشَّجَرُۃُ یَسۡجُدُنَّ لِیَۤیۡۤہِۥمُ اَعۡدَیُّۤہِۥمُ الْبَیِّنَۃِ اور درخت بھی اللہ کے سامنے سجدہ ریخ ہوتے ہیں۔ تاہم اس مقام پر نجم سے مراد ستارہ ہی ہے۔ اس ستارے سے متعلق مسرئیک کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض اسے نہرو ستارے پر محمول کرتے ہیں جو زیادہ چمکدار ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ثریا ستارہ مراد ہے جو مشرقی جانب چمکے کہ شکل میں نظر آتا ہے۔ بعض اس سے کلکٹاں مراد لیتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے ستاروں سے مل کر مشرک سی بنی ہوئی ہوتی ہے۔

لام نور خیزہ کے استاد حضرت عفا کے قول کے مطابق یہاں پر ترجمے سے مراد قرآن مجید اور اُس کی آیات ہیں۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل فرمایا یعنی تیسرا حضرت اکر کے نازل فرمایا، لہذا قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے۔ لام جنس صلات سے منقول ہے کہ اس مقام پر ترجمے سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہے۔ اور آپ کے پیچھے اُترنے کا اشارہ شبِ معلوج میں عالم بالا اور خلیفۃ اللہ سے نیچے اُترنے کا طرف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ترجمے سے مراد مطلقاً مومن کی ذات ہے کہ جب وہ سرنگے بعد قبر میں اُتر آتے تو وہ درویشِ مندرے کی مانند ہوتا ہے بہر حال یہ مختلف اقوال ہیں مگر زیادہ تر ترجمے کا اطلاق قریاستے پر کیا جاتا ہے۔ اور جو کسی سے مراد گروہا یا اُتر جائیہ یعنی غروب ہو جاتا ہے قسم ہے سارے کی سبب وہ غروب ہو جائے۔

کتاب فہم

سنائے سے مراد سابقہ انبیاء بھی ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک کو کمر سے زیادہ کی تعداد میں بھی کر کے ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ یہ انبیاء کرام اپنے اپنے وعدہ میں فریضہ نبوت و رسالت ادا کرتے رہے۔ یہ اپنے اپنے وقت میں روئے رختی کے سانے تھے جن سے لوگ ہدایت پاتے تھے۔ پھر جب وہ اپنا اپنا کدہ ختم کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے، درویشی کے یہینا و غروب ہو گئے تو لوگ ان کی تربیت سے بھی محروم ہو گئے۔ ہماری اس کائنات میں ہماری نظامِ شمس کا بھی یہ اصول ہے کہ رات بھر سارے چمکے رہتے ہیں، پھر جب طلوعِ فجر پر آفتاب کی روشنی پھیلنے لگتی ہے تو رستائے مانف پر جاتے ہیں یہ سانے کہیں غائب نہیں ہو جاتے بلکہ ان کی روشنی آفتاب کی تیز تر روشنی کے سانے نابود ہو جاتی ہے جسے ہم ستاروں کے ڈوب جانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح جب بعد نبوت کی آخری کڑی کے طور پر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتابِ نبوت طلوع ہوا تو باقی انبیاء کی ساری روشنیوں مانف پر گئیں اور ہدایت کا سال نظامِ شمس تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ ہدایت کے تمام سابعہ
ذرائع ختم ہو کر صرف یہ ایک ذریعہ باقی رہ گیا ہے جس سے قیامت تک لوگ ہدایت
حاصل کرتے رہیں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ دنیا کا ہر شخص
غور و مہموری ہے، نصرانی ہے، ایرانی ہے، ایرانی ہے یا کسی بھی مذہب کے تعلق رکھتا ہے جب
وہ مومن ہے کہ حضور خاتم النبیین علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے ہیں اور انہوں نے
ہدایت کا پروگرام دنیا کے ملنے پر پیش کر دیا ہے اور اس کے بارے میں وہ مجھ پر
ایمان نہیں لائے تو یہاں شخص وَدَخَلَ الْجَنَّةَ اور سورۃ الطور میں اللہ نے حققت

حضور کی
صداقت کی
گواہی

چیزوں کی قسم اٹھانے کے بعد وہ قیامت اور جہنم کے عمل کی تصدیق فرمائی تھی۔
اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے سائے کی قسم شاکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی رسالت کی صداقت کی گواہی دی ہے کہ جو اب قسم ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ
وَمَا أَغْوَىٰ نَبِيٌّ کا صاحب، رفیق اور ساتھی یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو
بھٹکے اور نہ بے راہ ہوئے، بشر کیوں کہ آپ کی رسالت کا انکار کرتے تھے، پھیل
سورۃ میں گندہ چکا ہے کہ وہ لوگ آپ کو کہیں کا ہیں کہتے، کبھی بخون اور کبھی شل
مگر انہوں نے ان سب باتوں کی تردید کی۔ وہ لوگ آپ کو بھٹکا ہوا اور بے راہ بھی
کہتے تھے مگر اللہ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہارے ساتھی
نہ تو بھٹکے ہیں اور نہ ہی بے راہ ہوئے ہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اُس کا
پیغام تمہیں سناتے ہیں۔ آپ کی باتیں نہایت معنی خیز اور علم و حکمت پر مبنی ہیں
لہذا تمہیں آپ کی رسالت کا انکار کرنے کی بجائے آپ پر ایمان لے کر آنا چاہیے
کہ اسی میں تمہاری فلاح ہے۔

خَلَّلَ اس شخص کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ہدایت ملی ہی نہ ہو اور وہ بھٹک
جائے۔ اور غوی کا معنی یہ ہے کہ ہدایت تو واضح ہو چکی ہے، مگر کئی شخص ان خود

نقطہ راستے پر ہمارا ہے۔ اشر نے یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا کہ ان میں سے بعض بہک سگئے ہیں کیونکہ ان کو صحیح راستہ دیکھ نہ سکیں آیا اور بعض مغضوب علیہ ہیں جن کو صحیح راستہ تو مل گیا ہے مگر وہ جاں بوجہ کہ ٹیڑھا چل رہے ہیں۔ اشر نے یہاں پر حضور علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ نہ تو آپ بچے اور نہ بے راہ ہوسکتے۔ نیز فرمایا کہ تم جلد وہی الہی کا انکار کر رہے ہو حقیقت یہ ہے وَمَا يَتَّبِعُكَ مِنَ الْجِنَّاتِ وَالنَّاسِ إِلَّا خَائِبٌ يَخِيبُ نفس کی خواہش سے نہیں بولتا۔ اِنْ هُوَ إِلَّا وَجْهُ يُحْيِي الْمَوْتِیَّ وَهُوَ رَءِیُّ جِوَارِی کی طرف بھی جاتی ہے۔ اشر کا بھی تمہیں اشر کا کلام پیش کرتا ہے جو اُسے بدرجہ دی و رسول ہوا ہے۔ مگر کس قدر بد نصیبی کی بات ہے کہ تم اُسے خود ساختہ کلام کہہ کر رو کر بیٹھتے ہو۔

حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات وہی الہی ہوتی ہے خواہ وہ وہی جلی ہو یا وہی غلی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ کو میں حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات لکھ لیا کرتا تھا مگر بعض لوگوں نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا۔ اُن کا استدلال یہ تھا کہ حضور علیہ السلام ہی آخر انسان ہیں اور انسان سے خطا بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کبھی غصے کی بات میں بھی بہتے ہیں، کبھی کسی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں، لہذا آپ کی ہر بات لکھنا درست نہیں۔ کہتے ہیں کہ اس پر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات لکھنے سے ترک کیا۔ پھر میں نے اس کا تذکرہ خود حضور علیہ السلام کے پاس کیا تو آپؐ نے فرمایا اَلْکُتُبُ قَوْلُ الْوَحْیِ لَفِیْهِ سُبْحٰنٌ مَّا تُشْرِكُ وَیَعْلَمُ الْاَلْطٰقُ لَکُمْ یٰکَرِہُ اِلٰہُ الْغٰیۃ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

تذکی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کبھی کبھی مزار بھی فرماتے تھے ایسے ہی ایک موقع پر صحابہؓ نے عرض کیا حضور! اِنَّا لَنَجِدُکَ کَمَا اَعْبَدُکَ وَ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ آپ ہمارے ساتھ مزار بھی فرماتے ہیں حالانکہ آپ اشر کے رسول ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں جو کہا ہوں وہ حق ہی ہوتا ہے۔ ایسے مزار

میں بھی کوئی نہ کوئی حقیقت پوشیدہ ہوتی ہے۔ میری زبان کے غصہ کی حالت میں بھی کوئی لغزبات نہیں چلتی۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ کا رسول اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا بلکہ وہ جو کچھ بھی پیش کرتا ہے وہ وہی ہوتی ہے جو اس کی طرف بھی جاتی ہے۔ آگے وہی الفاظ لائے گئے فرشتے جبریل علیہ السلام کے متعلق فرمایا عَلَيْكَ بِشَرِيذِ الْقَوْلِ اللہ کے نبی کو سکھانے والا یعنی وہی لائے والا کہ ہر دست و زبوں کا مالک ہے ذُو مِرْقَةٍ وہ بڑے ندر والا ہے اور اللہ کا نبی اس کو پہناتا ہے کہ جبریل علیہ السلام ہے جو اللہ کی طرف سے وہی لائے پر ہوتا ہے۔ لہذا وہ جو کچھ بھی لیتا ہے۔ وہ شک سے خبیث ہے پاک اور بالکل برحق بات ہوتی ہے۔

جبریل علیہ السلام
کا حال

جبریل علیہ السلام عام طور پر انسانی شکل میں وہی ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس آئے تھے مگر آپ نے جبریل کو رد و قبول کی اصل شکل میں بھی دیکھا ہے۔ پہلی اورت کے متعلق فرمایا فَاَسْتَوَىٰ پھر وہ صید ہوا۔ وَقَفَّوْا بِالْأَفْقِ اُڑ گئے اور وہ بندہ کھائے پر تھا۔ یہ ابتدائے نبوت کے زمانہ کا ذکر ہے۔ آپ نے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام کسی پر بیٹھے ہیں اور آپ کے جسم سے زمین و آسمان کی ساری فضا پڑے۔ آپ پر درشت طاری ہو گئی جسم کپکا پڑا تھا آپ اسی حالت میں گھر تشریف لے آئے پھر جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل میں دیکھا حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے کہ اس اور نبی نے ان کو اصل حالت میں نہیں دیکھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبریل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر اصلی شکل میں دیکھا تھا۔ میں کا ذکر آگے دے رہا ہوں۔ بہر حال فرمایا شَرَرْنَا فَتَدَلَّىٰ پھر وہ قریب ہوا اور چمکے آگیا۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ او اُڑتی ہیں وہ دو کمان کے برابر اس سے بھی قریب ہوا اور اس حالت میں فَاَوْحَىٰ اِلٰی عَبْدِهِ مَآ اَوْحٰی اللہ نے اپنے بندے کی طرف وہی کی جو وہی تازل کی۔ مَا كَذَّبَ الْقَوْمُ اُدھمائی جس چیز کو دیکھا۔ اس کو دل نے سمجھ لیا نہیں، یہی آپ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا اللہ تعالیٰ

قال فليخطبك ۲۷

المنجى ۵۲

درس دوم ۲

آیت ۱۳ تا ۱۸

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ③ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ④
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ⑤ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ⑥
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ⑦ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ
الْكُبْرَىٰ ⑧

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق پیغمبر نے دیکھا ہے اُس
(فرشتے) کو دوسری مرتبہ نیچے اترتے ہوئے ③ سِدْرۃ الْمُنْتَهَى
کے پاس ④ اسی کے پاس جنت الْمَأْوَىٰ ہے ⑤ جب
کہ ٹھانپ یا پیری کے درخت کو اُس چیز نے جس
نے ٹھانپ یا ⑥ نہیں ہلکی نگاہ اور نہ حد سے آگے
پڑھی ⑦ البتہ تحقیق دیکھیں اُس نے اپنے رب کی بڑی
لشائیاں ⑧

اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر رسالت کا ذکر ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ
نے اپنے نبی کی تعریف بیان فرمائی۔ پہلے انبیاء کے اور ان کے بعد جب آخری نبی کا
ذکر آیا تو لوگوں نے اُن کو تسلیم نہ کیا۔ بلکہ طوع طرح کے اعتراضات کیے۔ کسی نے
کہا میں کہ کسی نے دیکھا نہ تو کسی نے شام و اگر اللہ نے سب کی تردید کی اور فرمایا
تمہارے صاحب نہ تو جکے ہیں اور نہ جہلہ نہ ہوئے ہیں۔ وہ اپنی خواہش سے بات
نہیں کرتے بلکہ اُنہی کا پیش کردہ کلام اللہ کی وحی ہوتی ہے۔ اس وحی کو لے کر
والا جبریل علیہ السلام طوبیٰ قرآن و الانقرشت ہے۔ اللہ کے پیغمبر اُس کو اچھی
طرح پہناتے ہیں۔ آغا ز نبوت میں جب وہ پہلی دفعہ نمودار ہوا تو وہ سید عالم

ربط آیت

گیا اور وہ افق کے بند کمانے پر تھا اور زمین اور آسمان کے درمیان کی فضا آپ کے جسم سے پڑتی۔ اس طرح اللہ نے حضور علیہ السلام کو جبریل کی اصل شکل میں پہچان لائی۔

روایت جبریلؑ
نہایت

اب آج کے دور میں جبریل علیہ السلام کی دوسری روایت کا ذکر ہے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے دو دفعہ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا اپنی دفعہ آغاز نبوت میں اور دوسری دفعہ معراج کے موقع پر تو اس دوسری روایت کے متعلق فرمایا وَلَقَدْ رَأَىٰ نَزْلَةَ الْمَلْأَىٰ اِيمَةً حَقِيقَتِ اَيْدِي جِبْرِيلَ کہ دوسری دفعہ دیکھ لیتے آتے ہوئے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ سدرة المنتہی کے پاس عِنْدَ هَا جِئْتُ الْمَلَائِكَةِ اَمْسَ کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آجے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے سدرة المنتہی کے مقام پر جبریلؑ کو اصل شکل میں دیکھا اور اس کے چہرہ سر پر تھے۔ بگے اس کو پہننے میں کسی قسم کا تردد نہیں ہوا۔ پھر سدرة المنتہی کے متعلق فرمایا کہ جنت الماویٰ کے پاس ہے جس کے ثابت ہوتا ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اس کے تمام طبقات درجہ بدرجہ اوپر کی طرف جلتے ہیں، اور آخر میں جنت الفردوس ہے جس پر عرض اللہ کا سایہ پڑا ہے۔

سدرة المنتہی
کی کیفیت

سِدْرَةُ الْمُنْتَهَىٰ کا اصل وقوع بیان کرنے کے بعد فرمایا اِذَا يَفْعَشُ الْمَلَكُ مَا يَفْعَشُ جب کہ ٹھکانا لیا سدرة کو اس چیز نے جس نے اس کو ٹھکانا لیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج پر تشریف لے گئے تو اس وقت سدرة پر خاص قسم کے انوار و تجلیات دکھ رہے تھے اور اس درخت کے پتوں پر سنہری پروانے بگمگماتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے من و جمال کی تعریف بیان نہیں کر سکا جو اس وقت سدرة پر طاری تھا اللہ نے یہ ساری کیفیات اپنے پیغمبر کو دکھادی اور یہ مشاہدہ ایسا واضح تھا کہ ہر کسب اَلْبَصَرُ وَمَا طَعَنَ نہ کوئی نگاہ اور نہ کوئی دھڑکن اور نہ ہی حد سے بڑھی، بلکہ آپ نے نہایت الطینان کے ساتھ یہ پوری کیفیت مشاہدہ کی۔ اسی سے فرمایا لَقَدْ رَأَىٰ

وَمِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكَوْنُ لَا يَحْسِبَنَّ أَنَّهَا نَارٌ وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ فَتَسْمِعُ مِنْ خَلْقِهَا وَنَارُ الْكَوْنِ أَكْبَرُ مِنْ نَارِ الْبَرِّيَّةِ
نشانیاں دیکھیں۔

سودہ ہیری کے درخت کہتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوا ہے کہ اس درخت کی جڑ چھنے آسمان پر ہے جب کہ اس کی جڑی ساگر کی آسماں سے لگے نکل ہوئی ہے۔ یہ کوئی عجیب قسم کا درخت ہے جسے قرآن انسانی کے ساتھ خاص نسبت ہے۔ اس درخت کے ہر پتے پر اللہ کے فرشتے قیام کر رہے تھے اور ہماری جگہ جگہ تھے۔ اس درخت کو سورۃ الفتنیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اے آدمی! اس پر اور بیٹے کے دریاں ایک سنگ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے آگے کی کیفیت کو کوئی نہیں جانتا اور سے جو حکم آتا ہے وہ یہیں رہ جاتا ہے اور بیٹے کسی دوسری کیفیت کے ساتھ وارد ہوتا ہے اسی طرح نیچے سے جو چیز اترنے کی طرف جاتی ہے وہ بھی اسی درخت پر اگر ختم ہو جاتی ہے۔ گویا یہ درخت عالم خلق اور عالم امر کے درمیان ایک واسطہ ہے یہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ درخت عالم وجوب اور عالم امکان کا سنگ ہے۔ اس کو انسانی نوع کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اسی واسطے حدیث میں آتا ہے کہ میت کو غسل دینے کے لیے پانی میں ہیری کے پتے ڈال لیا کرو۔ اس کا ظاہری سبب تو یہ ہے کہ اس پتے میں تیل کی سی صافیت کے ساتھ جو وجود ہے۔ تاہم اس میں کوئی دیگر مصدقہ بھی ضرور کارفرما ہے جو اس درخت کی انسانی کے ساتھ نسبت کو ظاہر کرتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اس ہیری کا پھل بٹھے بٹھے شکر بنانا دیکھا جو جہنم کے تمام پر پورے ہیں جن میں چھوڑا اور میں پانی یا کھوری وغیرہ کی ہا سکتی ہیں اور اس ہیری کے پتے آسمان کے کانوں جتنے بڑے تھے۔

پادشہری

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سورج کے موقع پر میں نے اس درخت کی جڑ میں پادشہری دیکھی جن میں سے دو نہیں باطنی ہیں اور دو ظاہری۔ فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیسی شہری ہیں تو اس نے فرمایا کہ باطنی شہری کوڑا اور تبدیل ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ قیامت ٹائے دی اسی کوڑا

پانی پینالوں کے نزدیک عرض کر تھیں ڈالا جانے کا جو حضور علیہ السلام نے امتیوں کو
 پلائی گئے۔ فرمایا ظہری نرس دیکھتے تھیں اور فرات ہیں۔ اگرچہ انہی فہم میں یہ بات
 نہیں آ سکتی مگر حقیقت یہی ہے کہ غل بھی جڑی ابرکت نہیں ہے جو چار ہزار میل لمبی ہے
 یہ افریقہ کے پائنل سے نکل کر صحرائوں کو عبور کرتی ہوئی اور مصر کو سیراب کرتی ہوئی کوہ نمک
 میں جاگرتی ہے۔ اس کا تعلق کسی نہ کسی طریقے سے سدرۃ المنتہی کے ساتھ ہی ہے۔ اس
 قسم کا مشاہدہ ہم دیگر مذکورہ سے بھی کر سکتے ہیں۔ مثلاً سمندر میں پیدا ہونے والے دو جزر کا
 کا تعلق چاند کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہوا و ہول جوں چاند بڑھتا ہے سمندر میں دھارا بہا ہے پھر
 جب چاند گھٹنے لگتا ہے تو سمندر میں جزر آجاتا ہے۔ جس طرح ہم سمندر کے ساتھ چاند کے
 ربط کو صحیح طور پر نہیں جانتے۔ اسی طرح نیل اور فرات کا جو تعلق سدرۃ المنتہی کے
 ساتھ ہے وہ بھی ہم اسے فہم سے جانتے ہیں۔

دریافت

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ لَاتَعْلَىٰ رُوحُ جِبْرِيلَ مِنْهُ هُوَ بَاقٍ عَلَىٰ عِزِّهِ
 نے دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر دیکھا کہ اہم مفسرین کرام اس آیت سے روایت باہر لائے
 کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ امام حسن بصریؒ کہتے ہیں لَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً
 مَرَّتَيْنِ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دو دفعہ دیکھا تو فرمایا میں نے
 کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ آنکھوں سے دیکھا اور ایک دفعہ دل سے طہرائی اور مسلم شریعت
 کی روایت میں بھی ایسے ہی الفاظ آتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن
 عمرؓ اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کی روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ البتہ حضرت
 عائشہ صدیقہؓ اس کا سختی سے انکار کرتی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بھی روایت اللہ کے
 خلاف ہیں۔ حضرت سہروردیؒ جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے عزیز اور شاگرد ہیں، انہوں
 نے آپ سے پوچھا کہ آپ روایت کا انکار کس بنا پر کرتی ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ
 کا فرمان ہے لَا تَدْرِيكَ الْاَقْصَارُ وَهَلْ يَدْرِيكَ الْاَقْصَارُ (الانعام: ۱۰۳)
 آنکھیں تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پاسکتیں، البتہ وہ آنکھوں کو پاسکتے ہیں۔

غور کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کی اس دلیل کو دھوٹے کے ساتھ پوری مطابقت

نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اوداک کی نفی ہے نہ کہ رویت کی۔ اوداک کا معنی کسی چیز
 کا مکمل طور پر احاطہ ہوتا ہے اور یہ واقعی خدا تعالیٰ کی ذات یا اس کی کسی صفت کا ممکن
 نہیں۔ وہ تو غیر محدود ذات ہے۔ لہذا اس کا مکمل احاطہ نہ دنیا میں ہو سکتا ہے اور
 نہ آخرت میں۔ البتہ محض رویت کا منکر دوسرا ہے۔ جس کے لیے شراب موجود ہیں۔ جبکہ
 تک آخرت کا تعلق ہے تو اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہؓ
 سعید بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت کو تمام اہل دینان کو اللہ کا دیدار نصیب
 ہوگا۔ اس کے برخلاف گمراہ فرقے، عقیدہ، معتزلہ اور غداروں وغیرہ رویت اہل کے
 کھینچے منکر ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ رویت تو کسی جہت میں ہو سکتا ہے، اور
 خدا کی جہت کو تسلیم کرنا اس کی تشریح کے خلاف ہے۔ ایسا ماننے سے خدا تعالیٰ محروم
 ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ ذات غیر محدود ہے۔ تاہم تمام اہل سنت و الجماعت اس
 بات کے قائل ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ مگر بطریق کیف
 یعنی بغیر کیفیت کے۔ مطلب یہ کہ یہ رویت رنگ، شکل و صورت یا جہت کے
 بغیر ہوگی۔ گریہ رویت ایسی کیفیت میں ہوگی جس کی یہاں نہیں کیا جاسکتا اور نہ
 ہی ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے اَنْ تَكُونُوا لِرَبِّكُمْ
 حَقًّا تَصَوُّوْا اَنْ تَمُرْنَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ وَكَانَ مِنْ دُونِهِمْ يَكْنُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ
 دیدار اس وقت ہوگا جب لوگ سر کنگے جہاں میں پہنچ جائیں گے۔ رسولی علیہ السلام
 نے بھی کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے رویت کا درخواست کی تھی تو جواب کیا تھا۔
 كُنْ تَرَانِي (الاعراف: ۱۴۲) یعنی تم مجھے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر جب
 اللہ نے پہاڑ پر تھکن فرمائی تو وہ پیرہہ دینہ ہو گیا۔ اور رسولی علیہ السلام مہوش ہو کر گر
 پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ اس عالم ناموس کی تو رویت اتنی ممکن نہیں مگر حضور
 علیہ السلام کو رویت نصیب ہوئی تھی وہ دوسرے جہاں میں غلیظۃ القدس میں
 ہوئی تھی۔ لہذا اس رویت میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوا۔

امام شاہ ولی اللہؒ بھی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے سر کی آنکھوں سے

اپنے مجدد و مکار کو دیکھا۔ امام احمد بھی ایسی ہی روایت کے قائل ہیں۔ ہمیں نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ اسم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ قرآنِ روایت کا انکار کرتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اُنکی کہ بات کا جواب میں حضور علیہ السلام کی بات سے دیتا ہوں کہ آپ سے یہ قول صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے رَأَيْتُ رُفِيَّ عَذْرَاءَ جَلَّ كَرِيں نے اپنے مجدد و مکار عزوجل کو دیکھا ہے، اور یہ حدیث حضرت عائشہؓ کے قول سے زیادہ قوی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم کو اس بات پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فَلَقْتُ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے لیے رکھی ہے، اَللّٰهُمَّ رُوْنِيْ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے لیے اور روایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا رَأَيْتُ رُفِيَّ عَذْرَاءَ جَلَّ كَرِيں نے اور اُنکی کہ بات کو دیکھا۔ اور دوسری روایت میں ہے فَصَبَدْتُ لَهَا پھر میں سجدہ ریز ہو گیا۔

امام شاد ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ روایت سے مراد مکمل معاملہ نہیں کیونکہ یہ تو ہر دو جہانوں میں کہیں بھی ممکن نہیں، البتہ آخرت میں یہ روایت اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے طور سے ہوگی۔ یہ تجلیات بہت سی اقسام سے ہیں جن میں ذاتی بھی ہیں، اور صفاتی بھی۔ خدا کی ذاتی تجلیات صرف انسانوں کے لیے مخصوص ہیں اور فرشتے ہی سے مستفیض نہیں ہو سکتے، چنانچہ آخرت میں بعض لوگوں کو سال کے بعد روایت نصیب ہوا کرے گی، اور تقریباً کہ یہ روایت صحیح و شام نصیب ہوگی جس کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے وَرَأَى اللّٰهُ تَعَالٰی كَے درجہ انعامات کے علاوہ خدا تعالیٰ کی رحمت ایک خصوصی انعام ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ دوم ترہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے دیکھا اور دوسری مرتبہ دل سے بہت و توفیق کے قائل نہیں اور وہ اسے محض علم پر غمول کرتے ہیں حالانکہ علم تو حضور علیہ السلام کو کامل طریقے سے ہر وقت ہی حاصل تھا۔ لہذا اس میں ترمیم کی گنجائش

ہیں نہیں۔ البتہ دل کا ذکر شرح قلب والی حدیث میں ملتا ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے آپ کا قلب مبارک شوق کیا تو کہ قَلْبٌ قَرِيبٌ فَمِنْهُ اُذُنَانِ مَسْمُوعَتَانِ وَعَيْنَانِ بَصُورَتَانِ، بڑا مضبوط دل ہے، اس میں دو سننے والے کان اور دیکھنے والی دو آنکھیں ہیں۔ تو گویا دل کی آنکھیں بھی ایزد بن سے حضور علیہ السلام کو رویت النور حاصل ہوئی۔ شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کی روح کا تعلق جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے، اس وقت تک انسان کو علم تو حاصل ہوتا ہے مگر انکشاف نام نہیں ہوتا۔ یہ چیز رویت کی شکل میں دوسرے جہان میں چل کر پہلے بہر حال رویت آنکھ سے ہوا قلب سے بات ایک ہی ہے۔ دیکھو! کسی چیز کو دیکھنے کے لیے آنکھ کا صحیح سلامت ہونا، مددگار ہونا اور چیز کا آنکھ کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ آنکھ کے سامنے والا سیاہ حصہ قرینہ کہلاتا ہے۔ اللہ نے یہ نہایت ہی شفاف شے بنائی ہے جس کے متعلق حکم بقراؤ کی ہزاروں سال پہلے کی تحقیق ہے کہ اس قرینہ کے نیچے نہایت ہی لطیف مایوس پرے ہیں۔ ان پر دل کے نیچے آنکھ میں نہایت ہی شفاف رطوبت بھری ہوئی ہے جسکو رطوبت تجلید یہ کہتے ہیں۔ یہی وہ رطوبت ہے کہ جب گرمی ہو جاتی ہے تو نظر آتا بند ہو جاتا ہے اور عام اصطلاح میں کہتے ہیں کہ موتیا اُتر آیا ہے، اس گرمی رطوبت کو آپریشن کے بعد یہ نکال دیا جاتا ہے تو پھر سے نظر آنے لگتا ہے۔ بہر حال جب کسی سامنے والی چیز کا عکس قرینہ پر پڑتا ہے جو اُسے رطوبت تجلید یہ تک پہنچاتا ہے۔ پھر وہ اُسے آگے لے کر قرینہ تک پہنچا دیتی ہے۔ مجمع نور اس کو اُٹھا کر جن مشرک کے تختے پر منتقل کر دیتی ہے۔ وہاں پر اس عکس کو قوت خیالہ، قوت درمیر، قوت منکرہ اور نفس ناظرہ اخذ کر کے فیصلہ کرتے ہیں کہ جس چیز کا عکس ان کے پاس پہنچا ہے وہ کیا ہے؟ کوئی درخت ہے، پتھر ہے، عمارت ہے، حیوان ہے یا کوئی اور چیز ہے۔ اور وہ چیز سیاہ ہے یا سفید، خوبتر ہے یا بد صورت نظر آ رہی ہے کہ جب تک کسی چیز کا عکس آنکھ کے قرینہ، رطوبت تجلید یہ، مجمع نور

اور جس مشترک ملک نہیں پہنچا، رویت ممکن نہیں ہوتی بلکہ بعض علم پر ماسے تو گرا علم اور رویت میں یہ فرق ہے۔ اہل انسان جب عالم آخرت میں پہنچے گا تو اس کی تمام قوتوں خاص طور پر باطنی قوتوں میں بہت زیادہ لطافت پیدا ہو جائے گی۔ اس طرح قلب میں بھی بہت زیادہ قوت پیدا ہو جائے گی۔ اس وقت ہر چیز کا عکس بہت سیدھے قلب پر پڑے گا بوائس کو نفس ناقص کے پاس نہ پہنچے گا۔ نفس ناقص اے جس مشترک کی طرف منتقل کر دے گا اور وہ چیز ٹیٹ کر دھرتی جلدیہ تک آجائیگی اور نظر آنے والی چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ غرضیکہ کوئی شخص آنکھ کی طرف سے دیکھے یا قلب کی طرف سے غیر کیاں ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کو رویت الہی ایک دفعہ آنکھ سے اور ایک دفعہ قلب سے ہوئی۔ یہ دونوں باتیں درست ہیں اور دونوں کا نشانہ ایک ہی ہے۔

گزشتہ درس میں دَعَاؤُتِ دَلّی کا ذکر آیا تھا کہ اللہ کا فرشتہ قریب آیا دَلّی کا لغوی معنی لنگن ہی ہے مگر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ دَلّی ایک بہت باریک حقیقت بھی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی چار صفت مختصہ میں سے ہے۔ اللہ کی پہلی صفت ابداع ہے یعنی کسی چیز کو بغیر مانے اور نمونے کے پیدا کرنا جیسے اس نے آسمان و زمین کو اپنی صفت ابداع کے ذریعے بغیر مانے کے پیدا کیا۔ پھر دوسری صفت خلق آتی ہے جہاں مطلب ہے کہ ایک مانے سے کوئی دوسری چیز نہادینا، جیسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق فرمایا۔ پھر آگے تیسری صفت تدبیر ہے یعنی کسی چیز کی تدریج حد کمال تک پہنچانا، کسی چیز میں کمی بیشی یا ترقی و تنزل کرنا۔ اور آخر میں اللہ کی چوتھی صفت تدلی کام کرتی ہے تدلی کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ مادی انسان، انسان اکبر کے نمونے پر بالکل تیار ہو جاتا ہے تو اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس پڑنے لگتا ہے اس کے درمیان بہت کمانڈل ہیں۔ تاہم یہ آخری منزل ہے جس کو بندگی نے دریافت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہی کو متنی قریں بخش ہی لک میں پانچ قریٰ یعنی نفس، قلب، عقل، روح اور سرراطینت عاقرہ رکھتے ہیں، جن کو کوئی آدمی، روحی اور دوسرے فلاسف اور حکماء بھی تسلیم کرتے ہیں انہی کے آگے پانچ باطنی قریں ہیں یعنی قریٰ، احمی، اذیت، کبریا اور القدس اور حجرِ تحت جب ایک پرشیدہ قریٰ کا پردہ ہٹا ہے تو دوسری نظر آ جاتی ہے اور پھر آخر میں جو چیز ہوتی ہے اس کو حجرِ تحت کہتے ہیں اور اس پر کئی حکم کا عکس پڑتا ہے اس کو تدلیٰ کہا جاتا ہے۔ عقلی اعظم کی بخشش ہمیشہ قریٰ کی طرف ہوتی ہے کیونکہ یہ عالم بالا سے آتی ہے۔ جب انسان کا یہ داری غول اتر جائے گا۔ اور اندر سے اصلی انسانی ظاہر ہوگا تو اس کی اوپر کی طرف کشش بہت بڑھ جائے گی۔ اگر ان کے دینا میں رہ کر کوئی ٹھیک نہیں کی تو وہ بہت تکلیف اٹھائے گا۔ بہر حال ذنات کی کایہ مطلب بھی یہاں ہے۔

سابقہ درس
کی بعض
تصریحات

گزشتہ درس میں فرشتے کی قربت کے ضمن میں قاری فوہ سیئہ کا ذکر بھی ہو چکا ہے یعنی فرشتے اور جنس علیہ السلام کے درمیان دو گمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی دو آدمی آپس میں غیر معمولی دوستی کرنا چاہتے تھے تو وہ دونوں گمانیں اکٹھی کر کے ایک دھند میں پکڑ لیتے تھے جس کا مطلب یہ ہوا تھا کہ یہ گہرے دوست بن گئے ہیں۔ اب ان میں سے کسی ایک کا تیر دوسرے پر نہیں چلے گا تاہم اس مقام پر اس سے قربت ہی ہر دو پر پھر قافوہی آئی عین وہ مساکوئی کی مانند کہ بھی آپس کے گہرے دوست بن گئے ہیں۔ اس کو اللہ نے اجمال میں رکھا ہے۔ البتہ صحیح احادیث سے تین مختلف کا ذکر ہے۔ جو اللہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو عطا فرمائے۔ ان میں پہلا انعام پانچ نمازیں جو بہت کمزور پر فرض تھیں۔ دوسرا انعام سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات اَمَّا الْاُمَمُ سے لے کر آخر تک ہے اور تیسرا انعام یہ ہے کہ اللہ نے مسند پایا جو شخص دنیا میں رہ کر میرے ساتھ شریک نہیں کرے گا۔ اس کی غلطیوں کو

سہ ماہی کے لئے - سہ ماہی کے لئے - سہ ماہی کے لئے
 سہ ماہی کے لئے - سہ ماہی کے لئے - سہ ماہی کے لئے

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ (۱۹) وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةَ الْآخَرَىٰ ۝ (۲۰)
 الْكُفْرَ الذَّكَوْلَ الْاُنْثَىٰ ۝ (۲۱) تِلْكَ اِذَا قُضِيَ ضِيْرُی ۝ (۲۲)
 اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَاءُ سَمِيَتْهُمَا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ مَا
 اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ
 وَمَا تَهْوٰی اَلْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ
 الْهُدٰی ۝ (۲۳) اَمْرِ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمٰی ۝ (۲۴) فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ
 وَالْاَوَّلٰی ۝ (۲۵)

ترجمہ: کیا دیکھا ہے تم نے لات اور عزیٰ کو (۱۹)
 اور منات تیسرا جو بیچے ہے (۲۰) کیا تمہارے لیے
 بیٹے ہیں، اور اس کے لیے بیٹیاں (۲۱) یہ تقسیم ہے
 کھوٹی (۲۲) نہیں ہیں یہ مگر ہم جو رکھ لیے ہیں تم
 نے اور تمہارے اباؤ اجداد نے، نہیں مادی اللہ نے
 ان کے بارے میں کوئی سند، نہیں پہنچی کرتے یہ لوگ
 مگر گمان کی اور اس کی جو نفس خواہش کرتے ہیں۔ اور
 البتہ تحقیق ان کے پاس کوئی ہے ان کے رب کی طرف
 سے ہدایت (۲۳) کیا انسان کے لیے وہ ہے جو اس
 نے خواہش کی (۲۴) پس اللہ ہی کے لیے ہے آخرت
 اور پہلی (دنیا کی زندگی) (۲۵)

ربطیات

سورۃ کی ابتدا میں اللہ نے تاسے کی قسم اٹھا کر جواب قسم کے طور پر نبوت و رسالت کا ذکر کیا۔ پیغمبر کی ذات مبارکہ میں شک کرنے والوں کا رد کیا اور فرمایا کہ اللہ کا پیغمبر اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ جو کچھ پیش کرتا ہے وہ وہی الہی ہوتی ہے۔ پھر اللہ نے وہی لائے تھے مقرب فرستے جبریل علیہ السلام کا تعارف بھی کرایا۔ پھر حجاز کے واقعہ میں قرب کا تذکرہ کیا جو اللہ کے نبی کو حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا جس کے قریب جنت المادنی ہے۔ پھر سدة المنی کی کیفیت بھی بیان فرمائی اور پھر اللہ کے پیغمبر کو عالم بالا میں پہنچانے کا مقامہ کی تصدیق فرمائی کہ آپ علیہ السلام نے اللہ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ نبوت و رسالت ہی کے سلسلے میں اس سے پہلے فرمایا کہ تمہارے صاحب نہ بیگے اور نہ بے راہ ہونے، بلکہ وہ تو اللہ کی جانب سے وہی پیش کرتے ہیں اور اللہ نے آپ کو بہت ہی بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ وہی لائے والا فرشتہ بھی اللہ کے اہل بیت مقدس اور قوتوں کا مالک ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اُنہی لوگوں کا رد فرمایا ہے جو اللہ مالک ملکات اور تمام قوتوں کے سرچشمہ کو چھوڑ کر خود ساختہ بتوں کی پر جا کرتے ہیں۔ کج کے درس میں عربوں کے تین مشہور معبودان باطلہ کا تذکرہ ہے یعنی لات، منات اور عزیٰ جن کی وہ پر جا کرتے تھے اور ان سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کے طالب ہوتے تھے۔ طاغوت کے قبیلہ ثقیف طے زیادہ قزاق کی پرستش کرتے تھے۔ دین کے لوگ اور غرض اور خدائی قہاں منات کے باری تھے جب کہ قریش اور بنی نہ عزیٰ کو معبود مانتے تھے۔ اسی کے علاوہ اور بھی بہت سے معبود بنائے گئے تھے جو مختلف تصورات پر بنائے گئے تھے۔ کہیں کوئی ہتھیار تھا۔ جہاں پر نند و نیاز پیش کی جاتی تھی۔ کہیں درختوں کی پر جا ہوتی تھی اور کہیں مختلف شکلوں کے مجسمے بنائے ہوتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَلَا يَنْظُرُونَ اِلَآلَتَ الْاَعْرَٰبِ ۚ وَ مَنَٰوَا الثَّٰلِثَةِ الْاَعْرَٰبِ ۚ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفَكَّرُونَ ۚ اور عزیٰ کو، اور تیسرے منات کو جو دوسری طرف ہے؟ مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے اُنہی کو معبود خیال کیا ہے؟ یہ تو بالکل غلط تصور ہے

تجلی کی پرستش

جس کے متعلق حضرت امیر المومنین علیؑ نے بھی اشارہ فرمائی ہے درخواست کی کہ اسے
 پسوردگار! وَأَجِئْنِي وَبَيِّنْ لِي أَنْ تَقْبَلَ الْحُكْمَ وَبِإِسْمِ (۲۵۰) مجھے اور میری
 اور دعا کرتا ہے پرستی سے ڈر رکھو۔ اَللّٰهُمَّ اَصْلَحْ كَيْدِيْنَ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ (۲۶۰)
 یہ بہت بہت سی مخلوق کی گراہی کا باعث بنتے ہیں، بشر کیوں جن کی پوہا تو کہتے ہی تھے
 بعض نے جہل کیجئے بنا سکے تھے جن کا طواف کرتے تھے۔ آریج این ہشام میں ہے
 کہ اس قبیلہ کا ایک کبیر بنی علیؑ میں تھا۔ جب کہ فتح ہوا تو حضور علیہ السلام نے حضرت علیؑ
 کو اس کبیر کو گولنے پر مامور کیا اسی طرح ابن کے ذی النضر کے مقام پر بھی ایک
 کبیر تھا۔ لوگ اس کا بھی طواف کرتے تھے۔ اس کو کبیر یثیہ کہا جاتا تھا حضور علیہ السلام
 نے حضرت جریر بن عبد اللہؓ کی کو ذریعہ سودا دیوں کا ایک جھگڑے کے ردانہ فرمایا کہ
 مجھے راست پہنچاؤ۔ فرمایا جب میں سنا ہوں کہ خانہ کبیر کے مقابلے میں کسی نے
 مصنوعی کبیر بنا رکھا ہے تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت جریرؓ نے جا کر ہی
 کبیر کو جلادیا۔

شکوک و
 کبریت
 (۱) لات

لات کا مادہ لورا سے بھی اور لَاتَ يَلُوتُ اور يَلُوتُ سے بھی آتا
 ہے اگر اس کا لورا کا مادہ ہو تو اس کا معنی ٹھیک جاتا ہے یہ معنی بھی درست ہے
 کیونکہ لوگ اس بہت پر اکثر چلے جاتے تھے کوئی کبیر کرنا، کوئی اس کو چرتا پاتا
 اور کوئی نذر و نیاز پیش کرتا تھا اور اس سے ملاؤں مانگتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پہلے
 زمانے میں لات ایک اچھا آدمی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ شخص سستو اور گوی وغیرہ بنا کر
 تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ عابیوں کو سستو وغیرہ بنا کر لاتا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے
 بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اور اسی وجہ سے اس کا نام لات مشہور ہو گیا۔ پھر جب وہ
 مر گیا تو لوگوں نے اُس کا مجسمہ بنایا اور اس کی پوہا شروع کر دی۔ اس پر نذرانے
 پیش ہونے لگے اور اُس سے حاجت روائی اور مشکل کشائی ہونے لگی۔

سورۃ نوح میں اللہ نے اُس قوم کے پانچ معبودوں میں اہلک کا ذکر کیا ہے۔
 وہ بھی ایسے ہی نیک لوگ تھے یعنی وہ اسول، یسوع، یحوق اور نسر۔ بعض روایات

اس قصہ سے بہت عنایت کے متعلق مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کچھ نخل کے مقام پر ساحلِ سمندر کے قریب رکھا ہوا تھا۔ اس کے پکاری زیادہ قریب دیکھنے کے لوگ تھے اور یہاں اگر وہ عجیب و غریب شرکیہ حرکات کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ لوگ اساتذہ اور ناکہ تہوں کے نام پر احرام باندھتے تھے اور ان کے ہم کے نعرے مانتے جیسے صفا و مردہ کا طواف کرتے تھے۔ پھر جب اسلام کا ظہور ہوا اور حج اور عمرہ کے لیے خانہ کعبہ کے طواف کے ساتھ ساتھ صفا و مردہ کی سعی کا حکم ہوا تو ان شرکیہ نعرے کچھ حرج محسوس کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم تو ابنِ مہدیؑ کی بات کی وجہ سے صفا و مردہ کا طواف کرتے تھے، مگر اب اس کا کیا جوڑ رہا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت **هَذَا قُرْآنُی اِنَّ الْمَکْفُوفَ وَالْمُکْرَوَةَ مِنْ شَعَائِرِ الْمُشْرِکِ وَالْبَقْعَ (۱۵۸)** شیک صفا و مردہ تو ان شرک کے شعائر ہیں، لہذا حج و عمرہ کرنے کے لیے ان کی سعی بھی کریں۔ بتوں والی خرابیاں تو مشرکین نے بعد میں پیدا کی تھیں، مگر حقیقت کے ساتھ کرنی تھیں۔

بہر حال عنایت کی پر باعزوبن کی کے دور سے شروع ہوئی جو حضور علیہ السلام سے تقریباً پانچ سو سال پہلے گزرتا تھا اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام سے لے کر ایشیہ ہزار سال تک عرب کے لئے لوگ توجہ پرست تھے۔ اس کے بعد بہت پرستی کا رواج اس قدر پھیل گیا کہ خود خانہ خلاص بھی بتوں سے بڑھ گیا۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے جیسے پڑے پائے جی کے ہاتھوں میں جوئے کے ترچے لٹائے تھے۔ آپ نے فرمایا **اِنَّ مُشْرِکِیْنَ** پر خدا کی لعنت ہو، ان شرک کے نبیوں نے تو کہیں جو انہیں کیلئے۔ آہم آپ نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا اور پھر اس میں داخل ہوئے۔ جس طرح مشرکوں نے ان شرک کے نبیوں کو جوئے جیسی قبیح حرکت میں ملوث کر دیا تھا اسی طرح یہودیوں نے ان شرک کے نبیوں پر زنا تک کا الزام لگایا، انبیاءِ ان شرک بائبل میں۔ بے حیائی کی باتوں سے بھری تھی۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک اور نظریہ کا رد کیا ہے جو

وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد کے بارے میں کہتے تھے۔ مشرک اپنے لیے تو بیٹوں کو پسند کرتے تھے۔ اور گھر میں بیٹی کی پیدائش پر اُسے زلفہ دگر کر کے سے بھی دینے نہیں کہتے تھے مگر فرشتوں کو خدا کے ساتھ بحیثیت بیٹیاں منسوب کرتے تھے۔ اللہ نے اس بات کا شکوہ کیا ہے الَّذِينَ يَدْعُونَ أَكْثَرَ الذِّكْرِ وَلَئِنْ أُنْزِلَتْ عَلَيْكَ آيَاتٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ سِحْرٌ بَشَرٍ أَمْ جَاءَ بِالْحَقِّ فَمُلِئُوا بَصَرًا اور اِس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں فرمایا وَلَا تَكُنْ مِنَ الْفٰسِقِیْنَ جس قدر ہی یہ کئی کمرٹی اور غلط تفسیر ہے جو تم نے از خود کر رکھی ہے کہ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور خدا تعالیٰ کے لیے بیٹیاں منسوب کرتے ہو۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تو اولاد سے ہی پاک ہے چہ جائیکہ اُس کی طرف بیٹیوں کی نسبت کی جائے۔ إِنْ رَأَوْهُ إِلَّا اتِّمَاعًا سَحَابًا مِمَّا يَتَخَفَتُونَ اُنہوں نے اسے تو محض ہم ہی نہ نہیں جو ہم نے اسے تمنا ہے ابوا عبد اللہ نے خود کو یاد کر لیا ہے، ان کے تحت کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جس لوگوں کے تصور پر تم نے یہ سمجھنا بنا رکھا ہے، ان کے پاس تو کوئی اختیار ہی نہیں ہے جو تمہاری فریاد و رمی اور داد و دعا کر سکیں۔ تم خواہ مخواہ ان پر جھگٹے جاتے ہو، ان کی پوجا پاٹ کہتے ہو اور ان سے ملدیں مانگتے ہو وہ تو کسی چیز کے الگ ہی نہیں ہیں، تمہاری کیا بددو کریں گے؟ اللہ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ (آیت ۱۷)۔ بھلا کیا ہر چیز کا خالق اللہ الگ الگ ایسی ہے جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے؟ یہ تو خود اللہ کے پیدا کردہ ہیں اور اللہ نے انہیں کوئی اختیار بھی نہیں دیا۔ پھر تم ان کی یکے پرستی کرتے ہو، اور یہ یکے تمہاری مدد کہتے ہیں؟ ان میں سے بعض تو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے تراش رکھے ہیں۔ بھلا ان خود ساختہ معبودوں کو الٰہیت کا درجہ دینے کا کیا جواز ہے؟ فرمایا یہ تو محض ہم ہی ام ہیں مَا أَتٰكُمُ اللّٰهُ بِهِكَ مِنْ سُلْطٰنٍ یعنی اللہ نے قرآن کے حق میں کوئی سند نہیں اتاری جس کی بناء پر تم ان کے گرد و ہوا ہو سہ ہو۔ مگر مشرک ہی اپنے عقیدے میں بڑے پختہ تھے۔ وہ کہتے تھے۔

بَلَّغَ الْعُرَاقِ الْعُلَى وَمَا شَفَعَهُمْ كُذِّبُوا

یہ بہت بڑی ہستیاں ہیں اور ان کی سفارش ضرورہ کارگر ہوگی کہتے تھے خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض یہ ہستیاں وہیں مذاب الہی سے ضرور بچا میں گی۔ اس طرح وہ لوگ گریا جبری سفارش کے داخل تھے جس کی اشرف قرآن میں متعدد بار نفی کی ہے ہر ایسے غیرے، مشرک، منافق کیلئے تو سفارش معیذت نہیں ہو سکتی ابکہ سفارش تو اس کے حق میں مفید ہوگی جس کا عقیدہ صحیح ہوگا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں سفارش کے لیے اجازت بھی دی ہوگی۔

قوم نوح کے پانچ سمور اپنی باطلہ کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے، اور ان میں سے دو اور کواغ کی تاریکی میں شیطانی عرض کی ہے۔ باقی تین بتوں میں ایک یغوث تھا۔ یہ لفظ غوث کے مادہ سے ہے جس کا معنی فریاد رسی ہوتا ہے۔ مشرک لوگ اپنی مشکل کشائی کے لیے اس بت کی پوجا کرتے تھے اور اس پر چڑھاٹے چڑھاتے تھے۔ یہ شیر کی شکل میں بنایا جاتا تھا۔ یعوق انسان کے لیے بمنزلہ مال کے ہے۔ مال دولت کے حصول کے لیے اس بت کی پوجا ہوتی تھی۔ یعوق کا معنی تکلیف کو قند کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ یہ گھوڑے کی شکل میں بنایا جاتا تھا۔ مشرکین کا تصور یہ تھا کہ یہ تیز رفتار ہونے کی وجہ سے پگھلنے پر مدد کے لیے جلد پہنچ جاتا ہے۔ پانچواں سمور نسر نامی تھا جو کہ گھوڑے کی شکل پر بنایا جاتا تھا۔ گھر بھی بڑا طاقتور اور تیز رفتار پرندہ ہے اور جہاں عورتیں نعرے فرماتی ہیں وہاں بھی اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ مشرک اس کی بھی مشکل کشائی کے لیے پکارتے تھے۔ ہمارے دور میں لوگ "یا علی مشکل کش" اور "یا پیر دستگیر مدد" کے نعرے لگاتے ہیں جو کہ قوم نوح کے مشرکوں سے کم نہیں۔ نزول قرآن کے زمانہ کے مشرکوں میں بھی ایسے تصورات پائے جاتے تھے اور وہ غیر اللہ سے فوق الہا بابت دعوت طلب کرتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کچھ اختیار نہیں۔ فرشتے، نبی، ولی، پیر، سب اس کے عاجز بندے ہیں۔ اللہ نے کسی کو جیسا

بنایا ہے اور زندگی کو اپنا خزانہ بنا کر بھیجا ہے کہ لوگوں کی مشکل کٹائی کرے۔ جیسا کہ
 کلام حقیدہ باطل باطل ہے کہ صحیح علیہ السلام نے جان کا کفار پریش کیسے تمام چھوڑ
 کر ذراپ الٹی سے پھرایا ہے۔ یہ ساری غلط باتیں اور غلط نظریات عربوں میں بھی
 لٹکے تھے۔ جن کی اشتر نے تردید فرمائی ہے۔

محض گمان
 کا اتباع

اشتر نے فرمایا کہ مجھ کو اپنی باطلہ کے متعلق تھما کے یہ خود ساختہ نام ہیں نام ہیں
 جن کی صداقت کا کوئی سہ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وَمَا أَتَاكَ إِلَّا نَفْسٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 وَاَتَاكَ إِلَّا نَفْسٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی خواہشات غنائی پر
 چل رہے ہیں، مگر نہ اپنی سمجھ کو اپنی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی ان کو
 کچھ اختیار حاصل ہے۔ فرمایا حقیقت یہ ہے وَلَا تَدْرِي مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِكُمْ
الشَّيْءَ۔ کہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت پہنچی ہے۔ اشتر کا
 آخری نبی اور اس کی آخری کتاب پہنچی ہے جو سچ و شہود و ہدایت ہے ان دو چیزوں کی
 موجودگی کی جوں کی کیا حیثیت ہے؟ یہی کہ چاہیے تھا کہ اس ہدایت کو قبول کر کے
 دائمی مسلمان پابستے مگر وہ پہلے پرانے سمجھوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں
 اور انہی سے اپنی مشکل کٹائی اور حاجت برداری چاہتے ہیں۔ فرمایا وَلَا تَدْرِي مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِكُمْ
الشَّيْءَ۔ کیا یہ ضروری ہے کہ انسان کو وہی کچھ مل جائے جس کی وہ تمنا کرے؟
 فرمایا ہرگز نہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب کوئی انسان خواہش کرے
 ہے کہ اس کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کچھ طلب کر رہا ہے اور کیا وہ اس کے حق
 میں بشر ہے یا نقصان دہ؟ انسان نہیں جانتا کہ اس کے لیے کون سی خواہش مفید
 ہے۔ اگر غلط خواہش کرے گا تو لگن ہے کہ اس کے لیے وہی کچھ ملے گا۔ اور
 پھر وہ نقصان میں پڑ جائے گا۔ اس لیے انسان کو ہمیشہ ایسی چیز کی خواہش کرنی
 چاہیے۔ اشتر نے انسان کو سکھایا ہے کہ وہ اپنی ہر کار کردگی کا جواب دے
 ہے۔ اشتر تعالیٰ اس سے فرمے کہ اس کا حساب لے گا کیونکہ هَلْ لَكُمْ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ
وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ آخرت کا اور اس دنیا کا سارا اختصار بھی اللہ تعالیٰ ہی کے

پاس ہے۔ اُس نے یہ اختیار مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا، لہذا انسانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں۔

النجم ۵۳

آیت ۲۶ تا ۲۰

قال فليطلبكم

در سہ چاند ۴

وَكَمَرٍ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا
 إِلَّا مِّنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُرْضَى ②۶ إِنَّ
 الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ كُتُمِيَّةً
 الْأُنثَى ②۷ وَمَا لَهُمْ بِهِمْ مِنْ عِلْمٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا
 الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ②۸ فَأَعْرِضْ
 عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ
 الدُّنْيَا ②۹ ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ
 أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَن
 اهْتَدَى ③۰

ترجمہ: اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں کہ
 جنیں کلامِ حق اُن کی سفارش کچھ بھی مگر بعد اس کے کہ
 اللہ تعالیٰ جس کے لیے اجازت دے اور پسند
 کرے ②۶ بیشک وہ لوگ جو نہیں ایمان رکھتے آخرت
 پر، البتہ وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے عورتوں جیسے
 نام ②۷ اللہ نہیں ہے اُن کو اس بات کا کچھ علم۔
 نہیں پیروی کرتے یہ لوگ مگر گمان کا۔ اور بیشک
 گمان نہیں کلامِ دینا حق کے سامنے کچھ بھی ②۸ پس
 آپ اعراض کریں اُس سے جس نے منہ موڑ لیا ہے

ہمارے پاس سے ۔ اور نہیں ادا کیا اس نے مگر دنیا کی زندگی کا (۱۶) یہی پہنچا ہے ان کے علم کی ۔ چھک تیرا چور دار بستر جاتا ہے اس کو جو گھرو ہوا اس کے راستے سے اور وہ بستر جاتا ہے اس کو جس نے ہدایت پائی (۲۰)

دل آیت

سورۃ کے ابتدائی حصے میں رسالت کا ذکر ہوا، اور رسالت میں شک و شبہ کرنے والوں کا اللہ نے تذکرہ فرمایا، اسی الہی کے نزول کا ذکر ہوا اور پیغمبر خدا کے بندہ مہم پر فائز ہونے کا تذکرہ ہوا۔ معراج کے واقعہ میں حضور علیہ السلام نے قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد اللہ نے مشرکین کے سبکدوش ہونے باطلہ بات، عزرائی اور رسالت کی تردید کی۔ فرمایا مشرک لوگ اپنے لیے توبہ کی پندہ کرتے ہیں، مگر بیٹوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ فرمایا یہ کتنی غلط بات ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے پندہ نہیں کرتے اس کو اللہ کی طرف سب کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ محض گمان اور نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں۔ مگر نہ ان کے پاس ہدایت کی کوئی سند رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی اور کتاب کی صورت میں ہدایت پہنچی ہوئی ہے مگر یہ بدعت اے نبیؐ کو نص کے لیے تیار نہیں۔

فرشتوں کی
سزا کشتن

گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ مشرکین عرب نے بات، عزرائی اور رسالت جیسے جیسے باتیں تھے جن سے حاجت روائی اور مشکل کشائی چاہتے تھے۔ ان کا یہ زعم باطل تھا کہ یہ معبود ہیں اللہ کے ان معبود چھڑا میں گے خواہ اللہ تعالیٰ داخل ہو یا نہ ہو۔ اس طرح وہ گریبا جبری سفارشل کے قائل تھے۔ اب آج کے درس میں اللہ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ فرشتوں کو بھی اپنا سفارشا سمجھتے تھے مگر اللہ نے ان کے اس باطل عقیدہ کی بھی تردید فرمائی ہے ارشاد ہوا ہے وَكَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْسَّمَاءِ فِي السَّمَوَاتِ آسمانوں میں اللہ کے بہت سے فرشتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ کے بیشمار فرشتے ہیں جن کے مختلف درجات ہیں۔ بعض درجہ اعلیٰ کے فرشتے ہیں جو بہت بڑے اور بڑے کھتے ہیں۔

بعض عالمینِ عرش ہیں۔ بعض عرش کے گرد طواف کرتے ملتے ہیں۔ ظہیرۃ القدس
 کے لئے ملے اور طہیّین کے فرشتے بھی اس پھر آسمانوں میں کھنڈے عام فرشتے ہیں،
 پھر آسمانوں دنیا کے فرشتے، پھر درجہ بدرجہ فضاؤں کے فرشتے اور پھر بلادِ ماقبل کے
 فرشتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی موصوع مخلوق ہے اور ہر وقت احکامِ خداوندی کی تعمیل
 میں مصروف رہتے ہیں۔ اسی سب کی ایک قدر مشترک یہ ہے کہ ان کی تمام چیزیں خداوندی
 کی تعظیمِ اعظم کی طرف مائل رہتی ہے اور وہ ہر وقت خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں فرمایا
 اتنی مقرب مخلوق جس کے باوجود ان کا حال یہ ہے لَا تُعْنِي سَفَاعَةُ مَسَرِّ
شَيْءٍ اَنْ يَسْأَلَهَا كَيْفَ كَامَ نَبِيٌّ اَوْ مَنْ كَبَدَ اَنْ يَأْذَنَ اللّٰهُ لِعَمَلٍ
يَحْسَبُوْهُ سِرَاسَةً اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس سے سفارش کی اجازت لے جس کے لئے
 جیسے۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ غنی اور غنی کو پسند بھی کرے۔ مطلب یہ
 کہ کسی شخص کے حق میں سفارش اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کی رضا کے ساتھ مشترک
 ہے۔ اَوْصِرْ فَرَقَانِ پاک میں موجود ہے وَلَا يَنْفَعِي اِيَّوَابُ اَنْ كُفِّرُ (الزمر: ۲۵)
 اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کفر کو بالکل پسند نہیں کرتا اور یہی حال شرک کا بھی
 ہے جس کو اللہ نے حکیمِ عظیم سے تعبیر کیا ہے تو اس لحاظ سے سفارش کا مقدار
 وہ شخص ہو گا جو کفر کی بجائے ایمان رکھتا ہو اور شرک کی بجائے خالص توحید کا
 عقیدہ رکھتا ہو۔ اگر یہ دو چیز یہ موجود ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ پھر مٹی کرنا اور
 سے درگزر کرنا کر ایسے شخص کے حق میں سفارش کی اجازت بھی ملے گا اور پھر اسے
 قبول بھی فرمائے گا۔ برخلاف اس کے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ فلاں بزرگ، نبیِ اولیٰ
 یا فرشتہ ضرور ہی سفارش کر کے اللہ تعالیٰ کو سزا دے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔
 امامِ لاریجی اس کو صریح سفارش سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ کے ہاں
 ایسی سفارش کی کوئی حیثیت نہیں۔ امامِ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایسی سفارش
 کے قائل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کے حکمرانوں پر قیاس کرتے ہیں۔ دنیا کے سلاطین اور
 وزراء کو بعض اوقات کسی کی سفارش بھروسہ دینی پڑتی ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں

کرتے تو اُن کے اقتدار کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے۔ اُسے اُن کی ہر مہم کے خلاف کوئی کام کرنے پر کوئی ایسا کر سکتا ہے؟ یہ جبری سفارش والا عقیدہ بالکل باطل ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ کسی شخص کی سفارش پیش کرنے کے لیے اشرقتوں کی پیشگی اجازت ضروری ہے اگر اشرقتائی کسی کو سفارش کی اجازت ہی نہیں دیں گے تو کہیں ہے جو اس کے سامنے دم ہار سکے؟ اُن کا واضح فرمان ہے **مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ** (البقرہ - ۲۵۵) کہ ہے جو اشرق کی اجازت کے بغیر اُن کے پاس سفارش کر سکے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ کائنات میں افضل ترین ہستی حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے قیامت تک وہی جب مخلوق کو کثرت تکلیف میں ہوگی تو اس وقت اس بات کی ضرورت ہوگی کہ اشرق کوئی تقریباً ہی اس کے پاس سفارش کرے کہ وہ مخلوق کی تکلیف کے پیش نظر سب کا سب شروع کرے۔ مخلوق اشرق کے برگزیدہ انبیاء کے پاس جانے گی کہ وہ اُن کی درخواست اشرق کے بارگاہ میں پیش کریں، مگر کوئی بھی اس کام کی ہمت نہیں پائے گا۔ بلاخر لوگ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ آپ فرمائے ہیں کہ میں خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ رنج ہو جاؤں گا اور اُن کی ایسی تعریفیں بیان کروں گا جو اُنسی وقت خود اشرق مجھے السلام کرے گا۔ بعض معترضین فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دس سال تک سجدہ میں پڑے رہیں گے۔ اس کے بعد اشرق فرمائیں گے **فَاَمَحَّ كَعْدُ اَرْفَعُ رَأْسَكَ سَلِّ قَطْعًا وَاشْفَعْ كُشْفَعًا** اے محمد! سر اٹھائیں، آپ سوال کریں اُسے پورا کیا جائے گا، اور آپ سفارش کریں اُن کو قبول کیا جائے گا۔ غرض کہ اشرق کی اجازت کے بغیر اُن کا سب سے برگزیدہ اہل امام الانبیاء بھی سفارش کر نئی جرات نہیں کر سکے گا۔

اس کے بعد شفاعتِ صغریٰ ہے جو امت کے گنہگاروں کے حق میں ہوگی بعض لوگوں کے حق میں و ذرا واجب ہوگی ہوگی۔ مگر حضور علیہ السلام کی سفارش

سے اللہ تعالیٰ اُن کی مصلحت فرمائے گا۔ بعض لوگ دوزخ میں پہنچ چکے ہوں گے اور وہ
 بھی سفارش سے وہاں سے نکل آئیں گے۔ بعض کی سفارش بلند ہی درجات کے
 لیے ہوگی، جو قبول کی جائیگی۔ علیٰ ہذا التماس جب حضور علیہ السلام کو شفاعت کی
 اجازت مل جائے گی تو پھر باقی اہل جہنم اور صالحین بھی اللہ کی اجازت سے
 سفارش کریں گے۔ مگر یہ اُنی شخص کے حق میں قبول ہوگی وَفَوَحَىٰ لَهُ قَوْلًا (۱۹)
 جس کی بات اللہ تعالیٰ کرپہ ہوگی۔ کہل بھی سفارش کرنے والا کسی کافر اور شرک کے
 حق میں سفارش نہیں کرے گا اور نہ ہی ایسی سفارش قبول ہوگی۔

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی
 کو اجازت دی کہ وہ ایک دُعا جو نہی چاہیں منظور کرالیں۔ سائے نبیوں نے اپنی
 اپنی ایک ایک دُعا دنیا میں ہی قبول کرالی مگر میں نے اس کو قیامت کے دی
 تک مؤخر کر دیا ہے۔ میں اپنی امت کی بخشش کے لیے استعمال کروں گا۔ (۲۰)
 وَهِيَ نَافِلَةٌ لِّلَّذِينَ شَكَاهُ اللَّهُ مِنْ أَهْلِي لَعَنَ اللَّهُ فِتْرَةَ بَالِغِ شَيْئَا
 اور میری وہ دُعا اور سفارش میری امت کے ہر اُن شخص کو پہنچے گی جس نے اللہ
 کے ساتھ شرک ڈکھا ہوگا۔ شرک، کفر، منافق، مرتد، زندقہ اور محمد حضور علیہ السلام
 کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ بہر حال فرمایا کہ آسمانوں میں بہت سے فرشتے
 ہیں جن کی سفارش کارگر نہیں ہوتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اُنی شخص کے
 حق میں جس پر وہ لافنی ہو۔

کہے ارشاد ہوا ہے إِنَّ الَّذِي لَا يُؤْمِرُكُمْ بِالْإِخْوَةِ كَيْسُ سَوِّءٍ
 الْمَلَائِكَةُ مُتَجَبِّئَةٌ أَلَا تَنْظُرُونَ شُكَّ وَهُوَ لَوْ جِئْتُمْ بِرِغْمٍ نَّهَيْتُمْ
 وہ فرشتوں کے عہدوں جیسے ہم کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ منکرین قیامت کو دل
 فراتیں کرتے ہیں مثلاً یہ کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اُن کی ماںیں جننیاں ہیں۔
 گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ ثابت کیا ہے۔ فرمایا یہ ایسی
 فضول باتیں کرتے ہیں حالانکہ وَمَا كُنْتُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ بَلْ كُنْتُمْ بِلَاغٍ

منکرین قیامت
 کی ٹھوس

وَلَسَوْفَ يَرَىٰ ذَٰلِكَ الْحَيَوَةُ الدُّنْيَا أَوَّيْحًا
 اور وہ کیا اگر موت دنیا کی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص موت دنیا کا طالب ہے
 اور آخرت کی کچھ فکر نہیں رکھتا وہ آپ اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دیں بلکہ اسے
 اس کے مال پر غور کریں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: **يَعْلَمُونَ فَلَا هِزَانَ لَهُمُ الْحَيَوَةُ الدُّنْيَا**
مِنْ الْآخِرَةِ اُن لوگوں کا مبلغ علم یہی ہے یعنی اُن کے علم کی پہنچ صرف دنیا کے
 حصول تک ہی محدود ہے اور آخرت کی انہیں کچھ فکر نہیں۔ **سورة الروم میں**
يَعْلَمُونَ فَلَا هِزَانَ لَهُمُ الْحَيَوَةُ الدُّنْيَا
وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفِلُونَ (آیت ۷۰) کہ یہ لوگ دنیا کی ظاہری
 زندگی کو ہی جانتے ہیں کہ اُن کو کیسے حاصل کرنا ہے اور اس سے کیسے فائدہ
 اٹھانا ہے، یہ لوگ آخرت کی دائمی زندگی سے بالکل غافل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں
 کہ **إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا عَلَيْنَا بِنِعْمَتِ رَبِّنَا**
أَلَّا نَمُوتَ (جہ ۱۴) ہماری یہ دنیا کی زندگی ہی ہے، اسی میں ہم نے مرنا اور اسی میں
 جینا ہے، اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ مطلب یہی ہے کہ اُن کے
 ہاں آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے حدیث شریف میں آئے ہے **الدُّنْيَا دَاغٌ مِّنْ**
لَّدَاغٍ کہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا آخرت میں کوئی گھر نہیں۔ **وَمَا لَئِنْ**
مُنَى لَّا مَالٌ لَهُ اور دنیا کا مال اُس شخص کا مال ہے جس کا آخرت میں کوئی گھر
 نہیں۔ **وَيَجْمَعُ مَن لَّا عَقْلَ لَهُ** اور اس مال کو ہی جمع کرنا ہے۔
 جو عقل سے محروم ہے۔ ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کی یہ دعا بھی منقول
 ہے **اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا آلَ بَنِي هَيْمَانَ وَلَا مَبْلَغَ جُلُوسِ**
وَلَا غَايَةَ رَحْبَتِنَا اے اللہ! صرت دنیا کو ہی ہمارا بڑا مقصد نہ بنا، اور
 نہ ہمارا مبلغ علم کہ اس کی پہنچ دنیا تک ہی محدود ہو اور ہماری انتہائی غرض بھی دنیا
 ہی نہ بنے۔

هَمُّ الْمَعَاشِ وَهَمُّ الْمَعَادِ میں کے لیے وہ قسم کی فکر ضروری ہے۔ یہی فکر معاش اور فکر معاد۔ گریبا ایک سر میں شخص کو دنیا کے لذات کی بھی فکر ہونی چاہیے اور آخرت کی زندگی کے لیے بھی ترشہ تیار کرنا چاہیے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن پاک میں نیاک لوگوں کی دعا بھی یہی سکھائی گئی ہے

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ - ۲۰)

میں پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بہتری عطا کر۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح آخرت کی فکر ضروری ہے، اسی طرح دنیا کو بھی فکر کرنا کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ ایسا کرنا قرر بہانیت ہے جس کی اجازت نہیں دی گئی۔ مگر ساتھ یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو ہی اپنا مستقبل مقصود نہ بنائے جیسا کہ آج کل ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے پیش نظر صرف فکر معاش ہے ان کی سوچ تعلیم، غنیمت، ٹیکنالوجی سب کچھ دنیا کی بہتری کے لیے ہے۔ اور آخرت کا تصور نہیں ہے۔ ان کی ساری تگ و دو نفسانی خواہشات کے لیے بہود و لعب اور عیش و آرام کیلئے ہے اِنَّ النَّفْسَ الْاَمَّارَةَ بِالسُّوءِ (روم ۴۱) انسان کا نفس قرآن سے بھائی پر ہی آمادہ کرتا ہے اور یہ لوگ اسی نفس کے چپھے گئے ہوئے ہیں۔ بھلا ان کو آخرت کی فکر کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر آخرت کی فکر کریں گے تو عیش و عشرت اور دیگر نفسانی خواہشات کو ترک کرنا پڑے گا۔ مگر یہ اس کام کے لیے تیار نہیں ہیں۔

گمراہی
بہانیت

فرمایا آپ ایسے لوگوں کی طرف دھیان نہ کریں جو ہماری یاد سے غافل ہیں اور صرف دنیا کی زندگی کے طالب ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ هُمْ عَنْ سَبِيلِهِ بے شک تیرا بہود و گمراہ خوب جانتا ہے۔ اُس شخص کو جو اُس کے راستے سے گمراہ ہوا فَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدٰی اور وہ اس شخص کو بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے، اور وہ ہر شخص کو اس کے عقیدے

عمل کر دیا اور استحقاق کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔ وہ کسی کی نیکی ضائع نہیں
 کئے گا اور کسی مجرم کو سزا دینے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ آپ اطمینان رکھیں اور
 اپنا کام کرتے جائیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ
 اَسَاءُوْا وَيَمَآعِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحَسَنٰٓى ۝۳۱
 الَّذِيْنَ يَحْتَنِبُوْنَ كَثِيْرَ الْاَثَمِ وَالْفَوَاحِشِ اِلَّا اللَّمَمَ
 اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذَا نَشَاكُمْ
 مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذَا نَسْتَرٰۤجِدُّۃًۢ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ
 فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اَتٰى ۝۳۲

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ ہے
 آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں، تاکہ وہ بدلے سے
 ان لوگوں کو جنہوں نے برائی کی ہے اُس کا جو انہوں
 نے عمل کیا۔ اور تاکہ بدلے سے ان لوگوں کو جنہوں نے
 اچائی کی ہے بھلائی کے ساتھ ۳۱ وہ لوگ جو بچتے
 ہیں کیرے گناہوں اور بے حیائی کے باتوں سے مگر کچھ
 آلودگی۔ جھک تیز پردہ بستر وسیع مغفرت والا
 ہے۔ وہ جانتا ہے تمہارے حالات جب کہ اُس نے
 تم کو پیدا کیا ہے زمین سے اور جب تم بچے تھے
 ماؤں کے پیٹوں میں۔ پس نہ اپنا تزکیہ کرو۔ وہ بستر
 جانتا ہے اس کو جو حقوے والا ہے ۳۲

سورۃ کے ابتدائی حصہ میں زیادہ تر رسالت کا ذکر ہوا۔ پھر توحید کا اثبات

اور شرک کا ارتداد اس کے بعد جانے عقل کا بیان ہوا۔ اشر نے بھی اور برائی کا حصول بیان فرمایا۔ پھر اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ جو لوگ خدا کی راستے سے اعراض کرتے ہیں آپ اُن کی طرف زیادہ دھیان نہ کریں کیونکہ اُن لوگوں کا مقصد محض دنیا کی زندگی ہے اور اُن کا مبالغہ علم ہی ہے۔ اشر تعالیٰ نے اُن کو ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

اب ارشاد ہوتا ہے قَوْلِهِ عَنِ السَّمَوَاتِ وَكَانَ الرَّحْمَنُ اَشْرِي کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ ہر چیز اُسی کی ملکیت اور اُسی کے تصرف میں ہے۔ اُس نے کائنات کا یہ سلسلہ بیکار محض پیدا نہیں کیا بلکہ اسے کمال حکمت کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور اس کا ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ اشر نے انسان کو خود مختار نہیں بنایا بلکہ وہ احکام الہی کا پابند ہے۔ لہذا اشر تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ ہر شخص سے باز پرس کرے کہ اُس نے دنیا کی زندگی اُس کی عہدیت میں گزار لی ہے یا وہ شرعیہ ہدایت پر چل رہا ہے۔ یہی محاسبہ اعمال ہے اور اسی پر اشر تعالیٰ ہر شخص کے حق میں جزا یا سزا کا فیصلہ کرے گا۔ تو اشر نے ارض و سما کی تخلیق کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے وَيَجْنِي حَى الَّذِيْنَ اَتَتْ اَنْوَارًا يَسْعَوْنَ تاکہ اشر تعالیٰ برائی کا ارتکاب کرنے والوں کو اُن کے مجسمہ اعمال کا بدلہ دے وَيَجْنِي حَى الَّذِيْنَ اَحْسَنُوا بِالْحُسْنٰی اور جنہوں نے نیکی کے کام کیے ہیں اُن کو اچھائی کے ساتھ بدلہ دے۔ مطلب یہ کہ اشر نے کائنات کو بے سود نہیں پیدا کیا بلکہ ہر نیکی اور برائی کا نتیجہ ظاہر ہونے والا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اشر نے فرمایا ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق اور مومن راستہ کے اول و اول میں صاحب عقل لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور صاحب عقل لوگ وہ ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے پڑنے پر ہر دھار کو یاد کرتے ہیں اور ارض و سما کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کے بعد کہتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا قَاتِلًا (۱۹) پھر دھار۔ یہ سب کچھ تو نے بیکار محض پیدا نہیں کیا، بلکہ اس کا کوئی غایت ہے۔ البتہ کافروں کا خیال یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام ایسے ہی پیدا کر رکھا ہے

جسے عقل

اور اس طرح چلتا ہے گا، اس کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی نتیجہ برآمد ہونے والا ہے
 مگر کوئی بھی سلیم الغفرت انسان کا رفاۃ قدرت کو یہ مقصد نہیں کہہ سکتا۔ انسان غور
 فکر کر لے تو اس میں تجربہ پہنچے گا کہ انہی کے اعمال کا بدلہ اسے ضرور دیا گیا اور اسی کو جنت و نخل
 کہا گیا ہے جس کا ذکر قرآن نے بار بار کیا ہے اور اسی کی تیار رہی کے لیے انسان کو زندگی
 کا کام عمل دیا ہے تاکہ وہ نیکی کے کام انجام دے کر آخرت میں اچھا بدلہ پاسکے، اور
 اللہ تعالیٰ کے خدا ہی کے۔

معاذی اللہ
 قاری

اُن کے نیک لوگوں کی ایک خاص صفت بیان کی گئی ہے جس کے نتیجے میں
 وہ اللہ کے ہاں اچھے بابے کے حصار میں گئے۔ فَسِرُّوا أَلَدِينَ يَحْذَرُونَ
كَيْبَنِي الْأَذَى وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّعَمَةَ وہ لوگ جو کبیرے گت ہوں
 اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، سوائے معمولی اکردگی کے۔ اسی کو شریعت
 کی اصطلاح میں۔ مَنَافِعُ کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں
 سے بچ جاتے ہیں، البتہ کچھ چھوٹی چھوٹی خطاؤں کی آلودگی رہ جاتی ہے۔ تو
إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ تو تیرا پروردگار بہت وسیع مغفرت کرنے
 والا ہے، وہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کو خود ہی معاف فرمائے گا۔ کیونکہ هُوَ
أَعْلَمُ بِكُمْ وہ تمہارے حالات کو خوب جانتا ہے۔ وَإِذَا أَنْتُمْ قَرْنَ
الْأَرْضَ جس جب کہ اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے۔ وَأَنتُمْ أَجْنَتُمْ
فِي بَطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ اور جب تم اپنی ماؤں کے بیٹوں میں بچے کے طور پر پیدا ہو
 پائے تھے ظاہر ہے کہ انہیں ان کی اور اللہ کے نبی حضرت آدم کی تخلیق اللہ نے سچی
 سے فرمائی اور پھر راقی مخلوق کو سلسلہ تناسل کے ذریعہ پیدا کیا۔ ہر انسان کی خوراک
 آج، پھل، سبزیاں وغیرہ زمین سے پیدا ہوتی ہیں جو انسان کی خوراک بنتی ہیں پھر
 خوراک سے انسان کے اندامہ تولید پیدا ہوتا ہے، اور پھر اسی مادہ تولید سے
 انسانی نسل آگے بڑھتی ہے، تو اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی تخلیق سچی سے
 ہوئی ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہاری پیدائش کے مادہ کو بھی جانتا ہوں اور تمہاری

اس حالت کو بھی جیب ترم اپنی ماٹوں کے پیڑوں میں پھونک پاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خودی کو تمہاری خوراک بنالیا ہے۔ پھر جیب دنیا میں آتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری خوراک اور دوسری ضروریات زندگی کا انتظام فرماتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری زندگی کا کوئی گوشہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں اگر تم بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری چھٹی چھٹی خطائیں معاف فرمائے گا۔ کیونکہ وہ بڑا کرم مند ہے۔ اس ساری یاد دہانی کا مقصد یہی ہے کہ تمہیں تمہارے حقانہ اعمال کا حساب ایک دن چکانا ہے، لہذا گناہوں اور لغزشوں سے بچ کر اللہ کی مغفرت کے حقدار بن جاؤ۔

کبار سے بچنے والے لوگوں کے صفات کی معافی کا قانون اللہ نے سورۃ النساء میں بھی بیان فرمایا ہے اِنْ تَجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّمَّا سَأَلْتُمْ عَنِ النَّاسِ فَكُنْتُمْ عَنِ كَثِيرٍ سَيِّئَاتٍ كُفْرًا (آیت ۳۱) اگر تم کبار سے بچتے رہو گے تو ہم تمہاری چھٹی چھٹی خطائیں معاف کرتے رہیں گے ان کی خطا کو بھلا ہے، اس سے کوئی ذکر کوئی غلطی سرزد ہوتی ہی رہتی ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ بڑے گناہوں سے بچ جاؤ کی صورت میں چھوٹے گناہوں کو ہم از خود معاف کر دیں گے۔ سورۃ ہود میں ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّرَّاتِ (آیت ۱۱۴) بے شک ان کی نیکیاں اُس کی برائیوں کو دھو کر دیتی رہتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب کوئی ایماندار آدمی دھو کے بے آفتاب دھوئے ہے تو اس کے باغیوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جب منہ دھوئے ہے تو منہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس جب پاؤں دھوئے ہے تو پاؤں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب ناز چھوئے ہے، نیچا کے دو سٹر کا کام کرتا ہے تو صفا تر معاف ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ آدمی پاک ہو جاتا ہے بشرطیکہ کبار سے بچتا ہے، اس کے علاوہ معافی کا کوئی قانون نہیں بلکہ گرفت ہوگی۔ اگر کبار سے نہیں بچا تو صفا تر پر گرفت ہونے کا بھی خطرہ ہے اور کبار کی معافی تو بڑے بڑے جیسے اللہ

کافران ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوا وَآمَنُوا وَاتَّبَعُوا مَا نَزَّلْنَا مِنْکَ الْکُتُبُ عَلَیْہُمْ سِرًّا (البقرہ ۱۶۰) جو لوگ توبہ کر کے اپنے اعمال کو درست کرتے ہیں۔ اور احکام الہی کو احسان سے مانع نہیں کرتے ہیں تو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں میں ان کے گناہ معاف کر دیتا ہوں

کہا کہ کائناتِ حقیر پر حق تعالیٰ کے حقوق العباد دونوں کے ساتھ ہے۔ مگر انسان کے دل سے توبہ کر کے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق اللہ سے متعلق گناہ معاف کر دیتا ہے البتہ حقوق العباد سے متعلق گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک خود صاحب حق معاف نہ کرے۔ یا کہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر اللہ نے جہنم کی وعید سنائی ہے، یا جس گناہ پر کوئی حد جاری ہوئی ہے، جیسے شراب نوشی، زانیہ کی آکر، قتل وغیرہ۔ یا ایسا گناہ بھی کہیرو کی فرست میں آتا ہے۔ جس کے مرتکب پر لعنت کی گئی ہے، جیسے فرمایا لَنُفِیَنَّ عَنْکَ الْکُذِبَ یٰۤاٰدَمُ (۱۶) جس گناہ پر اللہ نے اپنی نافرمانی کا اظہار فرمایا ہے یا جس پر خدا تعالیٰ کے غضب کی وعید آئی ہے، وہ بھی کبیرہ گناہ شمار ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ گناہ میں وہ شدت نہیں ہوتی جو کبیرہ میں ہوتی ہے، البتہ اس میں خرابی کا کچھ مظہر ہوتا ہے جس سے آگے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ میں ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے نتیجے میں سزا آتی ہے اور دوسری طرف اس سے ارتقا کا خراب ہوتے ہیں، دنیا میں اسبابِ معیشت بگڑ جاتے ہیں، اخلاق خراب ہوتے ہیں اور پھر معاشرہ بگڑ جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے گناہ گار آتی ہے، یہ ایسی نحوست ہوتی ہے کہ جس سے انسان اور جانور یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں یہی فساد فی الارض ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کافران ہے وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ زَیْنِہَا وَحَکْمِہَا (الاعراف ۸۶) زمین کی اصلاح بھی جاننے کے بعد اس میں فساد نہ پکڑو کہ اس سے ہر چیز بگڑ جاتی ہے جس پر صلی اللہ علیہ وسلم

حالتِ اسلامیت اور انکسار کو بہتر جانتا ہے۔ حضرت امجدِ اُمّت سے روایت ہے کہ حضور
 علیہ السلام نے فرمایا اَلْحَقُّ اَنَّ اَلْاِسْلَامَ بِفِي وَجْهِهِ وَالْمُشْرِكِيْنَ تَعْرِيفٌ كَرِهَ اِلَيْهِ
 كَيْ مَشْرِئِمْ اَلْحَقُّ اَنَّ اَلْاِسْلَامَ بِفِي وَجْهِهِ وَالْمُشْرِكِيْنَ تَعْرِيفٌ كَرِهَ اِلَيْهِ
 ہم دیکھ سکتے ہیں کہ امیرِ مومنین اور علمِ دین کی اُن کے حاشیہ پر اگر کوئی توضیح
 کرتے ہیں اُن کو پاس سے پیش کیے جاتے ہیں جو میں زمین و آسمان کے قلوب
 ملائے جاتے ہیں، آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ہاں اگر کچھ میں کوئی غلطی ہے
 تو اُسے قطعیت کے ساتھ مسترد یاں کرو، بلکہ یوں کہو کہ میں انھوں شخص کے پاس
 یہ گمان کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ ہی اُس کے لیے کفایت کرنے والا ہے۔ پس فرمایا
 فَلَا اَرْكَبُ عَلَيْكَ اللّٰهَ اَحَدًا مِّنَ الشِّرْكِ سَلَمَةً لِّىْ كَا تَذَكِّرُ كَرِهَ اِلَيْهِ
 حیات نہیں ہوں۔ اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ڈرا دینا چاہیے کہ ہم تو اچھا گمان
 کرتے ہیں۔ اہم شرعی بہتر جانتا ہے۔

اُن جس کی غلطی کے متعلق قطعی یقین ہر ایک کی تعریف کا اثر نے حکم
 دیا ہے، اُن کی تعریف کی جاسکتی ہے۔ ایسے معاملہ میں بھی مبالغہ آرائی سے منع
 کیا گیا ہے۔ صرف حقیقت بیان کرنے کی اجازت ہے۔ خود حضور علیہ السلام
 نے اپنی ذات کے متعلق فرمایا لَا تُطْرُقُنِيْ فِيْ صَحْبِكَ اَطْرَقَتِ النَّصَابَةُ
 جیسی ابنِ مَسْنُونِہ کو اگر امیرِ تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے
 حضرت جیلانی ابنِ مریم علیہ السلام کے متعلق اختیار کیا۔ انہوں نے مسیح علیہ السلام
 کو الوہیت کا درجہ دیکر خود کافر اور مشرک بن گئے میرے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا
 رَفِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُولَهُ مِّنْ تَوَسُّعٍ كَا نَبَدِ اِسْ كَارِ حَمَلٍ ہوں، تم بھی
 مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہو۔

فرمایا اپنا تذکرہ مست کرو وھُوَ اَعْلَمُ دَعْنِ اَلْفَقِيْ وَخُوب جانا
 ہے اُس شخص کو جو تقویٰ والا ہے۔ اگر اللہ نے کسی اچھے کام کی توفیق
 دی یا کوئی غلطی رکھ دی ہے تو اُس پر اترا آنا نہیں چاہیے۔ اپنے آپ کو

ایک نئی جہت پر غور کرنا چاہیے کہ
 اس کے لئے کیا اقدامات چاہئے۔

النجم ۵۳

آیت ۲۲ ۲۳

قال فاعطیکم ۲۴

دری ششم ۶

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۖ وَاعْطَى قَلِيلًا وَأَكْدَى ۚ أَعِندَهُ
 عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَى ۚ ۲۵ أَمْ لَمْ يُدَبِّأْ بِمَا فِي
 صُحُفِ مُوسَى ۖ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ۚ ۲۶
 أَلَمْ تَرَ وَازِدَةً وَزَرَ أُخْرَى ۚ ۲۷ وَأَنَّ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ
 إِلَّا مَا سَعَى ۚ ۲۸ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرى ۚ ۲۹ ثُمَّ
 يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى ۚ ۳۰ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۚ ۳۱

ترجمہ: کیا آپ نے دیکھا ہے اُس شخص کو جس نے سہ
 پھر یا ۲۵ اُس نے غمراہا سا دیا اور بہت سنت نکلا ۲۶
 کیا اُس کے پاس غیب کی خبر ہے، پس وہ دیکھ
 ہے ۲۷ کیا اُس کو نہیں پہنچی وہ خبر جو موسیٰ علیہ السلام
 کے صحیفوں میں ہے ۲۸ اور ابراہیم علیہ السلام کے
 صحیفوں میں ہے جنہوں نے پتا توں پڑا کیا ۲۹ درخشا
 کہ نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ ۳۰
 اور یہ کہ نہیں انسان کے لیے مگر وہ جو اُس نے کہا ۳۱
 اور جھک اُس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی ۳۲
 پھر اُس کو بدلہ دیا جائے گا پورا پورا بدلہ ۳۳ اور جھک
 تیرے پھر نگار کی طرف ہی سب کی انتہا ہے ۳۴

اس سورۃ مبارکہ میں نبوت و رسالت کا ذکر ہوا۔ پھر شرک کی تردید ہوئی۔

ربطیات

دوبارہ میں آجاتی ہے اور برائی سخت ہوتی ہے کہ اس کا ارتجاع ممکن ہو گیا ہے۔ تو یہاں پر آگاہی کا معنی ہی کیا گیا ہے، اور سخت نکلا معنی ایمان لانے میں بڑا سخت ثابت ہوا۔ فرمایا أَعَدَّ اللَّهُ عَلَیْكَ الْعَذَابَ فَهَوَّ قَرَّیٰ کیا اس کے پاس عذاب کی کوئی خبر ہے، اسے وہ دیکھ رہا ہے ایمانی وہ اس عذاب کی بناء پر مجھ سے کہنے لگا اور شرک کی منرا نہیں ملے گی، لہذا وہ اس پر اڑا ہوا ہے۔ بشر کوئی کہ اس ہٹ دھرمی کو اشر نے اسی کی سنگدلی سے تعبیر کیا ہے۔

صالحین مومن
اور ابراہیم
علیہ السلام

فرمایا أَعَدَّ اللَّهُ یُفَعِّلُ مَا یُفَعِّلُ خُصُوفَ مُوسٰی کیا اس کو نہیں پہنچی وہ خبر جو موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے وَرِیٰضِ یَسْرَ الَّذِیْ وَفِیْ اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی ہے جنہوں نے اپنے قول کو پورا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو قرآن شریفے تو رات میں عظیم کتاب عطا فرمائی، ہر کتاب ہے کہ کلمات کے علاوہ آپ کو صحیفہ رحمت بھی ملے ہوں، یہی کا ذکر اللہ نے سورۃ الاعراف میں بھی کیا ہے إِنَّا هَذَا الْكِتَابَ الَّذِیْ نَزَّلْنَاهُ خُصُوفَ یَسْرَ یَسْرَ وَفُتُوحَ یَسْرَ بات پہلے صحیفوں میں بھی ترجمہ ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کلمات کے مختلف ابواب کو ہی مختلف صحائف سے تعبیر کیا گیا ہو جیسے قرآن کریم کی ہر صورت ایک مکمل صحیفہ ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے اپنے قول و افکار کو پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہر جملہ نہایتی کو پورا کیا اور اشر کی طرف سے آنے والی بڑی سے بڑی آزمائش میں مجھ پورا اترے، اور انہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر ہر مطلوبہ قربانی پیش کی، مفسرین فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قلب کو جوشہ رحمان کے لیے صاف رکھا، اور ان کا قلب کیم ہر وقت خدا تعالیٰ کی یاد سے سیرجہ رہتا تھا۔ ان کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ ان کی کمال ہمیشہ مہمانوں کی خدمت کے لیے وقف رہتا۔ شاید ہی کوئی ایسا وقت ہوگا جب وہ کسی مہمان کے ہمراہ کھانا نہ کھاتے ہوں پھر جب امتحان کا وقت آیا تو آپ نے اپنے کو ان کی سپرد کرنے میں بھی ذرا غافل نہ کیا، بلکہ جب جبرائیل اور میکائیل نے ان کی پیشکش

کی تو آپ نے اُسے بھی مقبول نہ کیا اور فرمایا کہ مجھے تصدیق مدد کی ضرورت نہیں میری ضرورت جس کی طرف ہے وہ بھرنی جانتا ہے۔ میں ابراہیم علیہ السلام کا انحصار اور وفاداری حتیٰ جس کے متعلق یہاں فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے قول یا عہد کو پورا کیا فرمایا کیا تجھے وہ بات سچی ہے جو موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں

لکھی ہوئی ہے؟ اور وہ یہ بات ہے اَلَا تَرٰ کَانَزِلَہٗ فَاَنْزَلْنَا اَخْرٰی کَ کَوفًی اور وہ ایسا اٹھنے والا کسی دوسٹر کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اسلام کی طرف رغبت کرے اور وہ ایسا لانے کے قریب ہو تو بڑے بڑے کافرا دوسٹر کہ اس کو باز رہنے کی تلقین کرتے اور

کہتے کہ تم اپنے دین پر قائم رہو اور اہل ایمان کے بقول اگر تم ہر کوئی تجھ کو لازم آیا تو اس کا بوجھ ہم اٹھائیں گے۔ بعض اوقات وہ اس خدمت کے لیے کچھ مال بھی وصول کر لیتے تھے مگر اللہ نے اس باطل نظریے کا رد فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ ساتھ صحائف میں یہ بات درج ہے کہ کوئی ایک دوسٹر کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، حتیٰ کہ قریبی عزیز، رشتہ دار، باپ، بیٹا، ماں یا بیوی بھی ایک دوسٹر کے کام نہ آسکیں گے، اس سے تصدیق کے باطل عقیدہ کا بھی رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے سولی پر چڑھ کر ہمارا بوجھ اٹھایا ہے اور اب ہم آزاد ہیں۔

جو جادو ہے کرتے پھر اس، ہمیں کچھ فکر نہیں۔ جبری سفارش والا عقیدہ بھی ایسا ہی ہے کہ غلام نبی، ولی، پیر یا فرشتہ لازماً ہمیں چھڑائے گا، خواہ اللہ تعالیٰ رضی ہو یا ناراض۔ سورۃ العنکبوت میں اللہ نے کفار کا یہ واضح بیان نقل کیا ہے جو مومنوں سے کہتے تھے اِنَّہُمْ یَقُولُوْنَ سُبْحٰنَکَ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (۱۲۰) کہ ہمارے طریقے کا پیروی کرنے ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں، کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یہ بات اصولاً غلط ہے فرمایا یہ بھی یاد رکھو وَ اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَآہًا سِوٰی اللّٰہِ (۱۸۰) ہر انسان کو اللہ کی محنت

اس کے برخلاف امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ اور مجاہدؒ اور فقہائے کرام نے کہا ہے کہ یہی عبارت کا
 فائدہ بھی دوسٹر کے پیچھے ہے اور اس میں تلاوت قرآن پاک بھی شامل ہے۔ اسی طرح مرقہ
 غیرت، استغفار اور حج و عمرہ کا ثواب بھی پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ شفاعت کا
 عقیدہ بھی قائم ہے۔ حضور علیہ السلام اور دوسٹر کا جید، خمدار اور صالحین بھی شفاعت
 کریں گے جو اللہ کے ارادے سے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی عقیدہ ہوگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ
 اس آیت میں دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے یعنی بدلہ اور فضل فرماتے ہیں کہ اس آیت
 کا ظاہر تو بدلہ پر مبنی ہے اور بدلہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی پہنچ کائی کا
 بدلہ دے مذکورہ دوسٹوں کی کائی کا۔ البتہ فضل کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو کسی دوسرے
 کی نیکی کا فائدہ بھی پہنچے جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ لونا کو اُس کے والدین کی نیکی کی وجہ
 سے اعلیٰ درجے میں جگہ دے دی جائیگی۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس آیت میں چوتھ کا فزون کا ذکر ہو رہا ہے، اس لیے
 اس سے مراد یہ ہے کہ کافروں کو کسی دوسٹر کی نیکی کا فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ سزا اللہ
 میں موجود ہے یَوْمَ لَا يَنْفَعُ عَمَلٌ وَلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ (لَا مَنَ اَنَّى اللّٰهُ يَقْلِبُ
 سَيِّئَاتِہٖ) ﴿۸۹﴾ اس دن نہ مال فائدہ دے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں! جو شخص اللہ کے
 پاس قلبِ سلیم ہے کسبِ نیکی وہ نیکی جائیگا۔ مطلب یہ کہ اگر ایمان درست ہے
 تو اس سے فائدہ کی امید ہو سکتی ہے، مگر کفار کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اور
 ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص نیک کام کرتے وقت نیت کر
 سکے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کا ثواب غلوں کو عطا کرے، تو پھر نیکی کا یہ عمل کرنے والا
 دوسٹر شخص کا نائب بن گیا، اور اس طرح اُس کی نیکی کا ثواب دوسٹر کو پہنچ جائیگا
 ہاں! اگر نیکی کرتے وقت نیت نہیں کی، تو پھر اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اُس کا عمل منتقل ہو جاتا
 ہے مگر تین چیزوں کا فائدہ اُسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ فرمایا: ایک تو

صدقہ جاریہ ہے جو خود مرنے والا جاری کر گیا ہے، اس کا ثواب اُس کے گھنے کے بعد بھی حاصل ہوتا ہے گا۔ دوسری چیز علمِ نافع ہے کہ جب تک اُس کے جاری کرنے کا علم سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے، اس جاری کرنے والے کو بھی ہر بار ثواب ملتا ہے گا۔ تیسری چیز فرمایا **وَكُلُّ صَالِحٍ يَدْعُوْكَ نِيكَ** اولاد سے جو میت کیلئے دعائیں کرتی ہے، ان ڈعاؤں کا فائدہ بھی مرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔

امام ابو نعیم نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عیب دار کوں کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو وہ فرشتے بارگاہِ الہی میں عرض کرتے ہیں کہ **مردہ کریم**! تو نے ہمیں اس عیب بندے کے ساتھ مقرر کیا تھا، ہم اس کی نیکیاں لکھتے تھے، اب تو نے اُس کو قبض کر لیا تو ہمیں اجازت ہے کہ ہم زمین پر ہی رہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری زمین تو مخلوق سے بھری ہوئی ہے اور وہ لوگ میری تسبیح بھی بیان کرتے ہیں، مگر تم ایسا کرو کہ میرے اس بندہ عیب دار کی قبر پر چلے جاؤ، میری تسبیح، تحمید، تسمیل اور تحکیر بیان کرتے رہو جس کا ثواب قیامت تک میرے بندے کے نام پر اعمال میں درج ہوتا ہے گا یہ صرف عیب داروں کے لیے ہے، انہر ہر ایک کے لیے کہ وہ شکر کے عمل سے مستفید ہونے کے لیے ایمان کا رائج ہونا ضروری ہے۔

اس بحث کا حاصل یہ ہوا کہ ایصالِ ثواب کا انکار دوست نہیں مگر قرآن واجبِ اور سن میں کوئی شخص دوست کی نیابت نہیں کر سکتا، یہ عبادات تو ہر مسکن آدمی کو خود ہی ادا کرنا ہوں گی، البتہ دوست کے تعلق کا گیا ہے کہ اگر کسی کا روزہ رہ جائے تو اس کے کسی عزیز کی طرف سے روزہ رکھنے سے اسی کا روزہ ادا ہو جائیگا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد خیرِ ادا کرنا ہے۔ بزرگ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس طرح ادا کرو کہ فرضِ روزہ تو ادا نہیں ہوگا، لیکن اگر توفیق کے مال میں سے خیر دے دیا جائے گا۔ تو اسکے بعد سے فرض ادا ہو جائے گا۔ باقی ہر نفلِ روزے کا ثواب دوست شخص کو پہنچتا ہے۔ مولانا کاظمیؒ اور شاہ کشمیریؒ شریعہ بخاری میں لکھتے ہیں

کہ نفل روزے کا ثواب یقیناً پہنچتا ہے، البتہ فرائض واجبات اور سنتی کے لیے ہر شخص بذاتِ خود بردار ہے۔ چنانچہ احادیث کا مسلک یہ ہے کہ اپنی نفل عبادت خلتہ نفل حج، عمرہ، نماز، روزہ، صدقہ خیرات وغیرہ کا ثواب اگر دوسرے ملحق کر دینا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے البتہ دعا کے ثواب کے ترسیل سے ہی قائل ہیں۔ اور اس کا کوئی بھی اٹکار نہیں کرتا۔ نفل عبادت میں تلاوت قرآن بھی شامل ہے۔ مگر نام شافعی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نفل عبادت کا فائدہ دوسرے شخص کو نہیں پہنچتا کیونکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حکومت بہترین نفل عبادت ہے اور اگر کوئی شخص اس کا ثواب دوسرے کو بخشے تو اُمید ہے کہ اس کا فائدہ ہوگا۔ یہ ایصالِ ثواب کا مسئلہ بھی بیان ہو گیا۔

عقوبت کا
پہل

فرمایا: وَأَنْ سَعِيَّةً سَوَّيَّةً يَوْمَی اور ایک اللہ کی کرشمہ عنقریب دیکھیں جائے گی۔ دنیا میں وہ کہ کسی شخص نے جو کچھ بھی نیک کام کیا ہے یا کسی برائی کا ارتکاب کیا اگر وہ سب کچھ قیامت والے دن ظاہر ہو جائے گا۔ فَتَرَىٰ الْجَنَّةَ الْأَوْفَىٰ پھر اس شخص کو اس کی کائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ فرمایا، یاد رکھو! وَأَنَّ الْمَلَائِكَةَ الْمُصَوِّتَاتِ ہر ایک کی استغاثہ پر ہر گاہ کی طرف ہی ہے۔ اس دنیا کی زندگی کو پورا کرنے کے بعد ہر انسان کو اللہ کے دربار میں پہنچ کر حساب کتاب کی منزل طے کرنا ہے اور پھر اس کے مطابق ہر اچھے یا بُرے عمل کا بدلہ پاتا ہے۔ آخری فیصلہ دہیں ہوگا۔

قال فانظريكم

النجم ۵۳

درس ہفتم

آیت ۴۲ ۴۳

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى ۝ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ
وَأَحْيَا ۝ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝
مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ۝ وَأَنَّهُ عَلِيمُ النَّشَاةِ
الْأُخْرَىٰ ۝ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۝ وَأَنَّهُ هُوَ
رَبُّ السَّعَرَىٰ ۝ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۝ وَثَمُودًا
فَمَا أَبْقَىٰ ۝ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا
هُم أَطْلَمَ وَأَطَىٰ ۝ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ۝
فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ۝
هَذَا كَذِبٌ مِّنَ النَّذِرِ الْأُولَىٰ ۝ أَرْفَعِ الْآرِفَةَ ۝
لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝ أَفَمِنْ
هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ۝ وَلَتَضَعَكُونَ وَلَا تَكُونُونَ ۝
وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ۝ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۝

ترجمہ

ترجمہ اور ایک دہی ہے جو ہمارا اور ہمارا

ہے ۴۲ اور ایک دہی ہے جو موت طاری کرتا

اور جو زندگی بھٹاتا ہے ۴۳ اور ایک دہی ہے

جس نے پیدا کیا جوڑا جوڑا اور اور ہمارا ۴۴ ایک نظر

آپ سے جب کہ وہ ٹپکایا جاتا ہے ۴۵ اور ایک

اُمّی کے ذمے ہے دوسری دفعہ اٹھنا ۵۳ اور بیٹک دہی
 ہے جس نے مفتی بنایا اور محتاج بنایا ۵۴ اور بیٹک
 دہی ہے شعرائی کا پمدو دگار ۵۵ اور بیٹک دہی ہے
 جس نے جاک کیا ماد لڑائی کو ۵۶ اور ثمود کو ، پھر کسی
 کو باقی نہ چھوڑا ۵۷ اور قوم نوح کو اس سے پہلے ،
 بیٹک تھے وہ بڑے ظالم اور بڑے سرکش ۵۸ اور الٹ
 بستہ والوں کو بیٹج دیا ۵۹ پس ڈھانپ یا اُس کو اُس
 چیز نے جس نے ڈھانپ یا ۶۰ پس تم اپنے پمدو دگار
 کی کس نعمت میں شک کرو گے ۶۱ یہ ڈر سننے والا
 ہے پہلے ڈرنا لے والوں میں سے ۶۲ قریب آگئے
 ہے قریب آنے والے ۶۳ نہیں ہے اُس کو اللہ کے
 سوا کوئی کھول کر دکھائے والا ۶۴ کیا اس بات سے
 تم تعجب کرنے ہو ۶۵ اور ہنسنے ہو اور مہلے
 نہیں ۶۶ اور تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو ۶۷
 پس سجدہ کرو اللہ کے سامنے اور عبارت کرو اُسکی ۶۸

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید، رسالت اور معاہدہ کو اٹھ ہی بیان
 کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے اشارتاً ان لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے
 جن کو اُن کی سرکشی کی بنا پر جاک کیا گیا۔ ایمان سے گریز کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی
 ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ جزائے عمل لانا واقع ہونے والی سب اہم شخص
 کو اپنا اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا۔ ہر ایک اور بدی کی جواب دہی کتنا ہوگی۔ کسی کی برائی کسی
 دوسرے کے ذمے نہیں لگائی جائے گی۔ اگر کسی شخص نے خود ایمان قبول نہیں کیا
 اور نہ ہی کسی کو ایمان دیا ہے تو اسے دوسرے کی بچہ مفید نہیں ہوگی۔ انسان کی سچی گرفتار رب
 دیکھا جائے گا۔ ہر ایک کو پمدو دگار کے سامنے حاضر ہونا ہے اور پھر ہر ایک

کو اس کی کارگزاری کا پورا پورا ہند ہے گا۔ اب انہیں اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا ذکر ہو رہا ہے جس سے کہیں اور وقت قیامت کی بات سمجھ میں آتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَأَنَّهُ هُوَ أَفْضَلُ وَأَبْنَىٰ اور چٹک اللہ تعالیٰ کی وہی

متضاد
چیزوں کا
خالق

ذات ہے جو ہمارا آلودہ رونا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر تم بھی اُن چیزوں کو دیکھتے ہیں کہیں دیکھتا ہوں تو یقیناً تم دوستے زیادہ اور ہشتے کم۔ لیکن چونکہ وہ چیزیں تم سے بدو غیب میں ہیں اس لیے تم انہیں بھی گن گنتے ہو۔ ہمارا اور دنیا امر طبعی میں سے ہے، یہ حالت اللہ کے بغیر یہ بھی طاری ہوتی تھی البتہ قہرہ لگا کر ہمارا خلقت کی نشانی ہے۔ اگر کوئی شخص نماز کے دوران قہرہ لگا کر نہیں پڑا ہے تو اس کی قدر خاسر ہو جائے گی اور دوسری ٹوٹ جائے گا۔ البتہ غم میں مسکرا جائز ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ السلام کے صحابہ کبھی ہشتے بھی تھے، تو آپؐ نے فرمایا ہاں، مگر اُن کے دلوں میں ایسا سا دل سے بھی زیادہ مضبوط تھا اور ان میں خلعت نہیں پیدا ہوتی تھی۔

پھر فرمایا وَأَنَّهُ هُوَ أَمَّاكَ وَأَخِيَّ اور چٹک وہ وہی ذات ہے

جو موت طاری کرتا اور زندگی بخشتا ہے۔ وَأَنَّهُ خَلَقَ الذَّكَاءَ وَالْأُنثَىٰ اور چٹک وہ وہی ذات ہے جس نے جڑا اور پید کیا ہے مین ذرا اور اللہ نے جہاں ہرگز چیزوں کو متضاد اور متقابل شکل میں پیدا کیا ہے، جیسے غیر و مضر کا خالق بھی وہی ہے، اور خوشی اور غمی بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ یہاں انسان کے متعلق فرمایا کہ اُسے نرا مادہ کی شکل میں پیدا کیا، آہم جائزوں کی بھی یہی مشورہ حال ہے، وہ بھی نرا مادہ پیدا ہوتے ہیں حتیٰ کہ اشیاء اور نباتات میں بھی اللہ نے کسی حد تک جنسی تفریق قائم کی ہے۔ غرضیکہ ان تمام متضاد چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

پھر فرمایا کہ انسان کو جڑا اور پید کیا مِنْ طَلْقَةٍ إِذَا تَمَنَّىٰ ایک قطرہ آب سے جب کہ وہ چٹکایا جاتا ہے۔ یہ قطرہ آب مختلف مراحل میں سے گزر کر

ثواب و عتق غنص کو پہنچاتا ہے۔ مولا علیؑ اور شاہ کبیرؒ شریعہ بکادی میں لکھتے ہیں

انسانی صورت میں اس دنیا میں آئے۔ ان لوگوں کے مراحل کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے۔ قطرۂ آب غریب میں تبدیل ہر کتاب جس میں ایک بچے کا عرصہ گناہ پھر وہ ستر چلے میں غریب سے گزشت بنتا ہے۔ پھر وہ ان کا دل سانچے حیدر ہونے میں غریب ایک چلے گناہ ہے۔ پھر اس میں ٹہریاں پیدا ہوتی ہیں، ان پر گزشت چلے گناہ ہے اور اس طرح ایک مکمل انسان بن جاتا ہے۔ پھر وہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔ دنیا میں آکر بچپن کے دور سے گزر کر جوانی میں قدم رکھتا ہے اور پھر کچھ عرصہ بعد اس پر برہنہ پانے گناہ ہے حتیٰ کہ ایک دن ایسا بھی آتا ہے جب اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ تو یہ سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے، انہی کے خزانہ کے مطابق انسان یہ سارے اور گزرتا ہے۔

فرمایا جس اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں ایک قطرۂ آب سے انسان کی تخلیق کی۔
وَأَنَّ عَلَيْنَا النُّشَاطَةَ الْآخِرَىٰ دُورِہ اٹھانا بھی انہی کے فہم ہے۔ جب قیامت کا دن آئے گا تو وہ سب کو زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے گا اور جس طرح انسان کی پہلی پیدائش اللہ تعالیٰ نے کی تھی، اسی طرح اُسکو دوبارہ اٹھانا بھی انہی کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ وہ اپنا وعدہ پورا کرے گا، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور پھر ہر شخص کے لیے جزا یا سزا کے فیصلے ہوں گے۔ اس سے بعد کا مسئلہ بھی کچھ میں آگیا۔

پھر فرمایا وَأَنَّہُ هُوَ الْغَفِيُّ وَأَقْنٰی اور خدا تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے جس کو چاہا غنی بنا دیا اور جس کو چاہا محتاج بنا دیا، مطلب یہ ہے کہ جب خالق وہی ہے تو روزی وصال بھی وہی ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے وافر عطا کر کے غنی بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم سے کم عطا کر دیتا ہے۔ اللہ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا۔ نہ تو شکل و صورت بالکل ایک جیسی ہے اور نہ وہ عقلی و قلبی اور جسمانی قوتیں یکساں ہیں۔ ہر انسان کے اعمال میں بھی تفاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قول ہے إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ (الزلزال - ۴) بے شک تمہاری کوششیں ہر طرح کی ہے۔

بھی ناراض تھے مگر باوجود انہوں نے لایا پلٹ دی اور وہ بھی ایمان کی دولت سے محروم ہو گئے۔
 غزوی ستائیس کے متعلق ماہرین تعلیمات کی تحقیق ہے کہ یہ سارہ سورج سے
 ہیں چڑھ کر آ رہے ہیں۔ مصر کے مصر طغیانی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے سارہ
 نظام شمسی سے باہر ہے اس لیے دور پہنے کی وجہ سے سورج سے چھوٹا نظر آتا
 ہے۔ بہر حال انہوں نے غزوی کی روایت کی تردید کی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے بعض نافرمان قوموں کی سزا کا ذکر کیا ہے۔ وَأَنذَرْتُ
 أَهْلَكُكَ عَادَ وَالْأَمُورِ اور بیشک انہی انہوں نے عداوت کی کرچا کیا وَفَعَلُوا
 اور قوم ثمود میں حادثہ کیا انہی نے اس طور تباہ کیا فَكَحْنَا آبَهُمْ كِرَالٍ میں کوئی بھی
 زندہ نہ بچا۔ یہ دونوں قومیں سامی نسل میں سے تھیں۔ عادین کے اطراف میں آباد تھے
 جبکہ ثمود وادی جرک سے ہے کہ وادی قرطام پہلے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بڑے
 متمول و طاقتور اور کامیاب تھے۔

پھر فرمایا وَقَوْمٌ نُّوحٍ قَبْلَ آدَمَ ہیں سے پہلے قوم نوح کو بھی انہوں نے
 چاک کیا۔ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْفَى یہ لوگ بڑے ہی ظالم اور سرکش
 تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام سیکڑوں سال تک قوم کو انہوں کا پیغام سناتے رہے۔
 جس کی تفصیل سورۃ نوح میں موجود ہے۔ انہوں نے دن، رات، خلوت، جلوت،
 کیکے کیکے، مجبوری طور پر نرمی اور نرمی سے، مردوں اور عورتوں کو غرضیکہ ہر مقام اور ہر
 طریقے سے سمجھایا مگر نتیجہ کیا نکلا؟ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ (ہود۔ ۴۰)
 بہت کم لوگ ایمان لائے۔ یعنی وہی مشرک اپنی افراد جو آپ کے ساتھ کئی میں ہزار
 ہو گئے!

ان کے علاوہ فرمایا وَالْمُؤْمِنَةُ الْهَوٰی انہی بیتی نامے بھی چاک ہوئے
 جن کو نیچے لٹا دیا گیا۔ یہ قوم لوط کے لوگ تھے جو بکریت کے کدے شرق اردن
 میں آباد تھے۔ ان میں روابط کی بیماری پائی جاتی تھی۔ انہوں نے ان کی بستی کو کوٹنے
 دیا انہی واقعہ کے متعلق فرمایا فَفَعَلْنَا مَعْصِئَتَهُمْ لَیْسَ لَنَا مَحْبُورٌ یا انہی کو ان چیز

ناراض قوموں
 کی حرکت

نے جس نے ٹھکانا بنا۔ اور اوس سے پتھروں کی بارش کی جس نے سانسے ہلکے ہو گئے۔ نام اس کی کثیر و کثیف ہے۔ کہ اس قوم کی چار لاکھ کی آبادی کو اللہ قتلے نے آٹا آٹا کر دیا۔

فرمایا قَاتِلِ الْاَکَاہِ وَتِلْکَ تَحَالِیْ قَم لِنے پر وہ لاکھ کی کس کس نعمت میں شک کرو گے۔ خالصے باغیوں اور مفسدوں کو ہلکے کیا، یہ بھی اسی کا انجام ہے۔
 بسبب اللہ کی زمین ظلم و فساد سے مبرا گئی، قَطُوعِ ذَرَائِمِ الْفُجُورِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا
 وَالْحَدُّ لَیْلُو رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اور انعام۔ ہم ان ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی
 اور سب قہر میں خدا رب العالمین کو ہی سزاوار ہیں۔ یہ واقعات بھائے خود انعام
 الہی ہیں جن کے ذریعے ظلم کا قطع قلع ہوا، اور ان واقعات کا ذکر بھی خدا کا
 انعام ہے کہ ان سے باقی لوگوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔

رسالت کا
بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسالت کا بیان فرمایا ہے اِنَّا کَذَّبْنَا
 الْمُرْسَلِیْنَ وَلَوْ کَانَ مَعَهُ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ لَکَانَ مِنْہٗ اٰیٰتٌ کُبْرٰی
 والوں میں سے اللہ نے آپ سے پہلے بھی مختلف اترکرم میں پہنچے بھی بھیج کر لوگوں کو
 اُن کے انجام سے آگاہ کیا، اور اب آفر میں حضور علیہ السلام میں یہ فریضہ انجام دے
 رہے ہیں۔ یہ دراصل آپ کی رسالت کی تصدیق ہے، مشرک اور کافر آپ کو اللہ کا
 نبی ماننے کیلئے تیار نہیں تھے، کبھی کبھی سارے کبھی جہنمی اور کبھی شاعر
 اللہ نے فرمایا میں بات نہیں ہے بلکہ یہ بھی اللہ کے رسول ہیں۔ جس طرح پہلے اللہ
 کے رسول اگر لوگوں کو ڈراتے رہے۔ اسی طرح یہ بھی تمہیں تمہارے انجام دے
 آگاہ کرنے کیلئے آئے ہیں اگر ان کی بات مان لو گے تو نجات پاؤ گے۔ ورنہ دہلی
 سزا کے تختہ بن جاؤ گے۔

قیامت کا
تہذیب

اس کے بعد اللہ نے مَدَارِ قِیَامَتِ کا ذکر کیا ہے۔ اِنْ رَکِبَ الْاَرْضَ فَحَدُّ
 قَرِیْبٍ اَنْتَ وَالْقَرِیْبُ اَلْغَیْبُ یعنی قیامت۔ اب اللہ کا آخری نبی آپ کا ہے اور
 اس کے بعد قیامت ہی آنے والی ہے اور یہ میں چیر رہے لَیْسَ لَکُمْ مِنْ دُوْنِ

اللہ کا شفیق اللہ کے سوا اس کو کوئی کھول کر دیکھنے والا نہیں ہے۔ یعنی قیامت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے مقررہ وقت پر آئے گی۔ ہر آدمی کی موت قیامت صغریٰ ہے جس کا کئی کو علم نہیں اور پھر عمر کی موت قیامت کبریٰ ہے جس کے وقت وقوع کا علم اللہ نے اپنے ہی پاس رکھا ہوا ہے لَا یُخْبِرُکُمْ بِاَلْوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ (الاعراف: ۸۴) وہی اس کو وقت مقررہ پر ظاہر کرے گا۔ پھر فرمایا اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَلْجِبُوْنَ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ قیامت ایک آنکھ کی ؛ بلاشبہ ایسا ہی ہوگا چونکہ اس کا یقین نہیں ہے لہذا وَقَفْضُ کُلِّکُمْ وَکُلُّ کُلِّکُمْ ثُمَّ یُنْفَخُ بَیْرُکُمْ یعنی نہیں۔ مگر تمہیں وہی ہون کی کاروائی ہو تو تم یقیناً مٹنے لگو کہ تمہیں کیا معاملہ پیش آئے گا۔ قَامَتْ سَاعِدُکُمْ مَّکْرُومٌ تَوَکَّلِمْ کہے ہو دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام میں مگن ہو اور قیامت کا احساس تک نہیں ہے۔ حقیقت میں تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔

سجاد کا حکم

فرمایا تمہارے لیے ضروری ہے کہ وقوع قیامت اور جنہے عمل کا احساس کرتے ہوئے قَامَتْ سَاعِدُکُمْ اِنَّ اللہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ وَاعْبُدُوْا اور اس کی عبادت کرو۔ نماز کے سجدہ کے علاوہ اس آیت کی تلاوت اور سماعت پر سجدہ تلاوت بھی واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یہ سب سے پہلی صورت ہے جس میں سجدہ تلاوت کا حکم ہے۔ آپ نے یہ سورۃ اہل ایمان اور کافروں کی مشترکہ مجلس میں تلاوت فرمائی اور پھر آخر میں سجدہ کیا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا اور کافر بھی سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور سب نے سجدہ ادا کیا ایک برٹشے کافر امیر ابن خلف نے سجدہ نہ کیا بلکہ زمیں سے مٹھکے کر اپنی پٹیلی پر لگائی اکنے لگا میسرے سے یہی کافی ہے۔ یہ شخص جنگِ یمین کفر کی حالت میں لڑا گیا۔



سُورَةُ الْقَمَرِ
(مَكِّيَّةٌ)

سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَخَمْسُونَ آيَةً وَفِي ثَلَاثِ مَوَاقِعَ
سورة القمر مکی ہے۔ یہ پچپن آیتیں ہیں اور اس کے تین رکعات ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

إِفْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَلَنْ يُرَوَّأَ آيَةٌ
يَعْرِضُوا وَيَقُولُوا بَحْرٌ مُمَسَّمَرٌ ② وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا
أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقَرٌّ ③ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ
مِّنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ
فَمَا تُغْنِ التُّذْرُ ⑤ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ يُوعَظُ يُؤَظَّمُ
إِلَى شَيْءٍ يُكْرَهُ ⑥ خُسْفًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ
مِنَ الْأَجْدَاثِ ⑦ كَالَّذِينَ هُمْ يُنْشَرُونَ ⑧
مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمٌ
عَسِيرٌ ⑨

ترجمہ :- قریب لگتی ہے قیامت اور پھٹ گیا ہے
چاند ① اور اگر دیکھیں یہ رنگ کوئی نشانی نہ اسی طرح کہتے

ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آ رہا ہے ①
 اور جھٹکایا انہوں نے ، اور پیروی کی اپنی خواہشات کی ۔
 اور ہر کام ٹھہرا ہوا ہے (اپنے وقت پر) ② اور البتہ
 تحقیق آئی ، ان کے پاس غیروں میں سے وہ جس میں ڈنٹ
 ہے ③ یہ حکمت ہے کامل ، پس نہیں کاٹو دیتے ڈر
 سنانے والے ④ پس آپ روگذائی کریں ان سے ، جس
 دن جلنے کا جلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف ⑤ پست
 ہوں گی ان کی آنکھیں ، نکلیں گے ، قبروں سے گریا کر
 یہ ٹٹیاں ہیں پھیلی ہوئی ⑥ دھڑلے والے ہوں گے پکڑنے
 والے کی طرف ۔ کہیں گے کافر کہ یہ دن بہت سخت ہے ⑦

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ القمر ہے جو کہ اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ
 سے ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی ، اس کا پچھن آیتیں اور تین رکوع
 ہیں اور یہ سورۃ ۲۲ الفاظ اور ۱۴۰ حروف پر مشتمل ہے ۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زبان قرآن اسلام کے بنیادی عقائد
 قرعید ، رسالت ، معاد اور قرآن مجسم کی حقانیت ہی کا ذکر ہے ۔ تاہم یہاں برکت
 اور قیامت کا اٹھا ذکر کیا گیا ہے ۔ وقوع قیامت کے متعلق گذشتہ سورۃ کے
 آخر میں فرمایا تھا اِذَا فُتِحَتِ السَّمَاءُ ① لَيْسَ كَمَا صُنِّعَ دُونَكَ اَللّٰهُ
 مَكَاشِفَةً ② قریب آنے والی دینی قیامت (قریب آگئی ہے ، جس کو
 اللہ کے سوا کوئی کھول کر نظر کرنے والا نہیں ہے ۔ اب اس سورۃ کی ابتدا
 میں فرمایا ہے اِفْتَتَتْ السَّمَاءُ وَانْشَقَّتِ الْقُصُورُ قِیَامَتٍ قَرِیْبٍ
 آگئی ہے اور چاند پھٹ گیا ہے ۔ اس طرح یہ دونوں
 سورتیں آپس میں مربوط ہیں ۔

اس سورۃ میں انذار کا پہلو بھی غالب ہے ۔ منکرین کے سامنے سخت عاقبت

کا ذکر کر کے انہیں بڑی سختی کے ساتھ تہذیب کی گئی ہے۔ لوگوں کی عبرت کے لیے اللہ نے بعض سزا یافتہ افراد کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

قیامت
کی گھڑی

ارشاد ہوتا ہے رَافِقٌ بِسُوءِ السَّاعَةِ قِيَامَتٍ قَرِيبٍ اگلی ہے، جدید عربی میں ساعت وقت ظاہر کرنے والی گھڑی کو کہتے ہیں۔ اس سے مطلق وقت بھی مل رہا ہے۔ تاہم یہاں پر قیامت کی گھڑی مراد ہے کہ وہ قریب آپکی ہے بعض مفسرین فطرت ہیں کہ ساعت سے وہ وقت مراد ہے جب دنیا میں سختیوں کو سزا دیا جائے ہے جیسا کہ کفار و کافرات کو جہنم کے مقام پر سزا دی۔ قیامت کے قریب ہونے اور اپنا تکبر پر پائے ہوئے کا ذکر قرآن پاک میں کئی مقامات پر آیا ہے، بلکہ سورۃ المعارج میں ہے قیامت نزدیک ہی ہے رَافِقٌ بِسُوءِ السَّاعَةِ قِيَامَتٍ قَرِيبٍ (آیت ۶۰) اگرچہ لوگ اُسے بعید خیال کئے ہیں اللہ تعالیٰ نے غفلت اپنی کیے غمان کر پیدا کیا اور پھر ان کی رہنمائی کے لیے بعثت انبیاء کا سلسلہ بھی ساتھ ہی شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اس لیے آگے نہ کوئی نبی آنے والا ہے اور نہ کوئی دوسری امت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب قیامت ہی کا انتظار ہے، حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اپنی انگشت شہادت اور دو میانی انگلی کو بڑھا کر فرمایا أَنَا وَالسَّاعَةُ کلہما شئین یعنی میں اور قیامت اسی طرح آپس میں جوڑے ہوئے ہیں۔ جس طرح یہ دونوں انگلیاں تھوڑے آگے پیچھے ہیں۔ اسی طرح میں اور قیامت کے پیچھے ہیں۔ اب میرے بعد قیامت ہی آنے کی تو اس لحاظ سے قیامت کو قریب کہ گیا ہے۔ اگرچہ اس پر چودہ صدیاں گزر چکی ہیں، اور یہ اللہ کے علم میں ہے کہ وہ گھڑی کب واقع ہوگی۔

چاند کا
پھٹ جانا

فرمایا قیامت قریب آگئی ہے وَكَانَتْ السَّاعَةُ اور چاند پھٹ گیا ہے۔ چاند کا پھٹ جانا اور اصل مقامات قیامت میں سے ہے۔ قرآن و حدیث میں قیامت کی بہت سی نشانیوں کا ذکر موجود ہے جنہوں ان کے شوقِ فقر بھی ایک نشانی ہے۔ بخندی اور سلم کی صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شوقِ فقر کا واقعہ حضور علیہ السلام

کا ایک گھنٹہ بھی ہے جو ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا۔ ایام حج دروس ہی تیرہویں ذی الحجہ میں حضور علیہ السلام منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ اس موقع پر مشرکین نے آپ سے آپ کی صداقت کی نشانی طلب کی جسے دیکھ کر وہ آپ پر ایمان لائیں اس پر آپ نے چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو کر ایک مصرع شرقی کی طرف ہو گیا اور دوسرے مغرب کی طرف۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق چاند کا ایک ٹکڑا جبلِ حرا کی ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف چلا گیا۔ جب مشرکین نے یہ معجزہ اچھے طریقے سے بار بار دیکھ لیا تو دونوں ٹکڑے پھر سے مل گئے اور چاند اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

یہ واضح نشانی دیکھنے کے باوجود متعصب مشرکین نے ایمان قبول نہ کیا بلکہ شے جاؤ کہ کر رہ کر دیا۔ اور جیسا کہ ہمٹ دھرم لوگوں نے کہا کہ محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ اسی بات کے متعلق اللہ نے یہاں فرمایا ہے قَرَأَ قَوْلًا آيَةً يُحْزِنُ يَهُودَئِیْا اِذْ اَمَرَ بِهٖ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں۔ وَيَقُولُوْا رَحْمٰتُ مَّجْمُوْمٍ اور کہتے ہیں کہ چھٹا ہوا جادو ہے جو قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ یہ پہلے زمانے میں بھی چلتا تھا اور آج بھی چل رہا ہے۔ غرضیکہ مشرکین نے جو اسے معجزہ تسلیم کیا، نہ خدا تعالیٰ کی واحدیت اور قدرت، نہ اس پر ایمان لائے اور نہ ہی رسالت کو تسلیم کیا۔

شق الثانی
پر تفسیر

واقعة شق القمر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ بعض یونانیوں اور قدیم فلسفیوں کا خیال تھا کہ آسمانی گروں میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، لہذا وہ اس معجزہ کو دھم قرار دیتے تھے اور سبھی لوگ یہ استعجاب کرتے ہیں کہ اگر یہ اتنا بڑا واقعہ پیش آیا تھا تو پھر اس کا ذکر تاریخ میں کیوں نہیں ملتا؟ علمائے کرام خاص طور پر مولانا محمد فاضل دہلویؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ واقعہ وقت کے وقت پیش آیا تھا اور ضروری نہیں کہ اس وقت سب لوگ جاگ رہے ہوں۔ اور ان کی نظریں بھی چاند پر لگی ہوئی ہوں کہ جو بنی اُمس میں تغیر واقع ہوا تھا وہ اُمس کو

دیکھ لیتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں تو اسے نہیں مانتے تھے۔ مگر زمین کے ایک حصہ پر ہی حتیٰ لہذا ساری دنیا کے لیے اس واقعہ کا مشاہدہ ممکن نہ تھا۔ اس لیے اگر پہلے سے کوئی اعلان ہوتا کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت یہ واقعہ پیش آئے گا تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہی ہوتے۔ مگر یہ واقعہ تو اچانک پیش آگیا اور قصوری دیر کے بعد چاند پھر اصلی حالت میں آگیا۔ لہذا یہ کوئی استحقاق اعتراض نہیں ہے۔

ان تمام حالات کے باوجود اس واقعہ کا ذکر تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ برصغیر میں شیخوں کے دور میں احمد نگر کے سب سے پہلے ایک مؤرخ محمد قاسم فرشتہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "تاریخ فرشتہ" میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شیعہ القریٰ کا یہ واقعہ مالابار کے راجہ نے دیکھا تھا۔ اُس رات اُن کے محل میں کوئی تقریب تھی جس میں خود اور اس کی رانیاں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے یہ واقعہ دیکھا تھا اور راجہ نے اسے اپنی ڈائری میں نوٹ کیا تھا۔

پھر کچھ عرصہ بعد حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حبیب ابن مہذب نے سفرِ ہند میں گئے تو دہلی کے آگے دریافت کیا کہ فلاں تاریخ کو اُس نے یہ واقعہ دیکھا ہے۔ اچھا یہ کچھ ممکن ہوا؟ تو حبیب نے جواب دیا کہ یہ تو بڑا مشہور واقعہ ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے دس صحابہؓ سے منقول ہے۔ پھر آپ نے وضاحت کی کہ عرب کی سرزمین میں اس واقعہ نے اپنا آخری رسولِ مبعوث فرمایا ہے انہوں نے انگلی کا اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا اور قصوری دیر بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا تھا۔ اس تصدیق پر وہ راجہ اپنی رانیاں سمیت مسلمان ہو گیا تھا۔

بہر حال شیعہ القریٰ کا سچوہ حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک پر ظہر ہوا تھا جس کی تفصیلات صحیح احادیث میں موجود ہیں۔ بخاری شریف میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا ذکر ہے۔ ایک پارہ کی مشرقی جانب چلا گیا اور دوسرا مغربی جانب، اور لوگوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھا۔ مشرکین کہ اس کو بھی جادو سے تعبیر کرتے تھے۔ پھر انہوں نے آنے والے قاتلوں کے لوگوں سے اس واقعہ

نَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقِيمُونَ (سیدہ) تو گھڑی بھر
بھی آگے لیجئے نہیں ہوتا۔ جب قیامت کا واقعہ مقرر آجائے گا۔ تو قیامت بھی
ہرپا کر جائے گی۔

سخت تفسیر

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ جَاءَهُمْ نَصْرٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا فِيهِ مَوْزِعَةٌ جَدِيدٌ
اور البتہ تحقیق ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جس میں تفسیر ہے۔ اگر یہ طور کرے تو یہ
اشرہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کی انتہی ہے یعنی شوقِ افریبا عجیب و غریب و اقوالِ انان
کے لیے رحم ہے کہ وہ یکے قیامت کا انکار کرتا ہے۔ بَلْجَحَنَّمُ بِالْإِنْفَادِ
یہ تو اشرہ تعالیٰ کی کامل محنت کے عین مطابق ہے جس سے انکار کی کوئی وجہ
نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود بات یہ ہے فَمَا أَغْنَىٰ الشُّكُّ زُرْدَانِ نے
طے کام نہیں دیتے۔ مطلب یہ ہے کہ اشرہ کے خیال اور مسلک ان ناہنکار لوگوں کو کتنا بھی
قورمیں ہی پرکھ کر نہیں ہوتا اور یہ اپنی زنگر پر جھپٹتے رہتے ہیں۔ ان کے الیہ
ہو جاتے ہیں، نعم الٹ جاتے ہیں اور وہ سیدھی بات کو بھی ٹیڑھا ہی سمجھنے لگتے
ہیں معترض لوگ ہمیشہ کی ردی کی تلاش میں ہی رہتے ہیں اور کتے چن کر کرتے رہتے ہیں
— ان پر دغور و غور نصرت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

میدانِ حشر
میں ہجرت

آگے اشرہ اپنے پیڑہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا فَتَوَلَّوْا عَنْهُمْ أَبْصَارُكُمْ لوگوں
کی طرف زیادہ توجہ نہ دیں، ان کے انکار اور ہٹ دھرمی کو خاطر میں نہ لائیں۔ يَوْمَ
يَدْعُ الدُّعَاءُ رَأْفَتُ شَيْءٍ وَتُكْفَىٰ حَسْرَتُ حَسْرَتِهِ والا ایک ہنگامہ چیز کی
طرف۔ اس دن سے مروجہ قیامت کا دن اور پکائے والا امر آئیں گا۔ ہر صورت میں
گلا اور لوگ قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اُس آواز کی طرف جائیں گے۔ اس وقت
ان کی حالت یہ ہوگی حَشَعَا أَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔
برامت کے ماتے و سیاہی ان پر نہیں کر سکیں گے۔ يَخْضِبُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ
مَحَا تُدْسِرُ حَبْرًا وَتُسْتَبِشُّ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے گی کہ کالی سی دل
پھیل جائے۔ سخت افراتفری کا عالم ہوگا۔ ان کے چہروں سے خوف و ہراس

اور ذات اور ذات کے آثار ظاہر ہوں گے۔ مُطَهَّرِينَ إِلَى الدَّكَاءِ وہ دوشے
 گئے ہوں گے پلٹنے والے کی طرف۔ یعنی دوسرے آواز آرہی ہوگی دوسرے دوشے
 جانیں گے۔ دوسری جگہ ہے يَوْمَ تَحْشُرُ جُودًا میں آج دکھاؤ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ
إِلَى نَعْتَبٍ يَوْمَ فُضُّوْنَ (المعارج ۴۲) اس دن قبروں سے اس حالت میں
 نکلیں گے گریبا کہ وہ نشانوں کی طرف دوشے جاتے ہیں۔ فرمایا آج تو یہ انکار کرتے
 ہیں مگر اس دن يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمَ نَسُوسُ الْكَافِرِينَ گے کہ
 انہوں نے آج تو بڑا سخت دن ہے نہ معلوم آج ہمارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئیگا
 مگر جو گا رہی کچھ جو سابقہ قریوں کا حال پوچھ رہی کہ اللہ نے اس دنیا میں بھی سزا
 دی اور پھر دانی سزا کو آگے آرہی ہے۔

كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا لَحْمُونَ
 وَإِنْ دُجِرَ ⑨ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَأِنتَصِرْ ⑩
 فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ⑪ وَخَبَرْنَا
 الْأَرْضَ عَيُْونًا فَالْتَمَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫
 وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ⑬ فَجَرِي بِأَعْيُنِنَا
 جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ⑭ وَلَقَدْ ثَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ
 مِنْ مُدْكِرٍ ⑮ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ⑯ وَلَقَدْ
 يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ⑰ كَذَّبَتْ
 عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ⑱ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
 رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمٍ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ⑲ تَنَزَّعُ
 النَّاسَ كَانْتَهُمُ رَاغِبًا زُخْلٍ مُنْقَعِيرٍ ⑳ فَكَيْفَ
 كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ㉑ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
 ㉒ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ㉓

ترجمہ :- بھلا! ای سے پہلے قوم نوح نے ۔ پس جنوں
 انہوں نے ہمارے بندے کو اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے ، اور
 میں کو بھڑک دیا گیا ⑨ پس اُس نے دھماکے پڑھ کر

کے سٹنے کو میں عاجز ہوں، پس میلر بلائے ⑥ پھر
 کھول دیا ہم نے آسمان کے دروازوں کو فعدے سے بنے
 واسے پانی کے ساتھ ⑪ اور ہا بیے ہم نے زمین میں
 چٹھے۔ پھر بڑی گیا پانی ایک کاسم پر جو مقدار کیا جا چکا
 تھا ⑬ اور ہم نے سوار کیا اُس (بندے) کو تختوں
 اور کیل والی کشتی پر ⑭ جو چلتی تھی چارے سٹنے اور
 بار تھا اُس کا جس کی ناکھری کی گھٹی تھی ⑮ اور البتہ
 تحقیق ہم نے اس کشتی کو نشانی بنا دیا، پس کیا ہے
 کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ⑯ پس کیسے ہوا میرا
 غضب اور میرا ڈراما ⑰ اور البتہ تحقیق ہم نے آسمان کو
 دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے، پس ہے
 کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ⑱ جھٹکیا قوم عاد نے
 پس کیسے ہوا میرا غضب اور میرا ڈراما ⑲ بے شک ہم
 نے بھی ان پر ایک تند ہوا لیے وقت میں جو مسلسل
 غصہ والا تھا ⑳ اکھاڑتی تھی ہوا لوگوں کو جیسا کہ وہ
 تھے ہیں اکھڑی ہوئی کعبوں کے ㉑ پس کیسے ہوا میرا
 غضب اور میرا ڈراما ㉒ اور البتہ تحقیق ہم نے آسمان
 کو دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے،
 پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ㉔

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے رسالت کا انکار کرنے والے کافروں اور مشرکوں
 کا تذکرہ اور ساتھ ساتھ قیامت کی بعض غریزوں کا بھی ذکر کیا جس میں شیطان کا واقعہ
 بھی شامل ہے۔ پھر محاسبہ اعمال کے جلسے میں شدید عذاب کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ مشرکین
 عرب کو سخت تنبیہ کی، اور محاسبہ اعمال کی منزل کا کچھ حال بیان کیا اور اُس دن کی سختی

کا ذکر کیا۔ اب اللہ نے سابقہ اقوام میں سے بعض کے واقعات بطور نصیحت اور
انذار ذکر کیے ہیں۔ فرمایا کہ میں طرح مشرکین عرب، قریعہ، ارسالت اور عباد کا انکار کرتے
ہیں اسی طرح ان سے پہلے کئی قوموں نے بھی کیا۔ وہ بھی بڑے سرکش اور مڑھ تھے۔
مگر اللہ نے ان کو دنیا میں ہی گرفت کر کے سزا دی۔ اس سورۃ مبارکہ میں سابقہ اقوام
کے عبرت جتہ حالات بیان کیے گئے ہیں اور یہ تفصیل دوسری سورتوں میں موجود ہے
یہاں پر صرف عبرت کے لیے بعض قوموں کی سزا کا کلی ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ آج
کے دہس میں قوم نوح اور قوم عاد کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

نوح علیہ السلام
اور ان کی قوم

ارشاد ہوتا ہے كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ان مشرکین عرب کے پہلے
قوم نوح نے بھی جھٹلایا فَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا انہوں نے ہمارے بندے نوح علیہ السلام
کو جھٹلایا یعنی ان کی رسالت کو قیہ کر دیا۔ وہ ہمارے مہر کو گنہگار بندہ اور رسول تھا۔
اور رسالت سے ٹھکر کر فضل و کمال والی کوئی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے
کسی کو عطا کرتا ہے۔ اور پھر رسالت کے درجات بھی مختلف ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ
هَـٰذَا رِسَالَتُ الرُّسُلِ فَذَلَّلْنَا بِهَـٰذَا مَثَلًا لِّبَعْضِ الرُّسُلِ ۲۵۳ یہ رسولوں کا
گروہ ہے جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ یہ فضیلت ان
پر آنے والی ابتلاؤں و آزمائشوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی انی
رسولوں میں سے ہیں جن کو اللہ نے فرقیہ بخشی ہے قیامت کے دن لوگ اللہ کے
لوں سفارش کے لیے نوح علیہ السلام کے پاس بھی جائیں گے۔ اور کہیں گے۔

يَا نُوحُ اِنَّكَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا اسے نوح علیہ السلام! آپ
اہل دنیوں کی طرف سب سے پہلے تعلیم رسول ہیں اِشْفَعْ لَنَا پس آپ ہمارے لیے
بارگاہِ الہی میں سفارش کریں اگر حساب کتاب شروع ہو۔ مگر چہ نوح علیہ السلام سے
پہلے آدم علیہ السلام اور اور میں علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہوئے ہیں، لیکن مستقل
شریعت سب سے پہلے نوح علیہ السلام کو ہی عطا کی گئی اور پھر قوم کے انکار پر سب
پہلے سزا میں آپ ہی کی قوم کو ملی۔ بہر حال جب نوح علیہ السلام نے قوم کے سامنے

دوسری بہت پیش کیا تو انہوں نے آپ کو جھوٹا دیا وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ آلِ رَأْفٍ اور کہنے لگے کہ تم اللہ کے رسول نہیں بلکہ بولنے والا ایسا ذلیل اور سلیح خواں آدمیوں آپ کو جھوٹا دیا گیا۔ قوم نے یہ بھی کہا کہ اے نوح علیہ السلام! اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ أَتَكْفُرُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ ابْنُ مَرْيَمَ نَحْنُ آلُكُمْ أَنْتَ مَرْحُومٌ (۱۱۶) تو ہم تمہیں پتھر مار رہے ہیں کہ تم اللہ کی قسم تم ہمارے مجبوروں کو غلط کہتے ہو اور ہم سے ہمارا طریقہ چھڑانا چاہتے ہو، ہم سے یہ برداشت نہیں ہوتا۔ نوح علیہ السلام بڑے لمبے عرصے تک قوم کی طرف سے عذاب برداشت کرتے رہے، ان کو غلط فہمیت بھی کرتے تھے مگر انہوں نے کسی طرح زنا نہ کیا۔ پھر جب آپ قوم سے باطن دایوس پہنچے تو اللہ کی بدگاہ میں دعا کی۔ وَقَالَا رَبَّنَا آتِنَا مَعْلُوفَاتٍ فَإِنْ تَوَلَّوْا يَكُنْ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ میں حاضر آپکا ہوں، یہ قوم کسی طرح نہیں مانجی بلکہ ان مجھے تکلیفیں پہنچاتی ہے اللہ اب تو یہی ان سے میرا انتقام لے مرزا شاہ اشرف علی تھا نوحی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا بدلہ دیتا ہے۔ لہذا اس سے بے فو نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے نیک بندوں کو تائب کرنا یا اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آنے کا یہ ایک بات ہے کہ کبھی کبھی اللہ ہمت بھی دے دیتا ہے مگر کبھی کبھی وہ انتقام بھی لے لیتا ہے۔

قوم نوح
کے ایجنڈا

جب قوم نوح کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو نوح علیہ السلام نے ان کے لیے بَرَدُوعًا۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول کی اور فرمایا فَقَفَّيْنَا عَلَى الْبَنَاتِ بِبَرَدُوعٍ فَإِنْ تَوَلَّوْا يَكُنْ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ آسمان کے دروازے کھول دیے زور سے برسنے والے پانی کے ساتھ۔ سبھی آسمان سے شدید موسلا دھار بارش شروع کر دی۔ اس کے علاوہ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مِثْقَالَ عَرَقٍ فَإِنْ تَوَلَّوْا يَكُنْ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین کے پانی اٹھن شروع کر دیا۔ فَالْتَفَتْنَا إِلَى الْإِنْسَانِ عَصَىٰ فَإِنْ تَوَلَّوْا يَكُنْ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ پس آسمان اور زمین کا پانی آپس میں ٹکرایا ایک کھم پر جو مقرر کیا جا چکا تھا۔ تقدیر کا یہی فیصلہ تھا کہ اس پوری قوم کو اس پانی میں غرق کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے مقررہ فیصلے کے مطابق یہ پانی جمع ہو گیا۔

اس طوفان کی آمد سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فوج علیہ السلام کو حکم دیا تھا وَاصْبِرْ
لِلْعَذَابِ يَا عِيسَىٰ (ہود ۲۷) ہمارے حکم سے کشتی تیار کرو۔ پھر جب تور سے
 پانی اُبھنا شروع ہوا تو وہی اپنے پیروکاروں سمیت اس میں سوار ہو جانا اور مختلف
 جانوروں کا ایک ایک جوڑا بھی ساتھ رکھ لینا۔ کیونکہ اس طوفان میں کوئی جانور
 باقی نہیں بچے گا۔ سوائے کشتی والوں کے۔ اور ہر قوم کا حال یہ تھا کہ جب وہ فوج علیہ السلام
 کو کشتی تیار کرتے ہوئے دیکھتے تھے يَا عِيسَىٰ كَمْ كُفْرًا کرتے۔ یہ کشتی بہت لمبی
 چوڑی تھی جس میں بستر یا اسی افراد، اُن کا سامان اور جانوروں کا جوڑا جوڑا ہی سوار
 ہو گئے۔ یوں کچھ اور جیسے ہمارے اُن سفینہ ہمارے بہت بڑا بکری جہاز ہوا کرتا تھا۔
 یہ جہاز تو گیارہ منزلہ تھا، آہم فوج علیہ السلام کی کشتی صرف تین منزلہ تھی۔

يَا عِيسَىٰ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش چالیس دن تک جاری رہی تھا کہ
 اُن تو چوبیس گھنٹے کی بارش بھی تباہی مچا دیتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے
 جہاں مسلسل چالیس دن بارش ہوئی اور پیچھے سے بھی پانی اُبھار ملے، وہاں کیا حشر ہوا
 ہوگا۔ تفسیر روایات میں آتا ہے کہ بلند پہاڑیوں سے بھی آدھریس تیس فٹ
 تک پانی چڑھ گیا۔ کیا یہ طوفان پوری روئے زمین پر آیا تھا یا کسی محدود علاقے میں؟
 اس بات میں مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس جہں غلط
 ایضی میں انسانی آبادی تھی سیلاب اس خطے تک محدود رہا اور بعض کہتے ہیں کہ
 یہ طوفان پوری سطح ارضی پر آیا۔ اُس زمانے میں آبادی بہت کم تھی اور یہ زیادہ تر
 دریائے دجلہ اور فرات کے دوار میں تھی، لہذا قرین قیاس میں ہے کہ یہ طوفان
 اسی علاقے میں آیا تھا۔

آگے اللہ نے فوج علیہ السلام کی کشتی کا ذکر بھی کیا ہے وَصَلَّاهُ عَلَىٰ
ذَاتِ الْاُكُوَادِ وَدُوسِرٍ اور ہم نے فوج علیہ السلام کو تختوں اور کیلوں والی کشتی
 پر سوار کرایا تھا ہرے کو کڑی کے تختے کیلوں کے ساتھ جوڑ کر ہی کشتی تیار کی گئی
 تھی۔ فرمایا يَا عِيسَىٰ یہ کشتی ہمارے سامنے پانی کی سطح پر چلتی تھی یعنی

فوج علیہ السلام
 کی کشتی

ہماری نگرانی اور حفاظت میں چھ سات ماہ تک اپنی پر تیرتی رہی۔ اور اس کے بعد وَأَسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ (ہود - ۴۲) ہودی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی۔ یہ پہاڑ آئرلیا کے پہاڑوں میں سے ہے جسے پہلے جفرافے میں لادوت کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پھر جب آہستہ آہستہ پانی اتر کر نوح علیہ السلام اپنے ہمارے ہستی کشی سے بچتا رہے۔ یہ کشتی صدیوں تک اسی پہاڑ پر پڑی رہی جسے لوگ عبرت کے لیے جاکر دیکھتے تھے۔ اب تو بڑے بڑے جہاز پانی کی سطح پر رواں دواں ہیں۔ مگر اس جہاز رانی کی بنیاد نوح علیہ السلام کی کشتی ہی تھی۔ المشرع نے فرمایا ہم اس کشتی کو پہنچ دیا تاکہ نوز نہ جائیں گے اور یہ بات پیشہ یاد رکھیں جائیگی کہ المشرع نے اس کشتی پر بارہ ہونے والوں کو بچالیا جب کہ اتنی سارے مغرق کر دیے گئے فَرَأَاهُ جَعَلًا لِّقَوْمٍ كَانَتْ كُفْرًا یہ بدلتا تھا اس چیز کا جس کی نافرمانی کی گئی لوگوں نے خدا کی وعید سنت اور جزائے عمل کا انکار کیا اور نوح قیامت پر یقین نہ کیا۔ انہی کی نوبت کو نصیم دیا۔ اور المشرع کے غلص بندے نوح علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانی یہ اسی چیز کا بدلہ تھا کہ ساری کی ساری قوم تباہ و برباد ہو گئی۔

فَرَأَاهُ جَعَلًا لِّقَوْمٍ كَانَتْ كُفْرًا اور البتہ تحقیق ہم نے اس کشتی کو نشان بنایا تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ فَقُلْ مِّنْ شَعْرَةٍ پس یہ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ کون ہے جو خدا تعالیٰ کی قدرت نامہ میں خود کو بے اور اس واقعہ سے عبرت حاصل کرے؟ فَرَأَاهُ دِكْحًا دیکھ لیا، فَكَيْفَ کھانے کا وَمَنْ دَرَكُوا ہر امیر و خدایا اور میرا ڈراما ہم کو المشرع کے نبیوں نے آخرت کے انجام سے بدوقت ڈرایا تھا، مگر ہم نے اس وقت کچھ پروا نہ کیا جس کا نتیجہ سزا کی صورت میں برآمد ہوا۔

قرآن مجید
نصیحت

اللہ تعالیٰ نے انداز کرنے کے بعد نصیحت کی بات کی ہے وَلَقَدْ كَذَّبْنَا الْقُرْآنَ وَلَقَدْ كَذَّبْنَا مِنْ شَعْرَةٍ ہم نے قرآن کی نصیحت کے لیے آسمان کو دیا ہے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو

ترجیب و ترہیب کے ساتھ اس انداز سے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن اور بھی لکھے
تو وہ اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور معاذ اس کی کجی میں آسکتا ہے ۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اجتہاد اور استنباط کے لحاظ سے قرآن حکم
بڑی گہری کتاب ہے مگر عمل اور نصیحت کے اعتبار سے بہت آسان ہے ایک عام
عقل و فہم والا آدمی بھی اس کی تعلیمات سے مستفید ہو سکتا ہے اور اس پر عمل کر سکتا
ہے۔ مگر ہر لحاظ سے قرآن ایک آسان کتاب نہیں۔ اس لیے قرآن کی تفسیر کرنے
کے غرض میں ملت بڑی کڑی فریاد کاڑھیں ۔ جب تک تفسیر سے متعلقہ جملہ علوم پر عبور
حاصل نہ ہو قرآن کی تفسیر کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے گمراہی میں پڑ جانے کا خطرہ
بہت سلف میں تو علم کا بہت زور تھا لیکن بعد میں کمزوری آگئی ، مجتہد حضرات بھی
کمزور ہو گئے ، لہذا اب مسائل کے استنباط کے لیے بڑی گہرائی کی ضرورت ہے ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تمام ان لوگوں کے مطلق مل کر
بھی ان مسلمانوں کو نہیں پاسکتے جو اللہ نے قرآن کی ایک ایک آیت میں رکھی
ہیں اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے عام چیلنج کر رکھا ہے **فَاتَّقُواِ اللہَ فَمَن یُؤْتِہِ فَرْقَہُ**
(البقرہ ۲۳۰) کہ اس جیسی ایک سورۃ ہی جا کر ہڈ، مگر فرمایا کہ سارے ان لوگوں
جن مل کر بھی قرآن کی نظیر پیش نہیں کر سکتے ۔ اگرچہ بعض بعض کے درکار
بھی بن جائیں ۔ اس چیلنج کو قبول کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی ، وجہ یہ ہے
کہ قرآن پاک کی حکمتوں اور مسلمانوں کو کوئی نہیں پاسکتا ۔ شاہ صاحب اپنی کتاب
فیوض الاکرمین میں لکھتے ہیں کہ جب میں قرآن پاک کی کسی ایک آیت میں غور کرنا
چوں تو اس کے نیچے علوم و معارف کا اتنا وسیع سمندر نظر آتا ہے جسے عبور کرنا
انسان کے بس کی بات نہیں ، چہ جائیکہ سارے قرآن پر عبور حاصل ہو۔ تو اس
لحاظ سے قرآن بہت گہری کتاب ہے لیکن عمل ، اخلاق اور نصیحت کے اعتبار
سے بہت آسان ہے ، ہر چٹھا لکھا اور ان پڑھ آدمی اس کے احکام پر عمل پیرا
ہو سکتا ہے ۔

قوم عادی
کی بات

قوم نوح کے بعد اشر نے قوم عاد کا حال اچھا لایا یہ ہے۔ گذشتہ حکایت
قوم عاد نے اشر کے نبی ہود علیہ السلام کو جھٹلایا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ کہ
قوم نوح کے بعد ہزار چھ سو سال بعد اشر نے قوم عاد کو ایام حروج تک پہنچا۔ اشر کے
نبی ہود علیہ السلام نے چار سو سال تک اپنی قوم کو مکر و نیرت کی، خدا کا پیغام لایا
مگر وہ لوگ کفر شرک پر اٹھے تھے۔ اسی میں غرور و تکبر اور اسراف میں بے نیایدیاں تھیں
جب یہ لوگ کسی طرح بھی راجع و راست پر گئے کے لیے تیار نہ ہوئے تو اشر نے ان
پر تند ہوا بھی جو سات راتیں اور آخر دن تک مسلسل چلتی رہی اور اس نے تمام
نافرمانوں کو ہلاک کر دیا۔ اسی لیے اس مضمون پر اشر نے فرمایا کہ قوم عاد نے جھٹلایا
فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِي ۚ فَاِذَا هُمْ بِمِثْلِهِ لَمَّا هَمَّ بِمَا لَبَّيْكُمْ وَفَاجَأَكُمْ وَهُوَ حَذِي ۚ
تکلیف دینا اور صراحتاً ہم نے ان پر تند ہوا بھی کہ فَاِذَا هُمْ بِمِثْلِهِ لَمَّا هَمَّ بِمَا لَبَّيْكُمْ
ایک نوبت طے دیں۔ یہاں پر ہوس سے ملوث طلاق و فساد ہے کیونکہ ہر اسراف
ایک دن نہیں بکومت راتیں اور آخر دن تک چلتی رہی تھی۔ اور خواست سے مراد
یہ ہے کہ یہ اُن نافرمانوں کے حق میں تھی، وگرنہ دن کوئی بھی نخوس نہیں ہوتا بلکہ
ایام اشر کے ہیں۔ ہاں! اگر اشر تعالیٰ کسی خاص وقت کو کسی قوم یا فرد کے
لیے نخوس بنا دے تو یہ ایک چیز ہے۔ کوئی بھی دن، سال یا وقت سارے لوگوں کے
لیے نخوس نہیں ہوتا۔ قوم عاد کی یہ خواست تھی کہ انہوں نے اشر کے نبی کی بات کو
ٹھکرایا تو اشر نے انہیں صفحہ سبقت سے ہی بے کردیا۔

فرمایا قوم عاد پر مسلط کی جانے والی تندہوا ایسی تھی کہ قَتْلُ نَحْسٍ لِّمَنْ سَمِعَ لَوْنًا
کو اکھاڑ کر پیٹک دیتی تھی حَتَّىٰ يَكُونُ كَالْمُغْرَقِ ۚ فَاِذَا هُمْ بِمِثْلِهِ لَمَّا هَمَّ بِمَا لَبَّيْكُمْ
کے اکھاڑے ہوئے تھے ہوں۔ قوم عاد کے لوگ بڑے طاقتور اور قد آور تھے جب
اشر نے ان پر موت جاری کی تو ان کی لاشیں ایسے پڑی تھیں جیسے کھجور کے بڑے
بڑے تنے اکھاڑ کر پیٹک دیے گئے ہوں۔ یہ اشر تعالیٰ کی قدرت ہے کہ یہی
ہوا جب نرم اور خوشگوار ہوتی ہے تو مردہ دونوں کر زندگی بخشی ہے اور کبھی پڑی

کے لیے مفید ہوتی ہے مگر جب یہی ہوا تند و تیز ہو جائے تو آگ برسانے لگتی ہے اور جب آدمی کی صورت میں آتی ہے تو پیاروں بچنے والے ریت کے ٹیلوں کو ایک جگہ سے اٹا کر دوسری جگہ لے جاتی ہے۔ باوجودِ ریت ٹیلوں میں بھر گئے والے ٹیلے ان طوفانوں کے دوزخیں ریت میں دب کر غرق ہو جاتے ہیں، قرآنِ مجید

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۚ مِمَّنْ هَاسِرًا زَاكِيًا ۚ سَمِعَ الْمُؤْمِنُونَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ ۚ وَرَأَوْا كِسْفًا مِّنَ الْجِبَالِ يَكُونُ جِجَارًا ۚ وَمِمَّنْ يَنسِفُ الْكَافِرِينَ ۚ فَمِنْهُمْ مُّسْتَسِرٌّ ۚ خَوَّاهُ فَاسْتَسَارُوا ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَنسِفُ الْكَافِرِينَ كَمَا يَنسِفُ الْكَافِرُونَ كَذِبًا ۚ

اُسی جگہ کو دہرایا ہے وَلَقَدْ كُشِّرْنَا الْقُرْآنَ وَلِذَلِكَ فَهَلْ يَنْصِتُ مَنكُم مَّنْ ۚ اور اہل تحقیق ہم نے قرآن کی نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسمان بنایا ہے، پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ کج وقت ہے کہ تم قرآن سے نصیحت حاصل کی کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکتے ہو ورنہ اللہ کی گرفت یقینی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ① فَقَالُوا ابْنُوا لَنَا وَاِجْدُ اثْبَاتًا ②
وَإِنَّا إِذَا لَفِيَ ضَلَالٌ وَسُعِيرٌ ③ أَلَيْسَ الَّذِي الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ
بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ④ سَيَعْلَمُونَ عَذَابُ مَنْ
الْكُذَّابِ الْآشِرِ ⑤ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَهُمْ
فَارْتَبِعْهُمْ وَأَصْطَبِرْ ⑥ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ
بَيْنَهُمْ كُلُّ شَرْبٍ مُّخْتَصِرٌ ⑦ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ
فَتَعَالَى فَعَقَرٌ ⑧ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِي ⑨
إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيِّحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ
الْمُحْتَضِرِ ⑩ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهْدُ مِنْ
مُّذَكِّرٍ ⑪ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ⑫ إِنَّا أَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُمْ بِسَحِيرٍ ⑬
نِعْمَةٌ مِنْ عِزِّنَا كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ⑭
وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ⑮ وَلَقَدْ
رَأَوْهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا
عَذَابِي وَنُذُرِي ⑯ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمُ بُكْرَةً عَذَابٌ

مُسْتَقِرٌّ ۴۸ ۚ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذِرٌ ۴۹ ۚ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
 الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۵۰ ۚ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ
 فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۵۱ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا وَلَنُحِثِّنَهُمْ
 أَخَذَ عَزِيزٌ مُقْتَدِرٌ ۵۲

ترجمہ :- جبکہ قریم شور نے اُنہ کے لئے دلائل کر ۴۸
 پس کہا انہوں نے کیا ہم اپنے میں سے ایک کیلئے اُنکا
 سہ اتباع کریں۔ تحقیق اس وقت ہم
 ابتر گمراہی اور پاگل پن میں ہوں گے ۴۹ کیا ڈال دیا
 ہے نصیحت اس کے لئے چارے دریاں سے۔ نہیں بگڑ
 یہ جھوٹا ہے اور اترانے والا ہے ۵۰ (فرمایا) عذریب
 جاں میں گئے یہ لوگ کہہ کر کہ ہے جھوٹا اور
 اترانے والا ۵۱ شک ہم بھیجئے ملے ہیں اونٹنی
 کو آٹا ٹٹھانے کے لیے۔ پس آپ انتظار کریں ان
 کا اور صبر کریں ۵۲ اور بتا دیں ان کو کہ بے شک
 پانی نعیم کیا ہوا ہے ان کے درمیان۔ ہر ایک کو
 اسکی باری پر پہنچا ہے ۵۳ پس پکارا انہوں نے اپنے
 ساتھی کو، پس اُس نے ہاتھ اٹھایا، اور اونٹنی کے
 پاؤں کھٹ لیے ۵۴ پس کیسے ہوا میرا عذاب اور میرا
 ڈرنا ۵۵ بے شک بھی ہم نے ان پر ایک آواز، اور
 تھے وہ مثلِ رودی ہوئی بار کے ۵۶ اور ابتر تحقیق
 ہم نے آسمان کیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے
 کے لیے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ۵۷

جھٹلایا قریب لوٹنے ڈرنا نے والوں کو (۳۲) چٹک ہم نے بھی اُنکا پر پتھر برسانے والی آدمی، مگر لوٹ کے گھرانے والے۔ ہم نے اُن کو بچا یا سحری کے وقت (۳۳) یہ جاری نعمت تھی۔ اسی طرح ہم چلے جیتے ہیں اس کو جو شکوہ ادا کرتا ہے (۳۴) اور ابنت تحقیق ڈرنا اُن کو اُن نے ہمدی گرفت سے۔ پس وہ جھٹلنے لگے ڈرنا نے والوں کے ساتھ (۳۵) اور ابنت تحقیق انہوں نے چھلایا اُن (لوٹا) کر اُن کے مٹاؤں سے۔ پس ہم نے مٹ دیں اُن کی آنکھیں۔ پس چکسو میری سزا اور میرا ڈرنا (۳۶) اور ابنت تحقیق صبح سویرے آیا اُن کے پاس مستقل مشہر نے والا غذاب (۳۷) پس چکسو میرا غذاب اور میرا ڈرنا (۳۸) اور ابنت تحقیق آسمان کیا ہے ہم نے قرآن کر نصیحت کے لیے۔ پس ہے کئی نصیحت حاصل کرنے والا (۳۹) اور ابنت تحقیق آئے آل فرعون کے پاس ڈرنا نے والے (۴۰) جھٹلایا انہوں نے ہمدی سب نصیحتوں کو۔ پس پکڑا ہم نے اُن کو پکڑا ایک زبردست اور قدرت رکھنے والی ہستی کا (۴۱)

ربطیات

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے پانچ افغانی قریب کا ذکر کر کے اُن کی تباہی کمال بیان کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح سابقہ اقوام افغانی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں، اسی طرح اگر اہل مکہ بھی اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے تو اُن کا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔ گزشتہ درس میں قریب قریب اور قریب قریب کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب آج کے درس میں مزید تین اقوام یعنی قریب قریب، قریب قریب اور قریب قریب کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کو دنیا میں پیدا پورا موقع دیا مگر

وہ ایمان نہ لائے بلکہ انٹر کے غیروں کو جھٹلایا، اُنکی کونکلیایت پہنچائیں۔ تو حیدر نے انکی
اور محاد کا انکار کیا جس کی وجہ سے انٹر نے انہیں اسی دنیا میں سزا دی اور انہیں
صغیر ہستی سے شاکر رکھ دیا۔

ارشاد ہوا ہے كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ قوم ثمود نے ڈر نے
دلوں میں انٹر کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ انٹر نے اس قوم
کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو ہی بعوث فرمایا تھا مگر یہاں پر نذر جمع کا صیغہ
استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انٹر کے کسی ایک نبی کو جھٹلانا تمام نبیاء
کے جھٹلانے کے مترادف ہے۔ سارے غیروں کا انٹر تو ایک ہی دڑ ہے یعنی
انٹر کی توحید کا پیغام، ایمان، نیکی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، البتہ غریبوں میں
مقدور، بہت اختلافات بہ قریر فروری ہیز ہے مگر نہ دین سب کا ایک ہی ہے۔
اس لیے ایک نبی کی تکذیب گویا سارے غیروں کی تکذیب کے برابر ہے۔ تو یہاں پر
سارے غیروں کو جھٹلانے سے یہ مراد ہے۔

بہر حال قوم ثمود کے لوگ بڑے جبر تھے فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّثْلَ وَاحِدٍ
ثُمَّ نَعْبُدُهُمْ كَمَا يَهْمُ بَنِي إِسْرَءِيلَ اور اس کا اتباع کرنے لگیں۔ یہ بھی
تو آخر ہماری بلادی کا ہی آدمی ہے، اس میں کوئی سی خوبی ہے جو ہم اس کی بناؤ
قبول کریں؟ کہنے لگے، اگر ہم نے اس کی بات مان لی إِنَّا إِنَّمَا لَنَفْسٍ حَاسِلَةٍ
شَقِيَّةٍ تو شک ہم گمراہی اور دیکھائی میں ہوں گے، لہذا ہم اس کی چال میں گئے
کی طاقت نہیں کر سکتے، غرضیکہ قوم نے اپنے نبی کو دیوانہ اور اس کے پیروکاروں
کو گمراہی کا لقب دیا۔

پھر انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی کے حق میں یہ دلیل بھی دی وَإِنَّمَا لَنَفْسٍ
اَلْوَدَّ كُنَّا عَلَيْنَا وَهَمَّ كَيْفَ نَسْتَعِينَا کیا ہمارے درمیان میں سے اس پر نصیحت
مثال دی گئی ہے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور آدمی نہیں تھا جو نصیحت کا مورد
بنتا؟ اس کے پاس نہ مال ہے نہ دولت، نہ باغات ہیں اور نہ یہ تجھے کا

قوم ثمود
کی ہٹ دھرمی

ناکھ ہے قرآن کے نزول کا کیسے مستحق بن گیا ہے جو کہ ہے کہ بظہر پر وہی نازل ہوتی ہے اور اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اس قسم کی باتیں ہر نبی کے وقت میں ہوتی رہی ہیں۔ خود حضور علیہ السلام کی قوم قریش بھی اسی قسم کی بات کرتی تھی کہ **قَالُوا كَذَٰلِكَ نَزَّلَ هَٰذَا الْفُرْقَانُ أَثَرُ الْفَرَسَيْنِ عَظِيمُ** (النزہدہ ۲۱۰) کہتے تھے کہ یہ قرآن تم کے اور طاقت کی دو بہتیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ یہاں بڑے بڑے سردار اور چھپرے ہیں جن کے پاس مال و دولت و جتہ اور جانتہ ہیں۔ مگر ان میں سے تو کسی پر قرآن نازل نہیں ہوا، کیا اس کام کے لیے ابوطالب کا قیم محتاجا ہی رہ گیا تھا؟

مغربیکہ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت و رسالت کو تسلیم کرنے کی بجائے کہنے لگے **بَلْ هُوَ كَذَابٌ أَشْوَجٌ**۔ بلکہ یہ شخص تو جھوٹا اور اترانے والا ہے۔ یہ نبوت کا دعویٰ کر کے اپنی بڑائی بیان کرنا چاہتا ہے۔ ہم طے اللہ کا نبی ماننے کے لیے تیار نہیں۔

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا **سَيَعْلَمُونَ كَذَابُ الْكَذَّابِ** **الْأَشْرَرُ** یہ لوگ عنقریب کل ہی جان میں لگے کہ کون جھوٹا اور اترانے والا ہے غدار سے مراد بالکل اگلا دن نہیں بلکہ اس کا مطلب مستقبل قریب ہے جیسے سورۃ المؤمنین میں اللہ کا فرمان ہے **لَا تَدْرِي لَكَ بِهِ جَارٌ وَلَا يُحِيطُ بِشَيْءٍ مِّنْ شَيْءٍ** **مَا كُنَّا نَعْلَمُ لَكَ شَيْءًا** (آیت ۱۸۰) اور دیکھو کہ تم نے کل میں تو قیامت کیلئے کیا سلام تیار کیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ عنقریب کل ہی ان کو پتہ چل جائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ یہ لفظ عربی ادب میں بھی ان معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

مَنْ جُئُوا عَدَاؤِي عَدَاؤًا كَمَا سَلَكْتُ فِي
الْحَيَاتِ لَا يَذَرُونَنِي مَا نِيلْتُ

تم کل کی امید رکھتے رہتے ہو مگر کل کا معاملہ تو غامضی میں عاملہ عورت کی مانند

ہے جس کے متعلق کچھ سچ نہیں کہ وہ کل کیسے گی۔

اوزنی بطور
مستحضر

اللہ نے فرمایا اِنَّا مِّنْ سِوَالِ الْاَقْوَامِ فَتَنَّاہُمْ مِمَّا کَانَ ہُمْ اِلَیْہِ اِلٰہًا
آزمائش کے لیے ایک اوزنی کو بھیجے گئے ہیں۔ اللہ نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کو
تسلیم دیا کہ آپ اِن اناجیاؤں کی تکلیف وہ باتوں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ ہم اِن
کو ایک آخری موقع دے رہے ہیں فَارْتَقِبْہُمْ وَاَصْطَلِبْہُمْ پس آپ تھوڑی
دیر انتظار کریں اور صبر و تحمل سے کام لیں، ہم غمغریب انہیں کیفر کرنا تک پہنچا
دیں گے۔ اوزنی کا واقعہ بہت ہی سہولتوں میں بیان ہو چکا ہے توہ نے خود صلی علیہ السلام
سے مطالبہ کیا تھا کہ اس چٹان میں سے ہمارے سنے ایک اوزنی نکالو جو ہمارے
سامنے کچھ بھی بنے، پھر ہم آپ کی صداقت پر ایمان لائیں گے۔ اللہ نے ان کا
یہ مطالبہ تسلیم کیا اور اُن کے سنے چٹان سے ایک غیر معمولی اوزنی برآمد ہوئی۔ یہ
بڑی قدر آور اوزنی تھی جسے سورۃ الفس میں نافذ الشکر کہا گیا ہے حضور علیہ السلام کے
ایک جلیل القدر صحابی ابو ہریرہؓ اشعریؓ نے اس اوزنی کے بیٹھنے کی جگہ کی پیمائش
کی تھی تو یہ قرعے فاش ہو گئے، اتنی بڑی کلائی والی اوزنی تھی۔ یہ اوزنی دور دورہ بھی بہت
درجن تھی۔ جس شخص کا جب جی پاہتا اس سے دور دورہ دیتا اور وہ کئی تعمر میں
نہ کرتی۔

پانی کی
تقسیم

یہ اوزنی جس قدر قدر آور تھی اسی قدر وہ پانی بھی زیادہ قیمتی تھی۔ جب یہ
پانی کے گھاٹ پر جاتی تو پانی جانور شے دیکھ کر بھاگ جاتے اور سارا پانی یہ ایکلی
ہی پی جاتی۔ اس بنا پر پانی جانوروں کی سیرانی کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اس مسئلہ کا حل
بھی اللہ نے خود ہی فرمادیا اور اپنے نبی کو وحی کی وَبَشِّرْہُمْ اَنَّ اَللّٰہَ رَحِیْمٌ
بِیْنْتِہُمْ اَبَیْہِمْ اُنَّیْ کو بتادیں کہ ان کے درمیان پانی تقسیم شدہ ہے اس تقسیم
کے مطابق کُلُّ شَرِبٍ لِّخَمْسٍ ہر ایک کو اپنی باریک پر پہنچا چاہیے پانی
کی تقسیم اس طرح کی گئی کہ ایک دن ایک اوزنی پانی پئے اور دوسرے دن پانی سارے
جانور سیراب ہوں۔ اس طرح گویا باری بھڑائی گئی جس سے پانی کا مسئلہ حل ہو گیا۔

امام ابو بکر جہاں فرشتے میں کہ یہ پانی کی تقسیم نہیں تھی بلکہ پانی کے منافع کو تقسیم کر کے
 ہاری محقر کر دی گئی تھی کسی حوض یا کنوئیں پر اس قسم کی تقسیم درست ہے اور فقہاء
 کی اصطلاح میں اسے مایات کہا جاتا ہے۔ امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حکم
 قرطاج علیہ السلام کی شریعت میں تھا، اور کیا یہ ہمدانی شریعت میں بھی نافذ العمل ہے؟
 اس کا جواب خود ہی دیتے ہیں کہ اگر قرآن پاک میں کسی پہلی شریعت کا کوئی منکر بیان
 کیا گیا ہو جس کی تردید بھی قرآن میں موجود نہ ہو تو ایسا منکر ہمدانی شریعت میں بھی نافذ
 سمجھا جائے گا۔ بعض چیزوں کو پہلی شریعتوں میں جائز قرار دیا گیا ہے مگر قرآن
 یا سنت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ ہمدانی شریعت میں ردائیں تو ایسا حکم ہمارے
 لیے جائز نہیں ہو گا۔ اور پہلی شریعتوں کے جس حکم کو انشراح ائیس کے نبی نے
 منسوخ قرار نہیں دیا اور ہمارے لیے بھی نافذ ہو گا۔ یہ قرآنی کی تقسیم کا قانون بنایا
 اور یہ صلح علیہ السلام کی شریعت میں تھا۔ مگر عدم تنفیخ کی وجہ سے ہمارے لیے
 بھی جائز ہے۔ جس چیز میں بہت سے لوگوں کے حقوق مشترک ہوں، اس سے
 فائدہ اٹھانے کے لیے ہمدانی شریعت میں کیا جاتی ہے۔

شاہ عبدالغفارؒ لکھتے ہیں کہ ائیس قسم میں ایک بدکار عورت تھی جس کے
 بہت سے مریض تھے جنہیں اس اونٹنی کی دوسرے پانی پینے میں وقت کا سامنا تھا
 چنانچہ ائیس عورت نے اس اونٹنی کے نلے کے لیے ایک شخص تدارا بن سالت
 کی خدمات حاصل کیں۔ یہ بد بخت آدمی ائیس عورت کے بھانے میں آگیا، ائیس نے
 کچھ دوسرے آدمی ساتھ لائے اور اونٹنی کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اسی واقعہ کے تعلق
 انشراح بیان کرنا فرمایا کہ اَوَاصِحَ جَہَنَّمِ مِّنْ اُنْثٰی نَہْنِ سَاطِیِہِ
 پکارا تھا گئی ائیس نے اَوَاصِحَ جَہَنَّمِ مِّنْ اُنْثٰی نَہْنِ سَاطِیِہِ
 تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جب وہ اونٹنی گر پڑی تو ان لوگوں نے غداروں
 چلا کر ائیس کے گھر لے کر دیے۔ اونٹنی کا بچہ بھی ساتھ تھا۔ وہ یہ واقعہ دیکھ کر بھاگ
 گیا۔ ائیس چان پر جا کر زور زور سے چیخیں ماری جہاں سے اونٹنی برآمد ہوئی تھی۔

قلیل تاویل
 عذاب الہی

اور پھر اسی چٹان میں غائب ہو گیا۔ اللہ نے قوم کو تین دن کی عسالت دی اور اس کے بعد پوری قوم کو غلیا میٹ کر دیا۔ اللہ نے فرمایا فَاَكَيْفَتُكَفَّنُكَ عَذَابِي وَفُكَّرُ پھر کیا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرنا۔

قوم کی ہلاکت کے متعلق اللہ نے فرمایا اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَيِّفًا مُّوَحِّدَةً ہم نے ان پر ایک ہی کھنجر بھیجی۔ فرشتے نے ایسی بیخ ماری کہ لوگوں کے ہڈی میٹ گئیں اور بچے سے زلزلہ بھی آیا جس سے پوری کی پوری قوم ہلک ہو گئی۔ اللہ نے فرمایا فَاَكَلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ لَا يَحْتَفِلُونَ وہ روزی ہوئی باز کی طرح روزہ روزہ ہو کر رہ گئے۔ اللہ نے عبرت کے لیے یہ واقعہ بیان کیا اور ساتھ نصیحت کی بات بھی کی۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ هَدَىٰ لَمْ يَمْلِكِ مِنْهُ لُجُجٌ اَوْ اَلْبَتَرُ تحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے، اس پر ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا! اگر کوئی نصیحت کا عتاب ہے تو وہ قرآن حکیم سے بخوبی استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔

قوم لوط
پر عذاب

آگے چلتے واقعہ میں اللہ نے قوم لوط کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہر گز نہ بھٹ
قَوْمُ لُوطٍ اِنَّا لَنَذَرُ قَوْمَ لُوطٍ لِّمَنۢ لَّيۡسَ لَہُمۡ دَالِقٌ اِلَّا اَلْبَتَرُ انہیں بڑے
عرصہ تک قوم کو بھلا مارا۔ مگر وہ لوگ ایک طرف تو کفر اور شرک کا ارتکاب
کرتے تھے تو دوسری طرف انہیں بڑی جیسی قبیح اخلاقی بیماری میں مبتلا تھے انہوں
نے لوط علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانی اس کے نتیجے میں اللہ نے فرمایا۔ اِنَّا اَرْسَلْنَا
عَلَیْہِمْ حَاصِبًا ہم نے ان پر تہ آگہی بھیجی جس میں پتھر شامل تھے۔ اس قوم پر
آسمان سے پتھر سے ہر پتھر پر نام لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں سودا کے سر پر پڑ گیا
اور یہ فلاں بچہ پر ہی کو لگے گا۔ اس طرح اللہ نے ساری نافرمان قوم کو سنگسار کر
دیا۔ اِنَّا اَنۡزَلْنَا سَوَآءَ لُوطٍ عَلَیۡہِ السَّلَامَ کے گھرانے کے کہ وہ اس ہلاکت سے
بچ گئے۔ لوط علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیٹیاں تھیں، وہ بھی بچ گئیں مگر آپ
کا نافرمان بیوی نہ بچ سکی۔ جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں فرمایا اِنَّ اَمْرًا اَشَدَّ

کَا تَحْسَرُ مِنَ الْغَيْبِ مِنْ (آیت ۸۳۰) کہہ کر وہ چپے پہنے والوں میں تھی، یعنی اللہ کے حکم کے مطابق راتوں رات لوط علیہ السلام کے ساتھ رہتی تھے نکلی، لہذا باقی قوم کے ساتھ ہی تباہ ہو گئی۔

فرمایا سونے لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے بَنِيكَمْ هُمْ بَعْدَكَ ہم نے ان کو کڑی کے وقت پہلایا۔ جب ہماری کے وقت اللہ کا عذاب آیا تو یہ لوگ اپنی چھوڑ کر جا چکے تھے، لہذا بچ گئے۔ فرمایا یہ پہلا يَقَعَتْ مِنْ بَيْنِنَا ہماری طرف سے خاص میرا ہی تھی كَذَلِكَ يَجْزِي مَنْ يَشْكُنْ ہم شکر گزاروں کو اسی طرح جلد دیتے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے گھر والے ہمارے شکر گزار بندے تھے، لہذا ہم نے ان کی حفاظت رکھا۔ آگے اللہ نے واقعہ کی تمثیل کا تفصیل بھی بیان کی ہے وَلَقَدْ اَنْذَرْنَاهُمْ فَطَمَسْنَا الْاٰيَاتِ تحقیق ہم نے اس قوم کو اپنی گرفت سے ڈرایا کہ کفر و شرک اور فحش حرکات سے باز آ جاؤ، مگر انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی بلکہ فَتَجَارَوْا بِالْاٰنْذَارِ وہ ڈرنا نہ والوں کے ساتھ جھگڑا کرنے لگے کہنے لگے تم بڑے پاکیزہ آئے ہو ہمیں نصیحت کرنے کے لیے، ہم تمہیں اپنی بہن سے نکال باہر کر دیں گے۔ غیور ہیں ایسا کئی دھڑلہ کیا کرو۔ وَلَقَدْ رَاَوْهُمُ خٰیِفًا اور البتہ تحقیق انہوں نے لوط علیہ السلام کو ان کے مہمانوں سے پیوستے کی کوشش کی یعنی ان کو اپنے اور مہمانوں کے درمیان حائل ہونے سے روکنا چاہا مگر وہ اپنی قبیلہ خواہش کی تکمیل کر سکیں۔ مگر لوط علیہ السلام نے گھر کے دروازے بند کر دیئے تاکہ قوم ان کے مہمانوں کی بے حرشی نہ کر سکے۔ مگر وہ بڑی ناہنجار قوم تھی۔ وہ گھر کی دیواریں چھلگ گئے اندر آ گئے ماس پر لوط علیہ السلام سخت پریشان ہو گئے۔ سورۃ ہود میں ہے کہ انہوں نے فرمایا هٰذَا يَوْمُكُمْ عَذِيبُكُمُ (آیت ۷۷) آج تو بڑا مشکل کا دن ہے آپ نے قوم کو بڑا سمجھایا کہ خدا کے بندو! مجھے رسوا نہ کرو کیونکہ مہمانوں کی رسوائی میری رسوائی ہے۔ اپنی منہی خواہش کے لیے میری اور قوم کی پچھیاں ہیں ان سے نکاح کرو۔ مگر وہ لوگ نصیحت کی کوئی بہت

ٹخنہ کے لیے تیار نہ ہوئے ۔

جب مسلمانوں نے لوط علیہ السلام کو اس پریشانی میں دیکھا تو اپنے آپ کو ظاہر کر دیا، لوط علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اللہ انہیں بکھر فرماتے ہیں اور اس قوم پر عذاب نازل کر دینے کیلئے آئے ہیں، آپ پیچھے ہٹ جائیں، ہم خدا ان سے نیک بنائے گئے، چنانچہ جو نبی جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر ہایا تو انہوں نے فرمایا فَلَا خَلْقَ لَكَ أَجْمَعًا ہم نے انکی آنکھیں ہی بند کر دیں وہ سب کے سب اندھے ہو گئے مگر پھر بھی اپنی فبیح حرکت سے باز آئے کی بہلئے وہ انہوں سے ٹھٹھل ٹھٹھل کر مسافروں کو گواہی کرتے تھے۔ فَذُوقُوا عَذَابِي وَذُوقُوا عَذَابِي اور میرا ڈرانا، پھر انہوں نے لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے اہل خانہ کو لے کر رات کے پچھلے حصے میں بستی سے نکل جائیں اور پیچھے ہٹ کر نہ دیکھیں، آپ نے ایسا ہی کیا، بچپوں کو لگے لگے چلایا اور خود پیچھے پیچھے چلنے لگے اور اس طرح آپ بستی سے دور نکل گئے۔ پھر انہوں نے اس قوم پر صبح کے وقت عذاب بھیجا جس کے متعلق یہاں فرمایا ہے وَلَقَدْ أَصْحَبْنَاهُ لَمَجْمَعًا عذابِ مَسْحَقِ اور البتہ تحقیق صبح سویرے ان پر ایسا متعلل عذاب آیا جس سے ابہ اکباد تک نہ نکل سکیں گے، یہ تو انہوں نے دنیا میں سزا دی، پھر لگے بزدلی کی سزا، اور پھر آخرت کی سزا ہوگی، اسی لیے فرمایا کہ انکی ہر ہیشہ کے لیے عذاب نازل ہوا فَذُوقُوا عَذَابِي وَذُوقُوا عَذَابِي اور میرا عذاب اور میرا ڈرانا تم جیسے ناہنجاروں کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے۔ لَکَ اَللّٰہُ رَیْبٌ فَرَقْنَا پاک کی طرف تو جو رلائی ہے۔ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْعُقُلَانِ یَلٰہُوکَیْ فَمَنْ مِّنْکُمْ کَیْمٌ اور البتہ تحقیق، ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، اس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ؟

اس سورۃ میں انہوں نے پانچوں نمبر پر قوم فرعون کی جاہل کاذب کہا ہے ۔ وَلَقَدْ جَاءَهُ اَلْکُرْهُنَ الْعُذْرُ اور البتہ تحقیق آل فرعون کے پاس بھی ڈر نہ لے گئے آئے، انہوں نے یہ عظیم رسول حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام تھے

قوم فرعون
کی حرکت

جنہوں نے فرعون کو تو حید کی دعوت دی اور ساتھ ہی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ
 کیا مگر انہوں نے قیسم کرنے کی بجائے گڈ بگڑا دیا اِنَّا صَٰلِحٰتُکَآ ہماری قدم نشانیوں
 کو مٹا دیا۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو جادو کہہ کر
 رد کر دیا۔ اللہ نے فرمایا فَاَخَذْنٰهُمُۢمِّنْ عِزِّیْ مُقَدِّرًا ہم نے پکڑا
 اُن کو ایک غلاب اور قادر ہستی کا پکڑنا۔ تمام قوتوں کا سر مشہد تو اللہ تعالیٰ ہے
 لہذا اس سے بڑھ کر گرفت کس کی ہو سکتی ہے؟ اللہ نے ایسے عذاب میں پکڑا
 کہ جس سے کبھی باہر نہیں نکل سکیں گے۔ دنیا میں بحر قلزم کی موجوں کی تذبذب ہونے
 اور آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے، لہذا فرمایا کہ ہم نے انہیں بڑی
 سخت گرفت میں جکڑ لیا، یہ پانچ واقعات اللہ نے نہایت ہی اختصار کے
 ساتھ بیان کر دیے ہیں تاکہ مشرکین عرب اور بعد میں آنے والے لوگ ان واقعات
 سے عبرت پکڑیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر میں۔

الْفَارُكُمُ خَيْرٌ مِّنْ أَوْلِيكُمُ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي
 الزُّبُرِ ① أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ②
 سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ③ بَلِ السَّاعَةُ
 مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمَرٌ ④ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ
 فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ⑤ يَوْمَ يُسْعَبُونَ فِي النَّارِ
 عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ⑥ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ
 خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ⑦ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ
 بِالْبَصَرِ ⑧ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ
 مَّذَكِّي ⑨ كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ⑩ وَ
 كُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ⑪ إِنَّ الْمُتَّقِينَ
 فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ⑫ فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ عِندَ
 مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ⑬

ترجمہ :- کیا تمہارے کافر بہتر ہیں ان سے ، یا
 تمہارے لیے برات لکھا ہوا ہے صہیفوں میں ①
 کیا کہتے ہیں یہ لوگ کہ ہم سب بدلہ لینے والے
 ہیں ② ③ صغیر و کبیر مستطرد ④ ⑤ ⑥ ⑦ ⑧ ⑨ ⑩ ⑪ ⑫ ⑬

۵۰ پشت پھیر جائیں گے ۵۱ بلکہ قیامت اس کے واسطے
 کا وقت ہے اور قیامت بہت بڑی آفت اور کڑی
 چیز ہے ۵۲ بیشک بھرم لوگ گمراہی اور جہنم میں ہیں ۵۳
 جس دن گھسیٹ جائے گا اسی کو دوزخ کی آگ میں پھریں
 کے بل (اور کہا جائیگا) پکسو آگ کا جہنم ۵۴ بیشک
 ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک اندازے کے
 ساتھ ۵۵ اور نہیں ہے ہمارا معاملہ مگر یکپہلوگی آٹھ پہکنے
 کی مانند ۵۶ اور ابدہ تحقیق ہم نے ہلاک کیے ہیں
 تمہارے ساتھ طے ہیں ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے
 والا ۵۷ اور ہر وہ چیز جو انہوں نے انجام دی ہے،
 صیغوں میں درج ہے ۵۸ اور سر جھوٹی اور بڑی چیز
 سکی ہوئی ہے ۵۹ بیشک متقی لوگ جنتوں اور نہروں
 میں ہوں گے ۶۰ اسی بیشک میں ایک بڑی قدرت
 رکھنے والے بادشاہ کے پاس ۶۱

تہذیب

اس سورت میں جملہ بنیادی عقائد میں سے وقوع قیامت اور جزائے عل پر
 زیادہ زور دیا گیا ہے۔ گزشتہ سورتوں میں پانچ سابقہ اقوام کا ذکر کیا گیا ہے جن
 کو اللہ نے ان کی نافرمانی اور سرکشی کی بنا پر دنیا میں ہی سزا دی اور ان کو سزا دینے
 سے ناہمو کر دیا۔ یہ قومیں قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم فرعون
 ہیں ان اقوام کا حال ذکر کر کے اللہ نے نزولِ قرآن کے زمانے اور بعد میں آنے
 والوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ بھی مذکورہ اقوام کے نقش قدم پر چل کر اپنی ہلاکت
 کو دعوت نہ دیں۔

اب آج کے برس میں کفار کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے اَلْكَافَرُ کُفْرًا
 حَیْرٌ مِّنْ اَوَّلِ کُفْرٍ کیا تمہارے یہ کافر مذکورہ سابقہ اقوام کے کافروں

کفار کفر کا کلمہ

سے بہتر ہیں؟ وہ تو قسم سے مال و دولت اور مہمانی طاقت میں بڑھے ہوئے تھے پھر تم کس بنا پر اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتے ہو؟ قانونِ مکافات تو یہاں ہے۔ جب وہ لوگ کفر، شرک، نفاق، فحشاء اور الکاحر رسالت اور معاہدہ کی وجہ سے گرفت میں آئے تو تم میں کیا خوبی ہے کہ تم بھی انہی کے نقشِ قدم پر چل کر عذاب الہی سے بچ جاؤ گے۔ اسی طرح اللہ نے سورۃ المدثر میں فرمایا۔
 اَشْرَحَ حَبِیرَ اَعْرَاقِهِمْ تُبٰیحُ (آیت ۲۷) کیا یہ لوگ بہتر ہیں؟ قومِ نوح انہی سے پہلے لوگ۔ فرمایا جب قومِ نوح کو ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو انہی سے کوئی بہتر قومیں ہیں جو یہ نیک جاہل تھے۔ سورۃ سبا میں ارشاد ہوتا ہے وَتَکُنْ لِّبَاقِیْنَ مِثْلًا مَّا اَتٰیہُمْ (آیت ۳۵) پہلے لوگوں کی نسبت ہم نے نیکوں کو ان کے ذمے کے کافروں کو اسی طرح بھی نہیں دیا، پھر یہ کس بات پر غور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان پر گرفت نہیں آئے گی۔

فرمایا کیا تمہارے یہ کافر پہلے کافروں سے بہتر ہیں؟ اَفَرَأٰی کَکُمْ یَوْمَ تَکُونُ الْوُجُوہُ بِحُجُرٍ مِّنْ نِّصْفٍ مِّنْ اَرْضٍ رَّیٰہَا اَسْمٰی (آیت ۲۷) کیا تم جو جاہلوں کے تھے، تم سے کوئی بہتر نہیں ہوگی۔ اسی قسم کا زعم بالیہودیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ بھی کریں ہمارے گرفت نہیں ہوگی۔ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم سزا میں بھی تو صرف چالیس روز کی ہوگی جس عرصہ میں ہم نے کچھ شے کی ہو جاگی تھی، اس کے علاوہ ہمیں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ فرمایا اَفَرَأٰی یَوْمَ تَکُونُ الْوُجُوہُ بِحُجُرٍ مِّنْ نِّصْفٍ مِّنْ اَرْضٍ رَّیٰہَا اَسْمٰی (آیت ۲۷) کیا تم سے کوئی بہتر نہیں ہوگی کہ ہم سب بدلہ لینے والے ہیں۔ یمن ہم اتنے طاقتور ہیں کہ کوئی ہم سے بدلہ نہیں دے سکتا، بلکہ وہی بدلہ لینے کے قابل ہیں۔ کیا ان کے حجر و غرور کا یہ عالم ہے کہ یہ کسی دوسرے کو پناہ بخالی نہیں سمجھتے؟ فرمایا ان کا یہ خیال بھی غلط ہے۔ ان سے پہلے قومِ عاد نے بھی کہا تھا مَن اَمْسَدُ مِنَّا قُوَّةً وَخَلَعْنَا لِحِجَابِہِ (آیت ۲۷) ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے دنیا میں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ ان سے طاقتور وہ ناسک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، لہذا وہ ان کی گرفت کرنے پر بھی قادر ہے۔

وہ چاہے کونسی کمزور قسمی چیز کے ذریعے تمہیں سزا میں مبتلا کر دے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ بھی سابقہ نافرمان اقوام کی طرح جنگوں سے خراب ہوں گے، اور اس کی صورت یہ ہوگی سَيُكَلِّمُكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِي سُبُحَاتِكُمْ کی جامعیت کو شکست دی جائے گی وَيُؤْتِيكُمُ الدُّنْيَا اور یہ پشت پیر کر جہاں نکلیں گے۔ چنانچہ اللہ نے پانی و صابون پر لکھا اور کھانہ و شراب کو بدست کے میدان میں شکست فاش ہوئی اور یہ میٹھ پیر کر بھاگے، کچھ ملے گئے اور کچھ قیدی بنالے گئے۔ جب حضور علیہ السلام جنگ کے لیے غصے سے باہر آئے تو آپ کی زبان پر یہی آیت مبارکہ تھی جسے اللہ نے حرفِ بکرت پڑا کر دیا۔

آخرت کی سزا

فرمایا دنیا کی سزا تو اصل سزا کا ایک ادنیٰ نمونہ تھا، اصلی سزا تو اللہ کے ان دشمنوں کو آخرت میں ملنے والی ہے۔ فرمایا يَكِلُ الشَّعْطَةُ مَوْعِدَهُمْ بلکہ قیامت تو ان کے وعدے کا وقت ہے۔ اللہ نے خبردار کر رکھا ہے۔ کہ آخرت کی دائمی سزا تو تمہیں قیامت کرنے والی ہے۔ اور یاد رکھو! وَالشَّعْطَةُ اُونٹنی وَأَمْرٌ کو قیامت کی گھڑی بہت بڑی آفت اور کڑی چیز ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو چہرہ تھامے بے کنی ہلے پناہ نہیں ہوگی اور تمہیں سزا کا سزا اگھڑٹے دینا ہی پڑے گا۔ ان کی غفلت کے متعلق فرمایا إِنَّ الصَّابِرِينَ فِي كُنُفِهِمْ يَرْجُو بے شک بھرم لوگ گمراہی اور جنوں میں پڑے ہوتے ہیں جو معاملہ ان کے ساتھ قیامت کو پیش آئے گا، اُس کا اندازہ یہ لوگ آج نہیں کر سکتے۔ ان کی یہ خام خیال ہے کہ ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ فرمایا إِنَّ دِينَ ان کا کیا حال ہوگا يَوْمَ يُنْفَخُ الصُّورُ فِي السَّاعَةِ وَيُؤْتِيهِمْ جس دن یہ لوگ دوزخ کی آگ پر جیروں کے بل تھپتھپائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا ذُوقُوا عَذَابَ سَعِيرٍ آگ کا سزا رکھو۔ سقر دوزخ کے ہول میں سے ایک نام ہے جیسے تحیم، نقلی، سیر وغیرہ۔ فرمایا جس دن تم دوزخ میں اوندھے منہ گھسیٹے جاؤ گے اس دن تمہاری گمراہی اور دیوانگی کا نشہ اُتر جائے گا اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ آخر وہ شرک کا بیجہ کیا ہوا ہے۔

فرمایا اِنَّا كُنَّا شَهِيدًا عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ ہر چیز کو ایک شخص
 شہدائے ہمارے انجانے کے مطابق پیدا کیا ہے۔ کافر کہتے تھے کہ جس قیامت کا وہاب
 جیتے ہو وہ آگے نہیں جاتی اور جس روزخ کے غلاب سے ڈالتے ہو وہ آگے نہیں
 جاتا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہر چیز اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔
 کوئی چیز قبل از وقت نہیں آتی۔ جس طرح ہر شخص کی انفرادی مرتبہ وقت پر
 آتی ہے اور آگے و پیچھے نہیں ہوتی، اسی طرح قیامت بھی اپنے مقررہ وقت پر ہی
 برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جس وقت کسی چیز کو پیدا کیا تو اس کی تقدیر بھی مقرر کر دی
 فلاں وقت میں اس میں یہ یہ تغیر و تبدل ہوگا اور فلاں وقت پر جا کر فتر ہو جائے گی۔
 دنیا میں جتنے تغیرات آئے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم، ارادے اور حکمت کے
 مطابق واقع ہوئے ہیں۔ وَمَا أَكْمَلْنَا لِرَبِّكَ الْخَلْقَ وَلَا وَجَدْنَا لَكَ فِي شَيْءٍ مُّعْتَدًا۔
 معاملہ ترکیبِ آدمی ایسا ہر جیسے آئندہ چھپنے کی دیر ہو مطلب یہ ہے کہ ہم جو چاہتے
 ہیں چشمِ ندان میں ہو جائے، اس میں کسی لیے چوڑے پلان اور بھڑائی پر بندرگاہ
 محل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ہم ہر چیز کو کہتے ہیں جو ہر ترقی ہو جاتی ہے۔
 اس اصل کے مطابق جب ہم چاہیں گے تو قیامت بھی آجائے ہی آجائے گی۔
 اور پھر ہر ایک کو اپنی کارکردگی کا حساب چکانا پڑے گا وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاءَ عَمَّكَ
 اور ابھی تحقیق ہم نے تمہارے ساتھ ملے یعنی تمہارے جیسے بہت سے گروہ پہلے
 ہی ہلاک کر دیے ہیں اگر تم بھی اپنی کے نقصِ قدم پر جلو گے تو غلابِ الہی سے بچی
 نہیں سکو گے۔ یہ واقعات تمہاری عبرت کے لیے بیان کیے جاتے ہیں فَهَلْ كُنْتُمْ
 مِنَ الْمُتَذَكِّرِينَ کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا جو سابقہ قیروں کی ہدایت
 کے واقعات سے عبرت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مان لے اس
 کے دشمنوں پر ایمان لے آئے، تقدیر اور قیامت پر یقین کر لے۔

فرمایا یا اور کہو! ہم ہر شخص کے لیے اس کے اعمال کے مطابق ہی جزا یا سزا کا
 فیصلہ کرتے ہیں۔ ہم نے ہر نفس کے اعمال کی حفاظت کا مستقل انتظام کر رکھا ہے

حفاظتِ اعمال
 کا انتظام

اور اس میں کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔ فرمایا وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزَّمَانِ
ہر انسانی کا انجام دیا ہوا عمل پھیلنے میں مدد ہے وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ
مُحْتَسَبٌ اس کا ہر چیز بڑا عمل اللہ کے حکم کے مطابق لکھا ہوا ہے۔ یہ ان انور
کے اعمال کی حفاظت کا قانون ہے کہ اس کا ہر قول و فعل حرکت اور سکون اللہ
کے فرشتے سمجھتے رہتے ہیں وَكُلُّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِفَةً فِي عُنُقِهِ
(بنی اسرائیل: ۱۷) ہر شخص کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لٹکایا گیا ہے جس کو قیامت
فیلے دن نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور حکم ہوگا۔ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ
فِي لَيْلٍ مُبَارَكَةٍ إِلَيْكَ مَرْسَلًا حبیب (بنی اسرائیل: ۱۳) اس کو پڑھ لو کہ تمہارے
نفس کے طلبے کے لیے یہی کافی ہے آج تم اپنا محاسبہ خود کرو۔ سورۃ الحج
میں فرمایا کہ جب انسان کا اعمال نامہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا تو وہ دیکھ کر
ڈر جائے گا۔ اور حیران ہو کر کہے گا يَوْمَ تَأْتِي سَائِلًا هَذَا الْكِتَابَ لَا يُغَادِرُ
صَفِيرًا وَلَا كِبِيرًا (الاحقاف: ۲۰) ایسے افسوس یہ کیسی کتاب
ہے جس نے نہ کوئی چھوٹی چیز چھوڑی ہے اور نہ بڑی مگر اس کو محفوظ کر رکھا ہے
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کے ہر اچھے یا برے عمل کا
نتیجہ اس کی مدد میں بھی محفوظ ہوگا کیونکہ ہر عمل انسان کی مدد سے پہنچتا ہے
نیکی یا بدی کا یہ قریب قریب میں ہوتا ہے۔ تو جب انسان کوئی عمل انجام دیتا ہے تو
وہ پھیل جاتا ہے اور اس کا نتیجہ پٹ کر روح کے ساتھ آکر جمع ہوتا ہے اور
اس کے اثرات و طوئیں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر چیز اللہ تعالیٰ
کے علم میں بھی محفوظ ہے کیونکہ إِنَّهُ يَحْصِي الشَّيْءَ ثُمَّ يُعِيدُهُ رُحَّةَ السَّجْدَةِ (ہو)
اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور کوئی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ اسی لیے
تقدیر کا مسئلہ ایمانیات میں داخل ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

تقدیر کی
تین قسمیں

محدثین کو ائمہ تقدیر کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں۔ پہلی تقدیر کاغذی ہے۔ جو کہ
روح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ گویا روح محفوظ علم الہی کا ایک عکس ہے لام غزالی ؒ

فرشتے ہیں کہ لوح سے مراد ایسی تختی نہیں جو ہمارے تصور میں ہے بلکہ یہ ایک ایسی لوح ہے جس کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر ہے ضرور اور اس میں ہر چیز محفوظ ہے۔ آپ مثال کے ذریعے سمجھتے ہیں کہ ایک حافظ قرآن آدمی کے دماغ میں قرآن پاک اقول تا آخر محفوظ رہتا ہے لیکن اگر اس کے دماغ کا آپریشن کیا جا تو وہاں گوشت، اخون اور رگوں کے سوا قرآن کا ایک حرف بھی نظر نہیں آئے گا۔ اسی طرح لوح محفوظ میں ہر چیز درج ہے جو اللہ کے علم تفصیلی کا ایک نمونہ ہے اللہ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی ہر چیز لوح محفوظ میں درج کر دی تھی۔

تقدیر کی دوسری قسم تقدیرِ ارادی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں اقول سے آخر تک جو بھی چیزیں ہر جہاں ہیں یا جو آئندہ ہوں گی وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے سے واقع ہوئی ہے۔

اور تیسری قسم تقدیرِ علی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ازل میں جانتا تھا آج بھی جانتا ہے اور آئندہ بھی جانتا ہے گا اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غلاں چیز کا علم نہیں تو وہ کافر سمجھا جائیگا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب کوئی چیز ظاہر ہوتی ہے تو اس وقت اللہ کو علم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے علم تفصیلی کے منکر ہیں اور قطعی کافر ہیں۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تقدیرِ کنانی اور تقدیرِ ارادی کے منکر ہیں، اگر ان کا انکار کسی تاویل کی بناء پر ہے تو گمراہی ہے اور اگر وہ سکر سے ہی انکار کرتے ہیں تو پھر کافر ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ کوئی آدمی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ توحید، رسالت، بعثت اور تقدیر پر ایمان نہیں لاتا۔ اللہ تعالیٰ کافر بھی ہے کافر بھی ہے (۱۰۰) خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا۔ اور پھر اس کے لیے ہدایت کا انتظام بھی فرمایا۔ خدا تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ میں سے ایک صفت تقدیر بھی ہے۔ تقدیر کے جو معنی یہ نظر آ سکتے ہیں کہ ہم تمام اعمال اپنی مرضی سے انجام دیتے ہیں، وہ تقدیرِ فرقہ گداز ہے۔

یہ فرق دوسری صدی میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے برخلاف جرگ انسانی کو پتھر کی طرح
بجور محض سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انسانی کو کچھ اختیار نہیں، وہ جبر و قسرت
کھاتا ہے، یعنی انسانی ہر کام مجبوراً کرتا ہے، اس کو نہ کوئی اختیار ہے اور نہ یہ
پتہ اندازے کرتا ہے، یہ بھی گمراہ فرقہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک متناہک اختیار کر کے
مکلف بنادیا ہے، جس کی بنا پر اسے قانون کا پابند کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ اختیار نہ
ہوتا تو ان پتھر کی طرح جامد ہوتا اور اس سے کوئی باز پرس بھی نہ ہوتی۔ لیکن انسانی
قوت و مطلق بھی نہیں ہے کہ جو چاہے کتا چھوے اور اس سے کوئی باز پرس نہ ہو۔
نہیں بلکہ انسان کا اختیار محدود ہے جس سے آگے وہ نہیں جاسکتا۔ جہاں قانون
کی پابندی کی ضرورت ہے وہاں تو اللہ نے اختیار سے دیا ہے تاکہ انسان اپنی مرضی
اور اندازے سے قانون کی پابندی کرے یا اس کا انکار کر دے۔ اسی بنا پر انسانی مکلف
ہے اور قانون کی پابندی یا عدم پابندی کر کے ہی وہ جزا یا سزا کا مستحق بنتا ہے۔ البتہ
اگر کسی مجرم اضطراب کی حالت پیدا ہو جائے تو وہاں مواخذہ نہیں ہوگا۔ خطہ کوئی شخص عرف
کا مریض ہے اور اسے اپنے دماغ میں کنٹرول حاصل نہیں۔ اگر اسی حالت میں اگر
اس کے دماغ سے کوئی برائی دھڑک کر نکلتی جاوے تو اس کا مواخذہ نہیں
ہوگا، اسکا ایکسی دوسٹر کر لیا جاتا ہے تو اس کی مجبوری کی بنا پر اس سے انتقام
نہیں لیا جاتا۔ اور اگر کوئی شخص لازماً برائی توڑتا ہے یا کسی دوسٹر شخص پر
دست در اندازت قرار دیا ہے کہ وہ قابل مواخذہ سمجھا جائے گا۔ بہر حال انسانی نہ
تو مطلق مطلق ہے اور نہ ہی مجبور محض۔ اللہ نے اسے ایک خاص متناہک اختیار
دیا ہے جسے وہ اپنی مرضی اور اندازے سے استعمال کرتا ہے اور اسی پر اس کی
جزا یا سزا کا دار و مدار ہے۔ اللہ نے سورۃ کے آخر میں تقدیر کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے
آگے فرمایا اِنَّ الْعَاقِبَةَ لَیْۤنَ فِیْ جَدَّتْ وَفَاۡتَحَۡتْ لِّکَ مَسٰۤرِعُ رَیۡۤتِیْ رَکِ
بانت اور نشوون میں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق یہ متنی
وہ ہے جو کفر، شرک، انفاق، بدعتیگی اور معاصی سے بچتا ہے۔ سورۃ فالت میں

گزر چکا ہے کہ جنت میں چار قسم کی نہریں ہوں گی۔ جن میں صاف پانی، شہر، درودھ اور شراب بہوے گا۔ دواں دواں ہوگا۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہ نہریں زمینی نہروں کی طرح زمین دوز نہیں ہوں گی۔ بلکہ زمین کے اوپر چل رہی ہوں گی اور اہل جنت ہر چاہیں گے مڑ کر سے جا سکیں گے۔ یہ کیفیت کن تو بھڑ میں نہیں آتی مگر اگلے جہان میں یہ سب کچھ ممکن ہوگا۔

فرمایا جنتی لوگ باطنی اور نہروں میں ہوں گے فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ بھی بیشک میں سچائی کی یہ شاندار اعزاز اور باسعادت بیشک کہاں ہوگی ؟
 فرمایا عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ مَعْقُودٍ یہ قدرت نامہ لکھنے والے بادشاہ کے لڑے اور وہ وہی ذاتِ خداوندی ہے جو قادرِ مطلق اور علیم کل ہے۔ پہلے انداز کا بیان تھا۔ اب آخر میں دوسرا پہلو بھی بیان کر دیا۔ تو یہ سب کے ساتھ تو غیب بھی ہو گئی۔ مگر اہل ایمان کا اچھا انتہام بھی بیان فرما دیا۔

سُورَةُ الْاِنشَانِ
(مَكِّيَّةٌ)

قال فليخطبك ۲۰

الرحمن ۵۵

رِس اول ۱

آیت ۱ ۱۳

سورة الرحمن مكية بقرآن ثمان و سبعون آية و كانت ركوعات
سورة الرحمن مكية ۱۰ اور یہ اُسی آیتوں اور اس میں تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فروع کراہیں اور تھالی کے نام سے جو بعد صریحان و ناسیت دھم کرنا ہے

الرَّحْمَنُ ① عَلَّمَ الْقُرْآنَ ② خَلَقَ الْإِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ
الْبَيَانَ ④ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ⑤ وَالنَّجْمُ
وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ⑥ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ
الْمِيزَانَ ⑦ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ⑧ وَاقِيمُوا
الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ⑨ وَالْأَرْضَ
وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ⑩ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ
الْأَكْمَامِ ⑪ وَالْعَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ⑫
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ⑬

ترجمہ :- رحمن نے ① سکھایا ہے قرآن ②
پیدا کیا ہے اس نے انسان کو ③ سکھایا ہے
اس کو پورا ④ سورج اور چاند ایک حساب سے چل
رہے ہیں ⑤ اور پھلے اور درخت سمندر کر کے ہیں ⑥

اور آسمان کو اونچا کیا ہے اُس نے ، اور رکھی ہے
 اُس نے قزاق ⑤ کہ نہ نواہی کرو تم قزاق میں ⑥
 اور قائم کرو قزاق کو انصاف کے ساتھ ، اور نہ گھٹاؤ
 قول میں ⑦ اور زمین کو رکھا ہے اُس نے مخلوق کے
 لیے ⑧ اُس میں پھل ہیں اور کھجوریں ہیں جن پر
 غلات چڑھے ہوئے ہیں ⑨ اور دانے بھوسے دانے
 ہیں ، اور خوشبودار پوسے ہیں ⑩ پس تم دونوں اپنے
 رب کی کس کس نعمت کو بھٹاؤ گے ⑪

ہم اور
 کوٹھ

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الرحمن ہے جو اس کے پہلے لفظ سے اخذ
 ہے صرف ایک آیت کے سوا یہ ساری سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی اس سورۃ
 کی انتہی آیت اور تین رکوع ہیں اور یہ سورۃ ۲۵۱ الفاظ اور ۱۶۳۶ حروف
 پر مشتمل ہے

مضامین

مکی سورۃوں میں عام طور پر بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے ۔ ان سورۃوں میں
 احکام کا سلسلہ نکل رہا ہے ۔ مکی دور میں چونکہ اسلام میں معاشرہ کی بنیادی نہیں رکھی جا
 سکی تھی ، لہذا اس دوران زیادہ تر اخلاق اور عقائد کی اصلاح پر توجہ دی گئی ہے
 چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں بھی یہی پہلو غالب ہے ۔ اُس نے اپنے میں عرب میں شرک
 کی مختلف قسمیں رائج تھیں یا بالکل کفر تھا ۔ ان شرک نے مکی سورۃوں میں کفر اور شرک
 کی قیامت کو مختلف طریقوں سے سمجھا کر اُس کی تردید فرمائی ہے ، اور توحید کی
 دعوت دی ہے ۔ دوسرا اہم مسئلہ نبوت اور رسالت کا تھا ۔ وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کو اللہ کا نبی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے ان شرک نے اس مسئلہ کی بھی وضاحت
 کی ہے ۔ پھر وقوع قیامت ، بعثت بعد الموت اور جزائے عمل کے مسئلہ کو سمجھا یا
 ہے چونکہ عرب کے لوگ اس کا بھی انکار کرتے تھے ۔ اس مسئلہ میں اُن کے شکوک و
 شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے ۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے

خوابی سورۃ

قرآن پاک کا یہ اسلوب ہے کہ بعض سورتوں میں بعض جملوں کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ جس سے سورۃ میں بیان کردہ مضمون کو بار بار گراں مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ سورۃ القمر میں یہ آیت عذراہ آئی ہے وَلَقَدْ يَكْسُ مَا الْفُكْرَانِ وَلَقَدْ كُنْ فَهَلْ مِنْ مُّشْكُوكٍ اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا سورۃ الشعراء میں یہ آیت بار بار آئی ہے اِنْ رَّبُّكَ لَهِيَ الْعَيْنُ الْيُنُورُ ہے ملک حیرا پروردگار غالب اور نہایت دہم کرنے والا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ المرسلات میں وَبِئْسَ الْيَوْمُ بِذِ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ والی آیت بار بار آئی ہے، یعنی اس دن کی طاقت ہے جھٹلانے والوں کے لیے۔ اسی اسلوب بیان کے مطابق اشتر نے اس سورۃ مبارکہ میں اپنی مختلف نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ آیت بار بار دہرائی ہے قَبَارِئِیْ اَلْاَوَّلِیْنَ رَبِّکُمْ مُّکَذِّبِیْنَ ہیں اے جنو! اور ان لوگوں نے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ بعض روایات میں آتا ہے لِحَقْلِ شَیْءٍ عَمْرُوْسٍ وَعَمْرُوْسٍ الْفُکْرَانِ سُورَةُ الرَّحْمٰن ہر چیز کی کوئی عروس ہوتی ہے اور قرآن کی عروس سورۃ الرحمن ہے۔ اشتر نے اس سورۃ کے ذریعے قرآن کو زینت بخشی ہے سورۃ کا ابتدا اس طرح ہوتی ہے اَلرَّحْمٰنُ مُخَدَّدٌ رَّحْمٰنٌ جوبے مدبران ہے۔ اسی لفظ سے اشتر تعالیٰ کے بے مدد و جلیلہ انعامات کی طرف اشارہ غلبہ جو اس نے اپنی مخلوق اور خاص طور پر انسانوں پر کیے ہیں، آگے مکرر کرنے والی آیات میں اَلْاَوَّلِیْنَ کا لفظ آ رہا ہے جو آئی یا اِلٰہی کی جمع ہے اور اس کا معنی نعمت ہے۔ ان انعامات میں آدمی انعامات میں یہ جن کو ہر شخص استعمال میں لائے اور حتیٰ بھی جنہیں آسانی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بعض انعامات ظاہری ہیں جن سے ہر نیک و بد آدمی مستفید ہوتا ہے اور بعض انعامات باطنی یا معنوی ہیں جن میں سے بلند ترین انعام اشتر تعالیٰ کا قرآن کریم ہے جو اشتر نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے۔ انسان اپنے جسم پر غور کرے کہ

اشتر تعالیٰ

یہ کس قدر حقیر اور ناگوار چیز ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَخَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَأَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المؤمن ۵۷) ارض و سما کی تخلیق لوگوں کی تخلیق سے
 بہت بڑی چیز ہے۔ انسان تو ایک کیڑے مکوڑے کی طرح ایک چھوٹی سی چیز ہے
 مگر اللہ نے اسے ایک ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جس کو ارض و سما اور ہر شے بھی اٹھانے
 سے عاجز ہیں۔ کہاں یہ کمزور انسان اور کہاں یہ اللہ کی عظیم نعمت۔ قرآن حکیم میں
 بحرِ ناپید کما رہے ہیں کی کوئی نشانیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات میں سے
 سب سے پہلے اسی نعمت کا ذکر کیا ہے۔

قرآن مجید
معوذہ

فرمایا خدائے رحمان اے میرا رب وہ ذات ہے كَلَّمَ الْقُرْآنَ جس
 نے انسان کو قرآن سکھایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے سارے نبیوں کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا ہے لیکن مجھے جو خاص معجزہ عطا فرمایا گیا
 ہے وہ وَسَخَّيْ اَوْحَى الْفَلَقُ اِلَيَّ اللہ نے میری طرف وحی کے ذریعے نازل فرمایا
 ہے اور وہ قرآنِ حکیم ہے جو روحانی اور علمی معجزہ ہے اور ہمیشہ قائم ہے گا۔ دیگر انبیاء
 کے معجزات تو ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ مگر میرا معجزہ آقا قیام قیامت قائم ہے
 گا۔ دوسرے الفاظ میں یہ ہے وَحُكِيَ بَرَكَاتُكَ یہ دلیل ہے جو ہر وقت قائم و دائم ہے
 ہذا اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ اس عظیم نعمت کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے
 رہیں جس نے انہیں قرآن جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی۔

قریب گرائی
کا نعمت

فرمایا خدائے رحمن، اے میرا رب وہ ذات ہے خَلَقَ الْإِنْسَانَ
 جس نے انسان کو پیدا کیا عَلَّمَكَ الْبَيِّنَاتِ اور اُسے پونا سکھایا۔ انسان کو اللہ نے
 قریب گرائی عطا فرمائی جو اس کی ماہرہ امتیاز چھوڑوں میں سے ہے۔ قریب گرائی
 جیسی عظیم نعمت کے ذریعے انسان اپنا ذاتی الضمیر بیان کر سکتا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی
 تو انسان جانوروں کی طرح گونگا ہوتا، نہ اپنی خوشی اور غمی کا اظہار کر سکتا۔ نہ اپنی
 تکلیف بیان کر سکتا۔ نہ اپنی ضروریات طلب کر سکتا۔ تمام علوم و سننوں کا اظہار
 زبان کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح لطیف احسانات اور ہر ایک چیزوں کا اظہار

میں نہایت ہی کے ذریعے ملتی ہے۔ میں قوت گرائی کہیں شعر و ادب کا رنگ اختیار کر
جاتی ہے۔ کبھی فلسفہ و حکمت کی باتیں بتاتی ہے اور کبھی مثال اور کہانی کی صورت
میں ظاہر ہوتی ہے انہوں نے اہل علم و جانوروں میں یہ بہت بڑا امتیاز ہے اور انہی کے
بے باعش و مخلوق ہے۔

اس کے بعد اللہ نے بعض آفاقی نعمتوں کا ذکر کیا ہے الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ آفاقی نعمتیں
يَجْعَلُ سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں
نظامِ شمسی قائم کر کے مخلوق پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ دن رات کے تغیر و تبدل
تیز و دُشنی اور مدہم و دُشنی اسودی اور گرمی، اہل اور غزاں سب سورج اور چاند کے
ایک مربوط نظام کے ساتھ فطرت پر بنے کام کو ہی منت ہے۔ اللہ نے قرآنِ کریم
کو ایک خاص نظام کے تحت اپنی ڈیوٹی پر لگا دیا ہے جسے وہ انجام دے رہے ہیں
اجرامِ فلکی کی گردش میں اگر ذرا بھی فرق پڑ جائے تو کائنات کا پورا نظام دھم دھم ہو کر
رہ جائے بہر حال اللہ نے سورج اور چاند کو مخلوق کی مصلحت کی خاطر پیدا کیا ہے جو
کو بہت بڑی نعمت ہے۔

پھر فرمایا وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ اور پڑتے اور درخت کھد کھد کر رہے
ہیں۔ شجر نباتات کی وہ قسم ہے جس کا مضبوط تار ہوتا ہے اور پھر آگے اس کی شاخیں
اور پتے وغیرہ ہوتے ہیں۔ البتہ شجر سے مراد وہ پڑتے یا جڑی بوٹیاں ہیں جن کا تناغص
ہو نا جگہ وہ زمین پر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ فرمایا یہ سب چیزیں اللہ کے سامنے سجدہ کر رہی
ہوتی ہیں۔ سورہ فجر اسرائیل میں ہے کہ ارض و سما اس میں پائی جانے والی تمام
چیزیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتی ہیں وَلِيَكُنْ لَا تَقْفُوْنَ تپتے تپتے
درایت ۴۲۰) مگر تم ان کی تسبیح کر نہیں سمجھتے۔ یہ چیزیں جس طریقے سے سجدہ کرتی
ہیں یا اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتی ہیں اُس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا خود چیزیں
جانتی ہیں۔ اللہ نے ارض و سما کی تمام چیزیں انسانوں کی مصلحت کے لیے پیدا فرمائی
ہیں اور یہ اُنہی کی فرائض کر رہی ہیں اور اس کے سامنے سجدہ کر رہی ہیں۔

فَرَمَا وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا اور آسمان کو بلند کیا ہے۔ اتنی بڑی چیز کو بغیر
ستاروں کے کھڑا کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر کی علامت ہے۔ نیز فرمایا وَوَضَعَ
الْمِيزَانَ اور اس میں ترازو کو رکھ دیا۔ بعض لوگ اس مقام پر میزان سے عقل منسوب کرتے
ہیں جس سے بچی اور بڑی کو یا صحیح اور غلط کو معلوم کیا جاتا ہے۔ اہم صحیح بات یہ
ہے کہ اس مقام پر میزان سے مراد ترازو ہی ہے۔ گرا اللہ نے آسمان کو بلند کیا ،
اس میں ترازو مقرر کیا، اور فرمایا الَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ترازو میں سرکشی اختیار
نہ کرو میں جسے نہ بڑھو۔ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ اور مذکور انصاف کے
ساتھ قائم رکھو وَلَا تَخْسُوا الْمِيزَانَ اور تول میں کمی نہ کرو۔ بخیر آسمان کی
بلندی اور ترازو کے درمیان کوئی تناسب معلوم نہیں ہوتی۔ اہم حقیقت یہ ہے
کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے انصاف کا ذکر ہو رہا ہے۔ تو اپنی انصاف میں ترازو
بھی ایک اہم انعام ہے جو کہ عدل کی علامت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ترازو
سے صرف تولنے والا ترازو مراد نہیں بلکہ اس میں آپ تول کے تمام پیمانے گواہ
یشرائیر، کلو گرام وغیرہ شامل ہیں تو جس طرح آپ تول میں کمی بیشی نہیں کرنی
چاہیے۔ اسی طرح زندگی کے ہر معاملہ میں عدل کو قائم رکھنا چاہیے۔

نام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا کا اجتماعی نظام عدل پر ہی قائم ہوتا
ہے اور اس کے بغیر معاشرتی نظام بگڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے ہر طرف فساد
پھیلنے لگتا ہے۔ لہذا عدل بہت بڑی صفت اور بڑی ضروری چیز ہے۔ تو
عدل کے قیام کے لیے اللہ نے ترازو کو قائم کیا ہے اور ترازو میں سرکشی یہ ہے
کہ آپ تول میں کمی بیشی کو جائے۔ اور خدا یہ ہے کہ حقہ وقت کم دو جیسے سورۃ
الطہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَيَذَرُ لَهُ مَعْطَفِينَ ۱۔ الذین کے
یَا اَکْثَرُ لَوْ اَنَّ اِنْسَانَ يَسْتَغْنِي ۲۔ وَإِذَا كَانُوا عَصَا لَوْ عَصَا فَعَرَضُوا ۳۔
يُخْسِرُونَ ۴۔ آپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے طاری ہے۔ جو لوگوں کے آپ
کو تو لہا لیتے ہیں اور جب ان کی آپ کو یا تول کر دی تو کم دیں۔ دنیا میں یہ

بہتری اکثر پائی جاتی ہے جو عدل و انصاف کے منافی ہے۔ بعض اوقات باتوں میں کئی کسوی جاتی ہے اور کبھی پیانے چھوٹے بنائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ترستے وقت ڈنڈ لگی ماری جاتی ہے اور حکمران کو نقصان پہنچانے کا جو یہی طریقہ اختیار کیا جائے وہ قابلِ مذمت ہے۔ ہر حقدار کو اس کا حق ڈنڈا ملنا چاہیے۔ اسی لیے ارش نے ترزو کو مؤیدِ عدل بنایا ہے۔

آگے ارش نے ایک اور نام کا ذکر فرمایا ہے وَالْأَرْضُ وَصَحْفُهَا لِلنَّاسِ ارش نے زمین کو مخلوق کے لیے بھجوا دیا ہے۔ ارش کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اسی نے لوگوں کے چلنے پھرنے اور کام کاج کرنے کے لیے اس کو بھرا دیا ہے۔ یہ نہ تو اتنی نرم ہے کہ انسان اس میں دھنسن جائیں اور نہ اتنی سخت ہے کہ کھیچی باڑی اور دوسری ضروریات کے لیے کام نہ آسکے۔ لوگ اپنی ضرورت کے لیے اسے آسانی سے کھود سکتے ہیں۔ اس کی مٹی کو عمارت کی تعمیر میں استعمال کرتے ہیں۔ اور اس سے کوئلہ، آئیل، پانی اور دیگر معدنیات نکالتے ہیں۔ جو معاشرتی زندگی کے لیے نہایت ہی کارآمد ہیں۔ اب مخلوق میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ جنات، جانور، کیڑے مکوڑے، درندے، پہنڈے اور لاکھوں اقسام کے آبی جانور بھی آتے ہیں۔ ان تمام جانداروں کی زندگی زمین کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ زمین نہ صرف زندہ مخلوق کی ضروریات پوری کرتی ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی انسانی کبھی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ ارش تعالیٰ کا فرمان ہے وَمِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ (طہ۔ ۵۵) ہم نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا، اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور پھر اسی سے دوسری دفعہ امت کو نکالیں گے۔

فَرَأَىٰ فِيهَا فَكَيْدًا اسی زمین میں ہم نے چیل رکھے ہیں جنہیں انہی کھاتے ہیں وَالْخُلْدُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ اور کجوری بھی اسی زمین سے پیدا ہوتی ہیں جنہ کے چیل پر غلات چلےا ہوتے ہیں۔ گندہ دراصل اسی ڈنڈی کو

زمین کے
قائد

کہتے ہیں جس کے اندر پل ہوتا ہے اس سے وہ خلافت بھی ملوا دیتے ہیں۔ جو کچھ روایا دیگے ہیں پر چڑھا دیے جاتے ہیں۔ تاکہ ہندو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ یہ حال فرمایا کہ انسان کی خوراک بننے والے تمام پھل زمین سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ وَالْحَبُّ ذُرَّاءُ وَالْعَصْفُ اور عیسےؑ نے دلتے ہی اسی زمین کی پیداوار ہی اناج کی مختلف قسموں کے دلتے ہیں۔ عیسےؑ کے دند بند ہوتے ہیں جنہیں اندر کر خدا حاصل کیا جاتا ہے اور عیسےؑ ہیں۔ بھروسہ یا پھل کا بنا خوردوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ نیز سنسرایا قُلِ الْمَرْغُوبَاتُ كُلُّهَا اور خوشبودار چکنے بھی زمین ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھنا کا عام سہا نور خوشبودار پیدا ہی ہوتا ہے جیسے نیاز برائے ضرورتا ہم اس سے رزق بھی ملوایا جاتا ہے جس میں ہر قسم کا اناج اور پھل بھی آجاتے ہیں۔

یہی تمام مخلوق اور مخلوقات کا ذکر کرنے کے بعد ایشور نے جنوں اور انانوں کی نذر سے خطاب کر کے فرمایا قُلْ إِنِّي أَخَذْتُ الذِّكْرَ مِنْكُمْ دُونَ لِبْنِ پروردگار کی اس رحمت کو مجھٹاؤ گے۔ مذکورہ نعمتوں کے مستفید ہو کر ایشور تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ان میں قرآن کریم جس روحانی نعمت تربیہ شامل نعمت ہے۔ ایشور نے انسانوں اور دیگر مخلوق پر اس قدر نعمات فرماتے ہیں کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا کما حقہ شکر ادا ہی نہیں کر سکتا۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ مَوْجَ الْبَصَرَيْنِ يَلْتَقِيَنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَنِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

ترجمہ: پیا کیا اس نے انسان کو بجھے والی مٹی سے جیا کر ٹھیکہ ہوا ہے ۱۳ اور پیدا کیا اس نے جنوں کو شعلہ مارنے والی آگ سے ۱۴ پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو بھٹاؤ گے ۱۵ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ایک ہے ۱۶ پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو بھٹاؤ گے ۱۷ جیسے اس نے دو دریا جو آپس میں مل کر جلتے ہیں ۱۸ اور ان کے درمیان میں پردہ ہے کہ وہ ایک دوسٹر پر زیادتی نہیں کرتے ۱۹ پس تم اپنے پروردگار کی کس

کس نعمت کو جھٹاؤ گے (۳۱) نکلتے ہیں دونوں دھیان سے
 سوائے اور سونگے (۳۲) پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت
 کو جھٹاؤ گے (۳۳) اور اسی کے لیے ہیں کشتیوں جو
 چلتی ہیں دیا میں جس میں پاروں جیسی موجیں اٹھتی ہیں (۳۴)
 پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے (۳۵)

رابط آیت

اللہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ چنانچہ گذشتہ درس میں روحانی انعامات میں سے سب سے
 بڑی نعمت قرآن حکیم کا ذکر کیا ہوا۔ اس کے بعد اللہ نے خود انسانی جسم کی تخلیق کا ذکر
 کیا کہ اُس نے انسان کو پیدا کیا اور کمال ربیہ کی قربت گمائی بھی عطا فرمائی۔ پھر اللہ
 نے شمس و قمر، پودوں اور درختوں کا ذکر کیا ہے کہ یہ بھی انعامات اللہ میں شامل ہیں
 جو اللہ نے انسانوں کی مصلحت کی خاطر پیدا فرمائے ہیں پھر اللہ نے ترازو کا ذکر کیا جو
 کہ عدل کی علامت ہے، لہذا اللہ نے عدل قائم کرنے کا حکم دیا،
 اور فرمایا کہ آپ قول میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو کیونکہ اس سے معاشرہ میں خرابی
 پیدا ہوتی ہے۔ پھر اللہ نے زمین کی تخلیق کا ذکر کیا کہ یہ بھی انسانوں کی مصلحت کے
 لیے پیدا کی گئی ہے۔ لہذا اللہ نے اس میں پھل اور غلہ لکھا ہے۔ جو انسانوں اور جانوروں
 کی خوراک ہے۔ ان انعامات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اے انسانو!
 اور جنو! اللہ نے تمہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، تم اس کی کس کس نعمت
 کی ناقدری کرو گے۔

تخلیق انسانی

گمشتہ درس میں مطلق انسانی تخلیق کا ذکر ہوا حَقَّقِ الْإِنْسَانَ
 (آیت ۳۰) یعنی اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے قربت گمائی عطا فرمائی اب
 کچھ کے درس میں انسان کے مادہ تخلیق کا ذکر ہو رہا ہے حَقَّقِ الْإِنْسَانَ
 مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ اللہ نے انسان کو ٹھیکرے جیسی کھنکھاتی ہوئی مٹی
 سے پیدا کیا ہے۔ فخار اُس ٹھیکرے کو کہتے ہیں جو مٹی سے بنایا جاتا ہے اور آگ

میں پچکنے کے بعد بچنے لگتا ہے سورۃ الفلق میں فرمایا ہے اِنَّا خَلَقْنَاهُ
 مِنْ حَلِیْلٍ زَکَرٍ رَکِیْتٍ ۱۱ (یعنی ہم نے نسل انسانی کو پچکنے والی مٹی سے پیدا کیا۔
 اور اصل اللہ نے بنی نوح انسان کے بواکھ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا
 کیا، اور پھر اس نسل کو سلسلہ تامل کے ذریعے پیدا کیا۔ جب اللہ نے آدم علیہ السلام
 کا تخلیق کا ارادہ فرمایا تو جس حدیث کے مطابق فرشتے کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین کے تھوڑی
 تھوڑی مٹی لے کر اس سے آدم علیہ السلام کا ٹھکانہ پیدا کیا جائے جس کی تعمیل کی گئی، جنور
 علیہ السلام کا فراں ہے کہ نسل انسانی کی مختلف رنگین، ان کی نرم اور سخت مزاجی وغیرہ
 مٹی کے اثرات کا وجہ ہے۔ چنانچہ اس مٹی سے آدم علیہ السلام کا جسم تیار کر کے رکھ
 دیا گیا۔ وہ خاک ہر گیا تو اس میں کھنکھاہٹ کی کیفیت پیدا ہو گئی، جس کا اثر نے
 یہاں ذکر کیا ہے۔

انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے جنات کی تخلیق کا بھی تذکرہ فرمایا
 وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّکْرُجٍ مِّنْ نَّارٍ اور جنات کو اللہ نے شعلہ مارنے والی آگ
 سے پیدا کیا جس میں دھواں نہیں ہوتا۔ جن اللہ تعالیٰ کی لطیف مخلوق ہے جو انسانوں
 کو نظر نہیں آتی، البتہ وہ انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی جی شکل تبدیل کرنے
 تو پھر انسانوں کو بھی نظر آ جاتا ہے۔ مسلم احمد وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ
 عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا خُلِقَتِ الْجَنُّ کَثْرَۃً
 مِنْ نُّوَّارٍ اللہ نے فرشتوں کو نورانی مادہ سے پیدا کیا۔ اللہ نے درجہ اول کے
 فرشتوں یعنی ملائکہ کی جماعت اور عالم بالا کے فرشتوں کو اس نہایت ہی لطیف
 نورانی مادہ سے پیدا فرمایا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر
 نظر آنے والی آگ کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ جب آپ اس آگ کے قریب
 پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ آگ درخت پر غماہ ہو رہی ہے اور درخت کو جلانے کی
 بجائے اس میں مزید شادابی کا باعث بن رہی تھی جب موسیٰ علیہ السلام اس
 آگ کے قریب جاتے تو وہ دیکھے ہوئے ہٹ جاتی، اور جب آپ پیچھے جھٹتے تو وہ

پھر اپنی جگہ پر آجاتی ہے ہمارے آگ جیسی تو نہیں تھی براہِ مذہب کو جہنم سے پیدا ہوئی ہے
بلکہ یہ محاب کہی یا محاب نہ کی تھا جو کہ بہت ہی لطیف چیز ہے۔ تو شاہ صاحب
فرماتے ہیں کہ اللہ نے ملا اعلیٰ کے فرشتوں کو اسی قسم کے کسی لطیف نورانی مادے
سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کے بعد وہ سکر و بے کے فرشتے ہیں جن کو اللہ نے تمام مثال
کے لطیف مادے سے پیدا کیا۔ اور پھر اس سے نچلے نچلے فرشتے ملا
کم لطیف مادے سے پیدا کیے گئے تھے کہ اللہ نے جنات کو شعلہ شعلہ والی آگ
سے پیدا کیا۔ بہر حال اللہ نے فرشتوں کو نورانی مادے، جنوں کو آگ سے اور انسان
کو کھانسانائی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

شاہ ولی اللہ
کی حکمت

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی حکمت اور فلسفہ کے مطابق بیان کرتے
ہیں کہ اجسام کے مختلف درجات ہیں، اور سب سے اونچے چیز معدنی اجسام ہیں۔ جن میں
سونا، چاندی، لوہا، کوئلہ، نمک وغیرہ شامل ہیں، اور ان میں بھی درجہ برقی ہے
اگرچہ وہ بہت کمزور ہوتی ہے۔ اس درجہ کا فائدہ یہ ہے کہ معدنی اشیاء اپنے
صورت اور اپنے خواص کو محفوظ رکھتی ہیں۔ اسی طرح نباتات میں بھی درجہ برقی
ہے جس کی بدولت پائے، اور تخت اور بنجر پائے نشوونما پاتے ہیں، اور اپنی صورت
اور خواص کو برقرار رکھتے ہیں۔ پھر حیوانات میں ایسی درجہ برقی ہے کہ ان میں نشوونما
پائی جاتا ہے۔ ان کو اساس بھی ہوتا ہے۔ ان میں تنفس، دھم اور
اور آگ بھی پایا جاتا ہے۔ حیوانات بھی اپنے اندر سے کئی حرکات کرتے ہیں اور
اپنے خواص کو بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد مطلق مخلوق آتی ہے۔ مطلق مخلوق
میں انسانوں کے علاوہ بعض دوسری انواع بھی شامل ہیں۔ انسانی اجسام میں سونے،
آگ، ہوا اور پانی وغیرہ بہت سے عناصر ہیں مگر ان میں باقی عناصر کی نسبت مٹی کی
مقدار زیادہ ہے اور پانی عناصر معدنی ہیں، تاہم انسانی جسم میں معدنی پائے جاتا ہے
مخلوق مطلق کی ایک قسم مطلق ملائکہ ہیں جن کے اجسام میں ہوا کی مقدار دوسرے
عناصر کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض مطلق مخلوق میں پانی کی مقدار زیادہ

ہوتی ہے۔ یہ مائی انسانی میں جو پانی کے اندر بہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مخلوق مطلق وہ ہے جس میں آگ کی مقدار زیادہ ہے اور باقی عناصر معتدل ہیں۔ یہ جنات ہیں۔ پھر ایک مطلق مخلوق ملک علی ہے جو آتش کے ارد سے پیدا ہوتی ہے یہ بھی طبع مخلوق ہے بہر حال اللہ نے انسانوں کو اپنی تخلیق کی یاد دلائی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا بست بڑا احسان ہے۔ آگے پھر وہی جملہ دہرایا ہے قَبَّحْنَاهُ الْآلِیْنَ رَبَّنَا كَمَا نَكَّرْنَا بَنِي آدَمَ اور انسانوں کو مٹانے پر دو گام کی کس کس نعمت کا کفران کر دیے؟ اَلَّذِیْ كَفَرْنَا مِنْهُ یعنی نعمت، احسان، مہربانی، قدیمت اور کثرت بھی ہوا ہے۔ اللہ نے مذکورہ تمام نعمتیں انسانوں کو عطا فرمائی ہیں اور انسانی تیسرے کو مجبور کر کے پوچھا ہے کہ بتلاؤ تم میری کس کس نعمت کو جھٹک دو گے۔ مطلب یہ ہے کہ بالآخر تمہیں میری عطا کردہ نعمتوں کا اقرار کرنا ہی پڑے گا۔

حضرت باقر کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ الرحمن تلاوت فرمائی اور پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، لوگو! تم خاموش بیٹھے ہو! تم سے تو جنات نے مجھے اچھا جواب دیا۔ فرمایا کہ جنات کی خواہش پر میری اٹھ سے عداوت ہو گئی، پھر میں نے اس کو یہ سورۃ مبارکہ سنائی۔ جب میں میں آیت قَبَّحْنَاهُ الْآلِیْنَ رَبَّنَا كَمَا نَكَّرْنَا بَنِي آدَمَ کی تلاوت کرتا تو جنات جواب دیتے بَنِيَادَ وَبَنِيَادَ نُكِّرِدْبُ فَلَمَّا لَعْنُ یعنی اے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کی ناشکر گزاری نہیں کرتے، اور مادی تعریف تیرے ہی لیے ہے۔

کسی جملے کا بار بار دہرایا جانا عربی زبان کے عین مطابق ہے۔ عرب لوگ کسی اہم یا نفیس انگیز بات کو اپنے کلام میں بار بار دہرایا کرتے تھے۔ یہ کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ اسلوب کلام ہے۔ اس تکرار سے ذہنوں میں کمال جیسے کی خوشی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض عرب شاعروں نے بھی اپنے کلام کو اس قسم کا تکرار سے مزین کیا ہے۔ مثلاً ایک مشہور عرب شاعر مہملہل ہوا ہے۔ اس کا مہمانی اپنی قوم کا سردار تھا۔ جب وہ مر گیا تو شاعر نے اس کے مرثیے میں ایسے جملے کہے جن میں

عربی ادب
میں تکرار کا
اسلوب

ایک بات کو بار بار دہرا لیا ہے۔ -

أَلَا أَنْ لَيْسَ عَدْلًا مِّنْ كَلْبٍ
إِذَا طَوَّرَ الْيَقِيْمُ عَيْنَ الْجَدِّ

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ کلب موجود نہیں ہے
جس وقت کہ کسی قیم کو لوٹ کے گزشت
کے قریب نہیں آنے پایا جا۔

افسوس کہ آج کلب موجود نہیں ہے جبکہ
آج پٹوئی پر ظلم کیا جا رہا ہے۔

افسوس کہ آج کلب موجود نہیں ہے جبکہ
گرم ہواؤں کی وجہ سے عشاء کے وقت
ہل سہہ ہیں (یعنی خشک مٹی کی وجہ سے
مناہوں کو کڑھ کھلا پھلانا نہیں یہ کام کلب
کرات)۔

أَلَا أَنْ لَيْسَ عَدْلًا مِّنْ كَلْبٍ
إِذَا مَا ضَيَّفَ حَبْرَانِ الْمَجِيْمِ
أَلَا أَنْ لَيْسَ عَدْلًا مِّنْ كَلْبٍ
إِذَا دَجَعَتِ الْعُشَّةُ مِنَ الدُّبْرِ

افسوس کہ آج کلب موجود نہیں ہے جبکہ
پردہ نشین عورتیں باہر نکلتی ہیں (کی سخت
خطرے کے وقت ہی عورتوں کو باہر نکال دیا
تھا۔ مگر شاعر کہتا ہے کہ یہی مصیبت میں
کلب موجود نہیں ہے)

أَلَا أَنْ لَيْسَ عَدْلًا مِّنْ كَلْبٍ
إِذَا خَرَجَتْ حُكَّاءُ الْخُدُودِ

افسوس کہ آج کلب موجود نہیں ہے جبکہ
سینوں کے دائرہ کو بے جلتے ہیں یعنی جب
صلح و جنگ کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس
وقت کلب کی کئی عسوں ہوتی ہے۔

أَلَا أَنْ لَيْسَ عَدْلًا مِّنْ كَلْبٍ
إِذَا مَا أَكَلَتْ جُحُومُ الْأُمُورِ

اسی طرح ایک مشہور خاتون شاعرہ یحییٰ انجیر نے بھی ایک سردار کے مرثیے
میں اس قسم کی تکرار کی ہے۔

لَتَنَعَّمَ الْفُلَىٰ كُنُتَ قَوَابَ
لَمَّا كُنْتَ تَسْبِقُ يَوْمًا كُنْتَ فِيهِمْ
لے قرب تم کئے اچھے جوان تھے کہ جن پر
لافتہ کرتے تھے اسے آگے کی انیس ہجرت
کہتا تھا۔

لَتَنَعَّمَ الْفُلَىٰ قَوَابَ كُنُتَ
أَنَّا كَ بِحَيِّ سَحَابٍ وَنِعْمَ الْمَجَاجِلُ
لَتَنَعَّمَ الْفُلَىٰ تَوَابَ كُنُتَ
صُدُورُ الْعَوَالِي وَاسْتَقَالَ الْأَمَاجِلُ
وَنِعْمَ الْفُلَىٰ يَا قَوَابَ جَارًا وَمَلَأْنَا
وَلَقَدْ نَعَّمَ الْفُلَىٰ يَا قَوَابَ حِينَ تَنَاضَلُ
لَعَصْرِي لَأَنْتَ الْعَمْرُؤُ الْبَكِي لِفَقْدِهِ
وَالْوَالِدَامُ فِيهِ نَاقِصُ الرِّثَى جَاهِلُ
تم کئے اچھے جوان تھے کہ جن پر
لہو تم کئے اچھے جوان تھے جب ہلے
درمیان دشمن سے مقابلہ کرتے تھے۔ بلکہ
میری جان کی قسم تم ایسے آدمی ہو جس کے
گم ہونے پر میں رو بہوں اگرچہ کم عقل
بے معرفت آدمی ہلاکت ہی کرے۔

الفرض اقرآن پاک میں کسی جملے کا تکرار کوئی نیا چیز نہیں۔ بلکہ یہ عربی زبان کے
اسلوب کے مطابق ہے اور اس تکرار سے کلام میں جوش پیدا ہوتا ہے اور یہ زیادہ
اثرا عجیب ثابت ہوتا ہے۔

لَمَّا كُنْتَ تَسْبِقُ يَوْمًا كُنْتَ فِيهِمْ
وہ ہے ہر دو مشرقی اور دو مغربی کا پروردگار ہے۔ مشرق اور مغرب تو ایک
ایک ہی ہے لیکن یہ قرآن پاک کا اسلوب بیان ہے کہ اس نے مشرق و مغرب
کے لیے واحد تنزیہ اور جمع یمنی صیغہ استعمال کیے ہیں۔ یہاں تنزیہ کا صیغہ ہے تو
سورۃ النزل میں واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
ذابت۔ ۹ یعنی وہ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے۔ اسی طرح سورۃ الصفات
میں جمع کا صیغہ بھی آیا ہے رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

مشرق و مغرب
کا پروردگار

وَدَبَّ الْمَسْتُورِ (آیت - ۵) وہ ارض و سما اور آسمان کے درمیان والی چیزوں کا بھی پروردگار اور تمام مشرقوں کا بھی پروردگار ہے۔ سورۃ المعارج میں بھی ہے
 قَدْ أَفْهَمُ نَبِيَّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَنَقْدِرُ رُوحًا (آیت - ۴۰)
 ایک مشرقی سمت اور دوسری مغربی سمت کو واضح ہیں۔ البتہ جب دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ذکر کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ موسم سوا اور گرا میں طلوع و غروب آفتاب کے مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب مجمع کا میز استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج ہر روز نئی جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور نئی جگہ میں غروب ہوتا ہے۔ نظام شمسی کے مطابق سورج کی باورمیا یا بارہ برتن ہیں۔ اور سورج سال بھر میں اپنی بارہ منزلوں میں چلتا ہے اس لحاظ سے ہم کن مشرق اور کن مغرب بھی کہہ سکتے ہیں۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ میز کوئی بھی استعمال ہو مطلب مغربی ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے اور کہتے پھر فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَءُوا الْقُرْآنَ حَتَّىٰ تَتَوَضَّأُوا اور ان لوگو! تم اپنے پروردگار کی کس نعمت کی نافرمانی کر لو گے؟

دو متوازی
دیا

آگے اللہ نے اپنی ایک اور قدرت کا ذکر کیا ہے مَنْ مِّنَ الْجِنَّةِ يَلْقَىٰ سِنِينَ اِسْنَيْنِ اس نے دو دریا اکٹھے اور متوازی چلا دیے ہیں جو آپس میں ملتے ہوئے ہیں يَلْقَاهُمَا فِي نَزْحٍ لَا يُبْعَدَانِ ان کے درمیان ایک ایسا قدرتی پردہ ہے کہ ان کا پانی آپس میں غلط ملط نہیں ہوتا۔ ایک دریا کا پانی بیٹھا ہے اور دوسرے کا کڑا اور اگر ایک کے پانی کا اثر دوسرے پر نہیں ہوتا بلکہ یہ دونوں اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں یہ بھی اللہ نے انسانوں کی مصلحت ہی کیلئے پیدا کیے ہیں۔ انسان کے کنارہ دونوں قسم کے پانی سے وابستہ ہیں اور یہ دونوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَءُوا الْقُرْآنَ حَتَّىٰ تَتَوَضَّأُوا تم ان لوگو! اپنے پروردگار کی کس نعمت کو جھٹلو گے؟

مکمل اور
مکمل

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی دو دریاؤں کے فوائد کے ضمن میں مندرایا

يَخْرُجُ مِنْهُمَا النُّوْلُ وَالسَّرَجَانِ اِنْ دَوْنِ سَمَوَاتٍ اَوْ مَوْنِ سَمَوَاتٍ
 مونگے سمندر میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے جس میں یا لوروں کی طرح زندہ
 مادہ ہر لمحہ ہے۔ اس درخت کو لاش کر حیوانی مادہ آگ کر یا جانکے۔ پھر اس
 میں سرخ پتھر کی طرح کامادہ نکلتا ہے۔ جس کو مختلف دوائیوں میں کیسیائی جزو کے
 طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز یہ مادہ زینت کے کام بھی آتا ہے۔ غنت کے باہر ہے،
 صاحبِ فناء اصوات اور قافوس فائے کتبہ میں کہ لؤلؤ کا معنی بڑا موتی اور مرچائی کا معنی
 چھوٹا موتی ہے۔ بعض نے اس کے برعکس بھی کہا ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا
 اور حضرت علیؓ بھی پہلے معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہر حال امثر نے ہی یہ موتی اور موتے
 سمندروں اور دریاؤں میں پیدا کیے ہیں جن کو انہی کام میں لاتے ہیں۔ تاہم موتی عام
 طور پر کھسکے پانی میں ہوتے ہیں۔ موتیوں کی پیدائش کے متعلق حضرت عبداللہؓ نے کہا
 ہے یہ بھی منقول ہے کہ سمندروں میں بڑے سیپروں کا منہ ٹھنڈا ہوا ہوتا ہے، اور اگر
 بارش کا کوئی قطرہ برلو راست سیپ کے اندر چلا جائے تو امثر تعالیٰ اس کو اپنی قدرت
 سے موتی بنا دیتا ہے جسے لوگ نکال کر زینت کے لیے یا دوائی کے جزو کے طور پر
 استعمال کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ بات حضرت عبداللہؓ نے کہا
 ہے صحیح طور پر ثابت ہے۔ نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس طرح رحیم مادہ میں
 قطرہ آب سے پھر پیدا ہوتا ہے اسی طرح امثر تعالیٰ بارش کے قطرہ آب کو موتی
 کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس نعمت کے تذکرے کے بعد امثر نے پھر
 وہی جملہ دہرایا ہے فَبِأَيِّ آيَةٍ تَكْفُرُ اِنَّ اِيَّاهُ يَدْعُو الْاِنْسَانُ اِنْ رَاَهُ
 ہم نے پھر دہرایا کہ کس نعمت کو منہ دے۔

کشتیوں کی
 نعمت

اِنَّ اِيَّاهُ يَدْعُو الْاِنْسَانُ اِنْ رَاَهُ اِنَّ اِيَّاهُ يَدْعُو الْاِنْسَانُ اِنْ رَاَهُ
 اور سمندروں اور دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں بھی ایسی ہیں جن میں پہاڑوں جیسی بڑی
 بڑی موجیں اٹھتی ہیں۔ بظاہر تو کشتیاں اور جہاز انسان ہی بناتے اور چلاتے ہیں۔ مگر
 حقیقت میں یہ امثر تعالیٰ ہی کا فیضان ہے۔ جس نے کشتیوں کے لیے مالاں اور

قرنی عطا فرمائے ہیں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر شیخ سدری اور
 شیخ دانی کا سلاسلہ ائمہ نے قائم کر رکھا ہے پہلے بارہائی کشتیاں ہوتی تھیں، پھر
 بیسویں جاری ہوئے اور اب لاکھوں تین وزنی جہاز معوض و جود میں آپکے ہیں۔ جن کے
 ذریعے میں البر علی نقل و حمل ہو رہی ہے، اور سلاسلہ تھائی کی مہربانی کا بھی نتیجہ
 ہے۔ فرمایا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ رَبِّ كَسَا تَكَدِّرُ لِنِ قَمِ دُونَ لِنِ بِنِ بِنِ دُونَ لِنِ بِنِ دُونَ لِنِ
 کو مشلول ہے۔

امام ابن کثیر نے اس مقام پر ایک روایت بیان کی ہے جسے ابن ابی حاتم
 نے حمیر بن سواد سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ كَتَبْتُ مَعَ عِيْنِي عَلَى شَاوِلِ
الْفُرَاتِ میں حضرت علیؑ کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پر تھا، پانچ
 کشتی نمودار ہوئی جس کے بارہائی لٹے ہوئے تھے۔ حضرت علیؑ نے اپنے دونوں
 ہاتھ اٹھا کر کشتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسی آیت کی تلاوت کی وَالَّذِي جَاءَ بِ
الْمَنْشَأِ فِي الْبَحْرِ کائنات خلک و مخلوقوں اور دریائوں میں چلنے والی کشتیاں
 بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں، وہ مندرجہ میں پانچویں جیسی موجیں اٹھتی ہیں۔ نیز فرمایا
وَالَّذِي أَنْشَأَ الْفَجْرَ فِي بَحْرِ بخود یہ اسی ذات پاک کی قسم جس نے ان
 کشتیوں کو پیدا کیا ہے۔ یہ اسی کے حکم، توفیق اور مدد سے دواں دواں ہیں وگرنہ
 خدا تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو تو کشتی یا جہاز کسی وقت بھی حادثے کا شکار ہو سکتا ہے۔
 اور پھر حضرت علیؑ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو قتل نہیں

کیا اور نہ ہی میں نے ان کے قتل میں کسی کی مدد کی ہے لوگ ہمیں اس قتل میں
 ملوث کہتے ہیں حالانکہ عَنْ جو آٹھ ہم اس سے بری ہیں۔ لوگ ہم سے
 عثمانؓ کا قصاص طلب کہتے ہیں، مگر ہم اس معاملہ میں بے گناہ ہیں، دراصل
 عثمانؓ کو سرکش لوگوں نے قتل کیا جن میں کوئی صحابی شامل نہیں تھا حضرت
 عثمانؓ کے پاس فوج اور طاقت تھی مگر اس کو استعمال کر کے اپنی جان بچانے کی
 کوشش نہیں کی۔ وہ امت کے خیر خواہ تھے اور مسلمانوں کی خونریزی نہیں

چاہتے تھے، آپ کی صداقت کی یہی دلیل ہے۔ کہی قدر انیسویں کا مقام ہے
 کہ یعنی جیسے آدمی بھی حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کو چاہو گی (غٹھ، بچھائی)
 کا خطاب دیتے ہیں۔ بہر حال حضرت علیؓ نے خدا کی قسم اٹھا کر کہا کہ وہ نہ خود حضرت
 عثمانؓ کے قاتل ہیں اور نہ انہوں نے کسی قاتل کی مدد کی ہے۔

الرحمن ۵۵

آیت ۲۶ تا ۳۹

قال الخطیب رحمہ

درس سوم ۳

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَإِنَّ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ
 وَالْإِكْرَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يَسْأَلُهُ
 مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي
 شَأْنٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ سَنَقُومُ لَكُمْ
 أَيُّهَ الثَّقَلَيْنِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝
 يَمْعَسِرَ الْجَنِّ وَالْإِنْسَ إِنِ اسْتَعْظَمْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا
 مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۝ لَا
 تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
 تُكَذِّبِينَ ۝ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ شَوَاطِدَ مِّنْ نَّارِهِ
 وَغُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرُونَ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
 تُكَذِّبِينَ ۝

ترجمہ :- جو کوئی بھی ہے زمین پر فنا ہونے والا
 ہے ۝ اور باقی ہے گی تیرے پروردگار کی ذات
 جو زندگی اور عظمت والا ہے ۝ پس تم دعویٰ اپنے
 پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹکو گے ۝ اسی سے
 مانگتا ہے جو بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں
 ہر دن میں وہ ایک شان میں ہوتا ہے ۝ پس تم

دوڑیں اپنے پھدوکار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے ⑤
 عنقریب ہم غاریخ ہوں گے تمہارے لیے اے دو جہاد
 قاتلو! ⑥ پس تم اپنے پھدوکار کی کس کس نعمت کو
 جھٹاؤ گے ⑦ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ، اگر
 تم طاقت رکھتے ہو کہ نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کے
 کناروں سے تو نکل جاؤ، تم نہیں نکل سکتے مگر نیلے
 کے ساتھ ⑧ پس تم دوڑیں اپنے پھدوکار کی کس کس
 نعمت کو جھٹاؤ گے ⑨ وہ چھوڑے گا تم پر شے
 آگ کے اور دھواں، پس تم بدل نہیں سکو گے ⑩
 پس تم دوڑیں اپنے پھدوکار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ
 گے ⑪

رابطہ

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل انعامات اور سائنات کا ذکر فرمایا
 براہِ راست اپنی مخلوق خاص طور پر انسان اور اہل ایمان پر کیے ہیں۔ پھر اپنی قدرت
 کی بعض نشانہوں کا ذکر کیا جو اہل ایمان کی رعایت اور توفیق قیامت پر دلیل بنتی ہیں
 اب آج کے درس میں اللہ کے جنائے عمل کا مندر بیان فرمایا ہے۔

تخلی اور باقی

ارشاد ہوا ہے كُلُّ مَنْ مَلَكَتْ يَدَايَیْ جو کچھ میری زمین پر ہے، وہ فنا
 ہونے والا ہے۔ گزشتہ درس میں فرمایا قَالَ اَرَمْتُ وَصَعَقْتُ لِلْآلَامِ ہم نے
 زمین کو اپنی مخلوق کے لیے بچا دیا۔ اللہ کی بے شمار مخلوق انسان، جانور، درخت
 پرندہ، کیڑے مکوڑے اس زمین پر آباد ہیں اور اسی سے پیدا ہونے والی غذا کی
 استعمال کرتے ہیں۔ اب اللہ نے فرمایا کہ اس نے جو چیزیں اس زمین پر پیدا کی
 ہے، وہ سب فنا ہونے والی ہے۔ ایک وقت آئے گا جب ان میں سے
 کوئی چیز بھی باقی نہیں رہے گی اَلْبَسَتْ وَیَبِیْغُ وَیَبُکُ ذُو الْجَنَّةِ وَارِثُهَا
 باقی رہنے والی صرف تیرے پھدوکار کی ذات ہے جو بزرگی اور عظمت کی ذات ہے۔

عربی زبان میں وجہ چرکے کہتے ہیں۔ مگر اس سے مراد ذات ہوتی ہے مطلب یہ کہ قیام و دوام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ باقی ہر چیز فانی ہے اور ظاہر ہے کہ فانی چیز میں الوہیت کی صفت نہیں پائی جاسکتی۔ لہذا کسی فانی چیز کی پرستش کرنا شرک اور کفر ہے۔ اس سے قیامت والی بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کو لانا اس دنیا سے جانا ہے اور حساب کتاب کی منزل سے گزر کر جزا یا سزا پائی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ہر چیز فانی ہے۔ سوائے اللہ کی ذات کے کہ وہی باقی رہنے والا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے۔

قَضَىٰ عَلَىٰ خَلْقِهِ مَنَآيَا

وَمَكَلُ شَمْسٍ وَسَوَاءٌ هَآءَانِ

اس نے اپنے سوا ہر چیز پر موت کا فیصلہ کر رکھا ہے خواہ وہ عظیم مقرر میں ہوں، عالم بالا کی کوئی مخلوق ہو، فضاؤں اور ہواؤں کی مخلوق یا زمین پر بسنے والے جن انسانی، چرند، پرند یا کیڑے مکوڑے ہوں۔ ہر چیز فانی ہے۔

تَعَالَىٰ اللَّهُ لَا يَكْبُتُ سَوَاءٌ

إِذَا قَدَّحَتْ بِرَبِّتِهِ الْقَنَادُ

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بلند و برتر اور باقی ہے۔ اور اس کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

أَنْتَ رَفَعْتَ السَّمْعَ لَوْ كُنْتَ تَبْقَىٰ

عَيْنٌ أَنْ لَا يَفْقَادَ رَفِئُ نَسَانِ

اگر باقی رہتے تو تم بہترین چیز رہتے مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان کیلئے بنائیں

أَنْتَ خَلَوْتَ مِنَ الْيُؤُوبَ وَوَسَا

يَكْرَهُ النَّاسُ عَيْدَ أَنْتَ فَانِ

تم میں نہ کوئی عیب ہے اور نہ کوئی ایسی چیز جس کو لوگ ناپسند کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم فانی ہو۔

جانداروں کے متعلق قرآن شریف نے خاص طور پر فرمایا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران - ۱۸۵) ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھتا ہے۔ جانداروں کے علاوہ دوسری کوئی چیز بھی قائم و دائم نہیں ہے بلکہ سب کو ایک ہی ختم ہو جانا ہے۔ جتنی کم ایک وقت کے لگا۔ کجب آسمان بھی پھٹ جائے گا اور یہ زمین بھی تبدیل کر دی جائے گی۔ غرضیکہ اللہ کی ذات کے سوا کائنات کی کسی چیز کو دوام حاصل نہیں۔ لہذا عبارات کے لائق بھی وہی ذات ہے جو ہمیشہ سے قائم و دائم ہے اور ہمیشہ سے ہے۔ یہ حقیقت بیان کرنے کے بعد اللہ نے وہی بات دہرائی فِي يَوْمٍ كَلَّمَا نَقِذَ بَيْنَ لُجْجٍ مِّمَّا وَرَءَا لَنَا لَوْ اَتَمَّ لُجْجٌ بِرَّهٖ دُكَّارًا كَيْسَ لِمَنْ كَسَّ لَعْنَتًا كَرِهُتْ كَرِهُتْ لُجْجٌ۔

سائل اور
مسئول الیہ

ارشاد ہوتا ہے يَسْأَلُكَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَمِیَّ سے مانگتا ہے جو کہنے ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اللہ کی مخلوق خواہ ارضی ہو یا سماوی سب کے سب اسی کے آگے دست سوال دراز کرتے ہیں اور اُنہی کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں۔ البتہ یہ سوال دو طرح سے ہوتا ہے زبانِ قلم سے یا زبانِ حال سے۔ اللہ نے انسان کو قرب گمراہی عطا فرمائی ہے لہذا یہ اپنی ضرورت زبان سے بول کر طلب کرتا ہے۔ اور باقی چیزیں یعنی جانور اور فہرے، پرندے، پھندے، گھیرے، سگڑے، آنچر و جگر زبانِ حال سے مانگتے ہیں۔ ان کی حالت ہی بتاتی ہے کہ انہیں کس چیز کی ضرورت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی حاجات پوری کرتا ہے۔ مخلوق میں سے کوئی چیز ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے مستغنی نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعائیں اس طرح سکھایا ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ رَافِیْ نَفْسِیْ مَلْوَظَةً عَیْنِیْ لَیِّ اَللّٰہِ رَاجِیْ اَللّٰہِ یَحْکُمُ کے برابر میرے نفس کی طرف ذمہ داری بلکہ مجھ پر شفقت فرما اور ہر حالت میں میری مدد فرما۔ اللہ سے مجھے میرے نفس کی طرف سونپ دیا تو میں اللہ کے قریب ہو جاؤں گا۔ غرضیکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور جن ضرورت وہی ذات ہے جو قادرِ مطلق

میں طاق اور غماز مطلق ہے۔ سائنس محقق ہیں بھی تو مانگتے ہیں غرضتوں جیسی
مغرب مخلوق جس پُختہ عروج اور ترقی کے لیے اُسی سے سوال کرتی ہے ساری مخلوق
کی حاجت برداری کرنا اسی ملک الملک کا کام ہے اور وہ اپنی حکمت اور مصلحت
کے مطابق ہر مانگنے والے کو دیتا ہے۔ اگر اُس کی حکمت نہ ہو تو ہر کوئی بھی دیتا ہے۔
یہ سارا اختیار اُسی کے پاس ہے۔ چاہے تو تکلیف کو دے کر دے اور چاہے تو
طے لبا کر دے۔

شانِ خداوندی

فرمایا آسمان وزمین کا ہر چیز اُسی سے مانگتے ہے۔ حُكْمًا يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ
شانِ وہ ہر وہ ایک شان اور حالت میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق ہر
وقت اور ہر لمحہ ایک نئی شان کو ظاہر کرتا ہے، کئی کو زندگی بخشتا ہے تو کئی کو
موت کے گھاٹ اُتار دیتا ہے، کئی کو صحت بخشتا ہے تو کئی کو بیماری میں مبتلا کر
دیتا ہے، کئی کو ترقی عطا کرتا ہے اور کئی کو تنزل میں گرادیتا ہے کئی کو بڑھا دیتا ہے
اور کئی کو گھٹا دیتا ہے، کئی کے گناہ بخش دیتا ہے، کئی کی مصیبت دور کر دیتا ہے۔
اور کئی کو جنت بندھ کر دیتا ہے کیں غور شمال عطا کرتا ہے اور کیں قحط برپا کر دیتا ہے
تمام اختیارات اُسی کے پاس ہیں جنہیں وہ اپنی مشیت اور مصلحت کے مطابق
استعمال کرتا ہے۔

حدیثِ طریف میں آتا ہے يَسْجُدُ لِلَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اُسی کے ہاتھ میں اختیار
کا ترازو ہے جس کو چاہے کم کر دے اور جس کو چاہے زیادہ کر دے بعض فرماتے
ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ایک شان دنیا کے دن کی ہے اور ایک قیامت کے دن کی
اُس کی دنیا کی شان یہ ہے کہ وہ زندگی بخشتا ہے موت عطا کرتا ہے، عطا کرتا ہے
اور ہر کوئی جیتا ہے۔ حکم دیتا ہے اور منع کرتا ہے۔ اور اس کی قیامت کی شان یہ ہے
کہ کئی کو عذاب ہوگا اور کئی کو عذاب ہوگا۔ غرضیکہ دنیا کی شان ہو یا آخر کی وہ ہر
دن ایک شان میں ہوتا ہے جس میں اُس کی صفات کمال کا ظہور ہوتا ہے فرمایا
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا رَبِّكُمْ كَمَا تَكُونُونَ اور افسانہ ہم خدا تعالیٰ کی کس کس

نعمت کا انکار کر دیں گے۔

حساب کتاب
کا منزل

پھر فرمایا سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَكْبَرًا اِنَّكَ لَمِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ہم تمہارے لیے فادہ بخور دیں گے۔ اے دوسری قافلوں والی دو قافلوں سے مراد ایک جنوں کا گروہ ہے۔ اور دوسرے انسانوں کا۔ یہ آخریت کا دور ہے جس کو اللہ نے آدم علیہ السلام سے شروع کیا اور یہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ اس دور میں انسان ہی سب اعلیٰ مخلوق ہے اور باقی تمام چیزوں کو اللہ نے انسان کی مصالحت کے لیے پیدا فرمایا ہے دوسرا گروہ جنات کا ہے جو کہ آدم علیہ السلام سے بھی پہلے کے دور سے پہلے کتبے ہیں ان لوگوں کی طرح جنات بھی مکلف ہیں۔ انسانوں کی طرح ان کے بھی مختلف گروہ اور پارٹیاں ہیں۔ ان میں نصف فرج بھی ہیں اور ظالم بھی۔ اوسن بھی ہیں اور کافر بھی، ناجی بھی ہیں اور ناردی بھی۔ بہر حال انسان اور جن دونوں قسم کی مخلوق مکلف ہے یہ دونوں مہادی قافلے قیامت تک چلتے رہیں گے۔ پھر سارا جہاں تبدیل ہو جائے گا۔ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور پھر جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم عنقریب تمہارے حساب کتاب کے لیے فادہ بخور دیں گے۔ اس سَنَفْرُغُ کے لفظ سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ایسی ہے کہ اس کو کوئی شان دوسری شان سے مصروف نہیں رکھتی مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی ایک کام میں مصروف ہو تو کیا وہ کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دے سکتا؟ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ ہر چیز اور ہر کام ہر وقت اس کی نگاہ میں ہے اور کوئی چیز اسے دوسری چیز سے غافل نہیں کر سکتی۔ اگر یہ بات ہے تو پھر اس جملے کا کیا مطلب ہے کہ ہم عنقریب تمہارے حساب کتاب کے لیے فادہ بخور دیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ پہلے فادہ بخور نہیں تھے عنقریب جب فادہ بخور دیں گے تو اس طرف متوجہ ہوں گے۔ اس مسئلہ میں صرف، نحو اور تفسیر کے مشہور امام ذہبی فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں فراغت دوسنی میں آتا ہے ایک فراغت تو عام ہے کہ کوئی شخص کسی کام میں مصروف ہے اور جب اس کو ختم کر لیا ہے تو فادہ بخور ہو جاتا ہے۔ فراغت کا

دوسرے اصلی کسی کلام کا قصد کرنا ہوتا ہے۔ اور اس محکم پر ہی مبنی ہوتا ہے اور جیسے کامیابی
 یہ بنتا ہے کہ منقریب ہم قصد کریں گے تمہارے لیے اے دروہیل تاقلو ایہ انسانوں
 اور جنوں دونوں گنہ ہوں سے خطاب ہے کیونکہ یہ دونوں انواع مکلف ہیں خطاب
 یہ ہے کہ ہم منقریب تمہارا حساب کتاب لینے کا قصد کریں گے جس کے بعد
 جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ البتہ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہاں پر مستغنی عن
 کا حقیقی نہیں بلکہ مجازی معنی ملتا ہے کہ منقریب ہم بدل دیں گے۔ یہ بدلہ دنیا میں نہیں
 بلکہ آخرت میں حساب کتاب کی منزل کے بعد دیا جائے گا۔ دنیا میں تو پرہیزگار نہیں
 ملتا کسی کو حضورؐ واجب مل گیا، مگر مکمل بدلہ آخرت میں ہی ملے گا۔ ساتھ پھر وہی جملہ
 دہرایا فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبُونَ تم دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کی کس کس
 نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

مخلوق کی
 بے بسی

آگے پھر دونوں گروہوں کو خطاب کر کے فرمایا لِيُعَذِّبَ الَّذِينَ وَلَّاءُ فَسِ
لِے جنوں اور انسانوں کے گروہ إِنِّي اسْتَطَعْتُ أَن أَنفَعُ وَأَرْمِي أَهْلَكَ
السَّعَوتِ وَلَا أَرْضِي فَاغْذُوا اگر تم اس بات کی طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں
 اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو بھاگ نکلو۔ اللہ نے پہنچ کیا ہے کہ تم میری نافرمانی
 کر کے میری گرفت سے بچنا نہیں سکتے۔ میری بادشاہت تو آسمانوں اور زمین میں
 ہے۔ اگر تم میں ہمت ہے تو میری سلطنت سے بھاگ کر دو کھاؤ۔ بلکہ تم گرفت
 سے بچ سکو۔ پھر اللہ نے خود ہی فرمایا کہ سَيُفْعِدُونَ إِلَّا يَجِدُ الْإِنْسَانُ رُكُوعًا
 تم نہیں بھاگ سکتے مگر غلبے کے ساتھ۔ سلطان کا معنی سستہ، دلیلی یا غلبہ۔ اور
 یہ غلبہ تمہارے پاس موجود نہیں، لہذا تم خدا تعالیٰ کے قبضے اور تصرف سے نکل نہیں
 سکتے۔ تہذیبی کائنات تو انہی کی فکر و ہے، پھر تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ عام دنیا
 کی حکومتوں کا یہی رستہ ہے کہ وہ حق الامکان مجرم کو بھاگنے نہیں دیتیں۔ مگر
 اس کے باوجود بعض لوگ دوپوش ہو جاتے ہیں یا ایک ملک چھوڑ کر دوسرے ملک
 میں پھلے جاتے ہیں۔ جبکہ وجہ سے گرفت سے باہر ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی سلطنت

تو ہر جگہ ہے۔ آخر کوئی بھاگ کر کہاں جائے گا! لہذا مجرم ہونا پھرتے جائیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کی عداوت سے سزا بھی پائیں گے۔ فَإِنَّ آيَةَ رَبِّكَ كَمَا تَكْذِبُنِ پس تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلو گے۔

فَرَمَا قَيْنَ سَلِّ عَلَىٰ كَمَا شِئْتَ وَتَرَىٰ نَارًا وَخَاسِ قَمِ دُونَ پر آگ اور دھواں کے شعلے پھیلنے جائیں گے، یعنی اگر کوئی جنوں اللہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے بھاگ کر بھاگتا ہے گا۔ تو اس پر آگ اور دھواں پھیلنے کا جائے گا۔ جس کی وجہ سے کوئی مجرم بھاگ نہیں سکے گا۔ سُورَةُ الشُّعَرَاءِ میں اللہ نے فیطین کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور ہر سرکش شیطان سے اس کی مخالفت کی بہت تاکہ ظہورِ اعلیٰ کی بات نہ سن سکیں۔ وَقَدْ فَكَّرْنَا مِنَ الْكُفْرِ جَانِبًا (آیت ۸۰) اور ہر طرف سے ان پر انگائے پھیلنے لگے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ جنوں اور انسانوں میں سے اگر کوئی بھاگتا چاہے گا تو اس پر آگ اور دھواں چھوڑا جائے گا فَقَدْ فَكَّرْنَا قَمِ دُونَ پس تم دونوں بدلہ نہیں لے سکو گے۔ مطلب میں ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی عظمت سے بھاگ کر نہیں جا سکو گے اور تمہیں اپنے معاند اعمال کا حساب دینا ہی پڑے گا۔ فَرَمَا قَيْنَ الْأَوَّلِ رَبِّكَ كَمَا تَكْذِبُنِ جھٹلو تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

پھر عرض ہے
جواب

وَالْمُتَكَبِّرِينَ اور یہ ساری ہندوؤں کا لیدر تھا جس نے اپنی کتاب عقیدہ تو پر کاشف میں تولد، انجیل اور قرآن پر بہت سے اعتراض کیے ہیں۔ کتاب کے چودھویں باب میں قرآن پاک کی وہی آیت فَإِنَّ آيَةَ رَبِّكَ كَمَا تَكْذِبُنِ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مشکانوں کا خدا بھی عجیب ہے کہ ایک طرف تو جنوں اور انسانوں پر آگ کے شعلے اور دھواں پھیلنے کا عجب ہے دوسرے اور مانتے ہی کہتا ہے کہ تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلو گے؟ بعد آگ اور دھواں پھیلنے میں کوئی نعمت کس ہے جس کا انکار ممکن نہیں؟ اس کے جواب میں شاہ عبدالقادر

نے، مشیرِ قرآن پر جواب لکھا ہے کہ کسی کو عذاب کی خبر دینا بھی خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کہ اس طرح کوئی شخص پہنچاؤ کہ لکھا ہے اور اگر یہ اطلاع نہ دیا جائے تو ہر لکھا ہے کہ وہ شخص اس مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔ تو اللہ نے آگ اور دھڑی کا ذکر کر کے جنوں اور انہوں کو خبردار کر دیا ہے کہ قیامت ملے دن تو تم جاگ نہیں سکو گے لہذا آج سوچو ہے کہ ایمان اور توبہ کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ جاؤ۔ دینا کا بھی یہ دستور ہے کہ جس خط ملک میں طوفان یا سیلاب وغیرہ آنے کا خطرہ ہو، وہاں کے لوگوں کو پیشگی خبردار کر دیا جاتا ہے کہ اپنا بچاؤ کر لو ورنہ طوفان کی تڑا ہو جائے گا۔ تو اطلاع کن بھی نعمت ہے ورنہ لوگ طوفان یا سیلاب کی زد میں آکر ہلاک ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کا خبردار کن بھی ایک نعمت ہے کہ نہیں۔ امام محمد بن ابوبکر عبد القادر رندھا فرماتے ہیں کہ کسی سزا کو توڑ کر دینا یا مصیبت کو ٹال دینا بھی تو نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ دینا میں بنا اوقات مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور فوری سزا نہیں دیتا بلکہ اسے مؤخر کر دیتا ہے، قریہ بھی تو اس کا احسان ہی ہے۔ اسی طرح پیشگی اطلاع کے دینا اور آئندہ آفت سے خبردار کر دینا بھی خدا کا انعام ہے۔ جو شخص اس بات کو نہیں سمجھتا وہ احمق ہے اور فضول اعتراض کرتا ہے۔

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٢٤﴾
 فَيَايَ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ
 عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٢٦﴾ فَيَايَ الْآءِ رَبِّكُمَا
 تُكَذِّبِينَ ﴿٢٧﴾ يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ سَيِّئَهُمْ فَيُؤْخَذُ
 بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٢٨﴾ فَيَايَ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٩﴾
 هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٣٠﴾
 يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ إِنْ ﴿٣١﴾ فَيَايَ الْآءِ
 رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ :- پھر جب پٹ جائے گا آسمان ، پس ہو جائے
 ۳ سرخ کھال کی طرح ﴿۲۴﴾ پس تم دونوں اپنے پندہگار
 کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے ﴿۲۵﴾ پس اس دن نہیں
 پوچھا جائے گا اس کے گناہ کے بارے میں کسی انسان
 اور نہ کسی جان سے ﴿۲۶﴾ پس تم دونوں اپنے پندہگار
 کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے ﴿۲۷﴾ پہچانے جائیں گے
 مجرم اپنی نشانیں سے ، پس پکڑا جائے گا ان کی کھینچیں
 اور پاؤں سے ﴿۲۸﴾ پس تم دونوں اپنے پندہگار کی
 کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے ﴿۲۹﴾ یہ ہے جہنم جس کو
 جھٹاتے تھے مجرم ﴿۳۰﴾ پھر پکڑ لگائیں گے اس کے

درمیان آمد کھولتے ہوئے پانی کے درمیان ﴿۵۶﴾ پس تم
 دونوں اپنے پیروکار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿۵۷﴾

لہذا کیا تم

سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل خصوصیات کا ذکر کیا جو اس
 نے اپنی مخلوق اور خاص طور پر بنی انسان پر کیے ہیں۔ پھر جرنلے عمل کے بارے میں
 فرمایا کہ زمین و آسمان کی ہر چیز نفی ہے اور باقی سبھنے والی صرف ہمدردگار کی ذات
 ہے اس کے ساتھ انعامات کے سلسلے کو ہرگز ترک نہ کریں ہات باور کرائی گئی کہ
 وہ محتاج ہیں اور ہر چیز خود تعالیٰ سے ہی اپنی عبادت طلب کرتی ہے۔ پھر وقوع قیامت
 اور محاسبہ اعمال کا ذکر کیا۔ مجرمین کے تعلق فرمایا کہ ان پر آگ کے شعلے اور دھواں جھیلے
 جائے گا۔ مگر انہیں کسی طرف سے مدد نہیں ملے گی۔ اس بکھارے سے اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ
 بھی دہرایا کہ اے جنہوں نے انکار کیا تم اپنے پیروکار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

آسمان پھٹ
 جائے گا

کچھ کے جس میں میں وقوع قیامت اور جرنلے عمل ہی کا بیان ہے۔ ارشاد
 ہوتا ہے فَإِذَا انشَقَّتْ السَّمَاءُ فَسُيَّرَ الْمَاءُ فَمِنْ ثَمَرَاتِ الْمَاءِ الْجِبَالُ
 قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا فَنُفِثَتْ
 وَرْدَةٌ كَأَلِ النَّارِ كَالْأَشْنَةِ كَالْخَالِ كَالْطَّرِيقِ۔ وَرْدَةٌ گلاب کو
 کہتے ہیں اور دھواں و باغت شدہ کمال کو کہتے ہیں جو شرعی مال ہوتی ہے طلب
 پر ہے کہ آسمان پھٹ کر گلابی یا شرش رنگ کا ہو جائے گا۔ دھواں تل کی تلچٹ
 کو بھی کہتے ہیں جو شرعی مال ہوتی ہے۔ اس وقت کہ آسمان نیگیوں نظر آتا ہے۔
 مگر قیامت کے دن شرعی مال ہو جائے گا۔ دوسری جگہ ہے کہ آسمان پھٹ
 کر دیکھ دیکھ ہو جائے گا۔ اور اس سے ان پر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی۔ پھر
 وہی جملہ دہرایا قَبَسَ الْآلَاءِ رَبِّكَ كَمَا سُكِّرَ النَّارِ تَمِ دُونَ (میں اور انہیں)
 اپنے پیروکار کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے ؟

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مجرموں کی سزا یا الی ایمان کے حق میں نعمت
 ہے اسی سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا ہے فَفُطِحَ دَابِئُ الْقَوْمِ الَّذِينَ

ظَلَمْتُمْ اَوَّلَ مَا خَلَقْتُ فَلْيَعْلَمَنَّ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۵۸﴾ میں ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعزیریں تمام جالوں کے پودہ گار کے لیے ہی متروک رہیں۔ وہاں لوگوں کے حق میں تو یہ نعمت ہے لیکن اس کا وہ سزا پہلو یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ سزا کا حال سنی کر مجرم لوگ جراثیم سے باز ہی آجائیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہر آیت میں اپنی نعمت بتائی ہے کوئی کوئی الاقر نعمت ہے جس سے مخلوق مستفید ہو رہی ہے اور کسی جڑ سے انجھام کی ضرورت یا بھی نعمت ہے کہ لوگ لڑ کر اس بانی سے باز آجائیں اور سزا سے بچ جائیں۔

کے ارشاد ہر اسے فیکمید لا یسئل عَنْ ذَنْبِهِ اِنَّهٗ وَلَاجَانِ اَس قِیَامَتِ وَاے دن کسی انسان یا جن سے اُس کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ فَاِیَّی الْاَلَمَ رَبِّکُمْ کَا تَکْذِبُوْنَ پس تم دونوں اپنے پودہ گار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے یَقْرَءُ الْمُجْرِمُونَ بِسْمِہٖ ثُمَّ یَدْعُوْنَ وَلَیِّنًا دَیْمًا اِیْمًا مجرم لوگ اپنی نشانوں سے پہچان لیے جائیں گے۔ اس عہد باز پر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں بغیر سزا کے گناہ چھوڑ دیا جائے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ اُن کے گناہوں کی آلودگی اُن کے چہروں سے ظاہر ہوگی جیسا کہ سورۃ جس میں فرمایا وَوُجُوْہٌ عَلَیْہَا عِزٌّ ۝۵۸ ﴿۵۸﴾ تَرٰحِفُہٗ ۝۵۹ ﴿۵۹﴾ اے کہنے سنہ ہوں گے جن پر اس دن گرد پڑ رہی ہوگی اور سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ خود بھی ہر شخص کے حالات کو جانتا ہے اور ہر شخص کا ہر عمل لوح محفوظ میں ہی محفوظ ہے۔ فرشتوں کی کتابوں میں بھی صحت ہے ہر انسان کے اعمال نامہ میں بھی محفوظ ہے۔ شاہ ولی اللہ کی محنت کے مطابق انکا کی نیکی اور بدی اُس کی مدد اور نقص میں بھی محفوظ ہے۔ لہذا فرمایا کہ اس دن مجرموں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ البتہ ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کے لیے ضرورت باز پر اس ہوگی جیسے سورۃ الحج میں فرمایا قُوْا رَبَّکُمْ لَکُمْ سِتْرٌ لَّکُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲﴾ ترے پودہ گار کی قسم ہم اُن سب سے ضرور پوچھ لیں گے

مجرموں کی
پہچان

اور یہ ہذا پر سب سزا کے سیکھے ہوئے۔ حضرت یہ بھی فرماتے ہیں کہ قیامت کو کئی مواقع پیش آئیں گے۔ بعض مواقع پر ہذا پر سب ہوگی اور بعض پر نہیں ہوگی۔ تو اس لحاظ سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ مجرموں سے پہنچنے کی ضرورت عین کی جگہ جرم کی دعوت کے اعتبار سے فَيَوْمَئِذٍ يَأْتِي السُّوْءُ أَصْحٰى وَالْأَفْئَادُ مَرَّةً پشانی کے بارے سے پکڑے جائیں گے اور پاؤں سے پکڑ کر گھیسے جائیں گے فَيَأْتِي الْآلَاءُ رَبِّكَ كَمَا فُتِحَتْ بَنِي إِسْرٰءِيلَ تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹکاؤ گے۔

غازی اور
مفتی کی
پہچان

جس طرح مجرم لوگ اپنے گناہوں سے پہلے نہیں گئے اسی طرح اہل ایمان بھی بعض نشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارتداد مبارک ہے کہ میری امت کے لوگ دھن کے اعضاء سے پہچانے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضور! حشر کے جوہر میں آپ اپنی امت کے لوگوں کو کیسے پہچانیں گے تو فرمایا، اگر کسی شخص کے امت سے گھوٹے ہوں جو میں حق نکلیاں بھی ہوں تو ان کو کیسے پہچانا جاتا ہے؛ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ایسے گھوٹے اپنے چہرے اور چادریں پاؤں کی سفیدی سے پہچانے جاتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں دھو کر نہ کی جاسکے۔ دشمن ہوں گے لہذا میں انہیں آسانی کے ساتھ پہچان لوں گا۔ مسلم شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ کے رضا کی خاطر اذان جیسے والوں کی گردنیں قیامت کے دن باندھ دیں گی اور اس طرح سوزن لوگ پہچانے جاسکیں گے۔ مگر یہی لمبی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لونٹ کی طرح لمبی ہوں گی۔ بلکہ ان پر خاص قسم کی نورانیت چھائی ہوگی۔ جس سے یہ پتہ چل جائے گا کہ یہ سوزن ہیں جو دنیا میں اللہ کا کھڑ بندہ کرتے رہے اور لوگوں کو فائدہ کی طرف دعوت دیتے رہے۔

حدیث شریعت میں اللہ کے نبی نے بعض دوستوں کو پہچان کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ مثلاً مجاہد اور سقرہ لوگ قیامت والے دن چیتوں کے

مشکر اور
جگہ کی
پہچان

بہر چھوٹے چھوٹے ہوں گے۔ قوتیا میں تڑپاے جیتے ہے، حسب نسب اور مال و دولت پر غرور کرتے ہے سگر اس دن اُن کے جسم چوٹیوں جتنے ہوں گے اور وہ پیمانے جائیں گے۔ مولادروئی فرماتے ہیں۔

حشر پڑ حوس، سنگ مردار خور

صورتِ شوک بود روزِ شمار

حوس کا مر بیض دنیا میں مردار کھانے ملنے لگتے کی مانند ہوگا۔ اور وہ قیامت کے دن خنزیر کی شکل و صورت میں ہوگا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔

نانی را گندہ انعام نہاں

خمر خندہ بود و گندہ دہاں

نار کا دل کے اعضائے تناسل سے اس قدر بدبو آئے گی کہ کوئی پاس نہیں کھڑا ہو سکے گا۔ اور شراب خور کے منہ سے بھی ایسی بدبو آئے گی جیسا کہ گندہ دہنی کی بیماری ہوتی ہے۔ یہ بیماری بعض کو قبل میں ہوتی ہے، بعض کو پاؤں میں اور بعض کو منہ میں۔ غرضیکہ مختلف قسم کے لوگ اپنی اپنی نشانیوں سے پہچانیں جائیں گے۔

فرمایا بحرم لوگوں کو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے گیسٹ کر جنم میں پیچیک دیا جائے گا، اور کہا جائے گا هَذِهِ بَحْمُكُمْ اَلْحَيُّ يُكْذِبُ بِهَا الدُّعْوُونَ

یہ ہے وہ جہنم جس کو بحرم لوگ جھٹلاتے ہے۔ جب انہیں دنیا کی زندگی میں برے اعمال اور جہنم کے ذباب سے ڈرایا جائے گا۔ تروہ تکذیب کہتے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں، مذکورئی حساب کتاب ہے اور نہ اس کے نیچے میں

جنت و دوزخ ہے۔ یہ سب کائنیاں ہیں جو لوگوں نے بنا رکھی ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو جہنم رسید کر کے کہا جائے گا کہ اس جہنم کو تم دھوکہ کرتے تھے، اب اس

کا سزا چکھو، سورۃ انفار میں جہنم رسیدگی کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے حکم ہوا خُذُوْهُ فَعَلُوْهُ ۝۳۰ ثُمَّ الْبَٰحِیْمَ صَلُوْهُ ۝۳۱ ثُمَّ

فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذُرُّوْهُمْ سَبْعُوْنَ ذَرًّاۃً فَاَسْلُکُوْهُ ۝۳۲ اسے پکڑو اور

بحرم کے
بے سزا

اور طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ کی آگ میں جبرک دو۔ پھر ستر ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ دو۔

فرمایا پھر اس وقت حالت یہ ہوگی کہ یَعْلَمُ فُكْرَ نَفْسِهَا وَبَيْنَ جَدِیْنِ
 آپ پھر وہ چکر لگائیں دوزخ اور کھڑے ہوئے پانی کے درمیان۔ جب آگ
 کی شدت سے پیاس محسوس ہوگی تو پانی کی طرف دھڑکیں گے۔ مگر وہ کھڑے ہوا
 گرم پانی ہوگا۔ سورۃ النہد میں ہے کہ جب وہ پانی کا ایک گھونٹ پیں گے تو
 وہ اس قدر گرم ہوگا فَتَقَطِّعُ أَلْسِنَاهُمْ فَمَا لَهُمْ كَلًّا (۱۵) کہ ان کی آنتوں کو
 کاٹ کر خنچے پھینک دیے گا۔ وہ پھر اپنی اصل جگہ پر آئیں گی۔ پھر پانی پئے گا۔
 اور پھر وہی حالت ہوگی۔ ان کی ایک اور حالت سورۃ النساء میں اس طرح بیان
 کی گئی ہے کہ جہنم میں کہے گئے تُمَا فَنُفِخَتْ جُلُودُهُمْ فَبَدَّلْنَاهُمْ
 جُلُودًا أُخْرٰی کَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِیْنَ ان کی کھال بدل جائے گی تو ہم دوسری کھال پہنا دیں
 گے۔ پھر وہ بھی جل جائے گی تو اس کھال پہنا دی جائے گی، اور اس طرح ان کی
 کرسمل سزا ملتی ہے گی۔

سورۃ الاحقار میں دوزخ میں کے کھانے پینے کا ذکر بھی آتا ہے لَا يَكُونُ
 مِنْ مَّشْجَبٍ قَدْ رَزَقْنَاهُ ۝۱ کھانے کے لیے مقرب کا کڑا درخت ہوگا۔ جس سے
 وہ پیٹ بھرے گا کدکشی کریں گے۔ فَتَذَرُوهَا عَلَيْهِمْ وَمِنْ
 الْحَمِيمِ اور پینے کے لیے کھونا ہر پانی ہوگا۔ سورۃ الاحقار میں مندرجہ
 وَلَا طَعَامًا إِلَّا مِنْ ذَاتِ يَمِينٍ ۝۲ اُن کے کھانے کے لیے ایسی دہلہ پہ پہ
 لگی کہ جس کا ایک ٹول بھر کر اگر دنیا میں پیسہ دیا جائے تو دنیا کی کوئی چیز استعمال
 کے قابل نہ ہے۔ ایسا ہی ایک نقشہ سورۃ الغاشیہ میں کیسٹھا ہے۔ تَخْشَى مِنْ
 عَذَابِ آتِيَةٍ ۝۳ کَیْسَ لَهْمُ طَعَامٍ إِلَّا مِنْ شَرِيعٍ ۝۴ لَا يُسْمِنُ
 وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝۵ اُن کو کھوتے ہوئے چٹھے کا پانی پلایا جائے گا۔
 اور کھانے کے لیے غار پر جھاڑ ہوگا۔ جو کہ جسم کو زخم پہ کوٹے گا۔ اور نہ اُس سے

بھوک و قدر ہوگی۔

اور پھر آخر میں وہی جلد و ہر لگیا و قیاسی آگے دیکھا گنگو بنی ہے جو
 اور انما فرما تم اپنے پیروکار کی کرن کو نعمت کا اظہار کرو گے۔ یہ مذکورہ سزا میں
 میں اس کا خط سے نعمت ہیں کہ ان کی ہر ناک کی کرن کو گنگو بڑاں سے باز آجائیں اور
 یہ کہ کو اختیار کریں۔ اگر یہ بات کسی کی سمجھ میں آئے تو سزا کا بیان فی الامور اس کے
 نے نعمت ثابت ہوگا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ فِيهِمَا عَيْنَانِ جَرِيدِينَ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ رَوْحِينَ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ مُتَكِنِينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَّاتُ الْجَنَّةِ ۚ ذَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ فِيهِنَّ قُصُورٌ الطَّرِيفُ لَمْ يَطْمِئْهُنَّ رَأْسٌ قَبْلَهُنَّ وَلَا جَانٌ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

ترجمہ: اور جو اللہ کی محفل سے ڈرے گا وہ جنت میں ہے جو ڈرا کھڑا رہنے

سے اپنے پردہ نگار کے سامنے، دو باغ ہوں گے ۴۱

پس تم دونوں اپنے پردہ نگار کا کون کونسی نعمت کو

جھٹلاؤ گے ۴۲ (دو باغ) گھنٹہ شاخوں سے بھرے ہونگے ۴۳

پس تم دونوں اپنے پردہ نگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ

گے ۵۴) ان دونوں میں دو ہتھے بستے ہوں گے ۵۵)
 پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس کس نعمت کو جھٹکؤ
 گے ۵۶) ان دو باغوں میں قسم قسم کے پھل ہوں
 گے ۵۷) پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس کس نعمت
 کو جھٹکؤ گے ۵۸) ان باغوں میں نیچے لگا کر بیٹھنے والے
 ہوں گے ایسے بکھوڑوں پر جن کے ستر موٹے ریشم
 کے ہوں گے اور ان باغوں کے پھل قریب ہوں گے ۵۹)
 پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس کس نعمت کو جھٹکؤ
 گے ۶۰) ان باغوں میں عورتیں ہوں گی نیچی نگاہ والی کہ
 نہیں چھڑا ان کو کسی انسان نے اس سے پہلے اور نہ
 کسی جن نے ۶۱) پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس
 کس نعمت کو جھٹکؤ گے ۶۲) (وہ عورتیں) گویا کہ وہ
 یاقوت اور مرجان ہیں ۶۳) پس تم دونوں اپنے پھدگار
 کی کس کس نعمت کو جھٹکؤ گے ۶۴) انہیں ہے بلدا حسان
 کا منگو احسان ۶۵) پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس
 کس نعمت کو جھٹکؤ گے ۶۶)

دلچسپ

پیلے اللہ کے مطلق مادی جسم اور روحانی انعامات کا ذکر ہوا۔ پھر اس کے
 بعد انفرادی کے انتہائی کمالات کا ذکر ہوا۔ برائی کی چیزوں سے خبردار کرنا بھی نعمت
 خلدی ہے تاکہ لوگ اللہ کے مذاہب کی جائیں۔ اب اگلی آیات میں اللہ
 کے اطاعت گزار بندوں کا ذکر آ رہا ہے۔ ان کے آگے پھر دو گروہ ہیں جتنے
 ہیں جن کی جزائے عمل بھی اللہ نے الگ الگ بیان کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَیْسَ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ اور جو شخص ڈر گیا اپنے
 پھدگار کے سامنے کھڑ ہونے سے۔ جس کو قرین قیامت اور جزائے عمل

متقین کے
 لیے ہے

پر یقین لگایا، اور اُسے علم ہو گیا کہ اُس نے ایک روز اللہ رب العزت کی عزت میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، وہ لازماً ایمان اور نیکو کو اختیار کرے گا۔ اور یہ عقیدہ کہ وہ باعملی سے نیک جائے گا۔ سورۃ النعت میں ہے: وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَاهَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ (آیت ۴۰) جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (آیت ۴۱) بلاشبہ اُس کا ٹھکانا جنت ہوگا۔ البتہ اس مقام پر فرمایا کہ جو شخص اپنے پروردگار کے دودھ کھڑا ہونے سے ڈرے گا۔ اُس کے لیے جنت حق دہنیں۔ یاد رہے ہمیں گے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان باغات کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ معسرین دو باغوں کی مختلف ترجیحات بیان فرماتے ہیں۔ اگلی سورۃ الانعام میں نیکی کرنے والوں کے دو گروہوں کا ذکر آ رہا ہے۔ ایک گروہ سابقین کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نبیؐ میں بہت کھڑے ہوئے ہیں اور دوسرے گروہ اصحابِ یمن کا ہے جن کو اعمال نامہ ان کی محنتوں کا قدر میں ملے گا۔ یہ لوگ اگرچہ سابقین سے کم درجہ میں ہونگے۔ مگر یہ بھی کہیں ہونگے تو کیاں پر جن دو جنتوں کا ذکر فرمایا ہے، معسرین فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک باغ سابقین کے لیے ہے اور دوسرا اصحابِ یمن کے لیے ہے۔ بعض معسرین دو باغات یا دو جنتوں کی تقسیم اس طرح کرتے ہیں کہ ایک باغ جزین کے لیے ہوگا اور دوسرا انانوں کے لیے کیونکہ اس سورۃ میں اللہ نے ان دونوں انواع سے بار بار خطاب کیا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ سے معسرین یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ جس طرح انان جنت میں جائیں گے۔ اسی طرح بنات بھی جنت میں جائیں گے۔ اُن کو بھی ایسی ہی جزائیں ملیں گی جس کی تشریح اگلی آیت میں آ رہی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنات کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہوئی اور ان کی آبادی بھی انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ انسانوں کی طرح ان کی بھی پارٹیاں اور گروہ ہیں۔ ان میں بھی مومن اور کافر ہیں اور پھر وہ بھی مختلف

غائب اور فرقتے نہ کھتے ہیں، ترجموں میں سے جو کوئی ایمان لے لے گا اور نیکی اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرے گا۔ وہ بھی جنت میں جائے گا اور وہاں کے انعام و اکرام کا حقدار ہوگا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مذکورہ دو جنت ایک ہی شخص کے لیے ہیں۔ ایک جنت اُسے اس کی نیکیوں کی وجہ سے ملے گی اور دوسرا ترکِ معاصی کی بنا پر ملے گی۔ امام بیضاویؒ اور بعض دوسرے مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایمان کو ایک جنت اُس کی جسمانی راحتوں کے لیے ملے گی جبکہ دوسرے جنت میں اس کے لیے روحانی راحتوں کا سامان ہوگا۔ جسمانی راحت میں کنّا اور دینا، بیویاں، باغات، پہلے مریں وغیرہ ہیں جبکہ روحانی راحت میں انسان کو روحانی سکون اور اطمینان حاصل ہوگا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ دو جنتوں میں ایک جنت انسان کو اس کے حسنِ خلق کی بنا پر ملے گی اور دوسرا جنت اعمالِ حسنہ کی وجہ سے حاصل ہوگا۔ تاہم یہ دونوں جنت ایک ہی شخص کے لیے ہیں۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر مومن کو ایک جنت اُس کے نیک اعمال کے بدلے میں ملے گی اور دوسرا جنت اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کی وجہ سے حاصل ہوگا۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: **لَکَذِیْنِ احْسَنُوْا الْخُسْرٰی** قرآن مجید (روم ۲۰) میں لوگوں نے دنیا میں نیکی کے کام انجام دیے تھے کا بدلہ یہی ہے اور کچھ زیادہ بھی۔ یہ نیا دینی اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کی وجہ سے ہوگی اور اس میں دیکر الہی کا ذکر بھی آتا ہے۔

حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ مذکورہ دو جنتوں میں سے ایک کا ساڑو سامان یعنی فرغِ غم، بہن، سلمان آرائش وغیرہ چاندی کا ہوگا۔ اور دوسرے کا سونے کا ہوگا۔ گریا و رنجوں میں اس قدر تفاوت ہوگا۔ ظاہر ہے چاندی کے ساڑو سامان کی اپنی کیفیت، ہرگز جو سفید ہوگی اور سونے کی دوسری شان ہوگی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہی ہوگا۔ اس قسم کی مثالیں دنیا میں بھی مل جاتی ہیں عید کا دو رنگ کے قلاب افضل المولد کے کسی عزیز سے ایک پٹری پر تعلقنا

بنایا اور پھر شے چیلے کے طور پر زاب کرتے رہا۔ کہتے ہیں کہ اس محل میں چابیس کمرے تھے اور ہر کمرے کا ماحول الگ الگ تھا کسی کمرے کی دیواریں، چھت، فرش وغیرہ اور تمام ساندو سامان ایک رنگ کا تھا تو دوسرے کمرے کا دوسرا رنگ کا۔ ایک کمرے کے پرچے ایک قسم کے کپڑے کے تھے تو دوسرے کمرے کے دوسری قسم کے کپڑے تھے۔ عَلَىٰ أَهْلِ النَّبَاسِ ہر کمرے کا ماحول مختلف تھا۔ اس کے رنگ و روغن ساندو سامان اور کوشنی کی بناء پر کوئی گروہ صبح کا منظر پیش کر رہا تھا تو کوئی دوسرا کوئی دن دکھانے کا، اور کوئی چاندنی رات کا۔ بہر حال جب انداز میں اس قسم کی چیزیں پیش کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے، اس کے ہاں کیا کچھ ممکن نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام بہت اصلی و بارخ ہوں گے جن کا تصور آج ہم نہیں کر سکتے بہر حال فرمایا کہ جو شخص اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے گا اس کے لیے دو بارخ ہوں گے۔ اور پھر یاد دلایا قَبَائِلُ الْاَوَّلِیِّ کیا گنگوڑ بنائے جنوں اور انسانوں کے گروہ! تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹکو گے۔

آگے میں انہوں کی کچھ کیفیت بیان کی جا رہی ہے ذَوَاتِی الْاَنْفِ ان وہ دونوں بارخ گن شاخوں ملے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ بارخ کا حسن و خوشی سے ہوتا ہے اور پھر یہ ہے کہ گنے باغات زیادہ خوش کن ہوتے ہیں۔ اگر رحمت موجود بھی ہوں مگر پت جھڑ کا موسم ہو تو بارخ بدلا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اللہ کی جنت میں سدا بہار و رحمت، اپیل و پھول اور پتے ہوں گے۔ جن کی دلکشی میں کبھی فرق نہیں آئے گا۔ فرمایا اللہ نے اس قدر انعام و فضل فرمایا ہے قَبَائِلُ الْاَوَّلِیِّ کیا گنگوڑ بنائے ہیں تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کر گے؟

ان باغات کی ایک اور خصوصیت یہ بیان فرمائی وَفُتُحَا عَیْشِیْنِ بختِ بختِ بخت ان میں دو پٹے بخت ہوں گے وہ ایسا نہیں پانی ہوگا جز کہیں باسی ہوگا اور نہ اس میں بدلہ پیدا ہوگی۔ ان جنتوں کا پانی ہمیشہ میٹھا، خوشگوار، اور

ہر شخص کو مہین چاہیے۔ (ان چیزوں کے علاوہ انسان کو اپنے جسم کے کبھی ضرورت ہوتی ہے۔ مرد کو عورت کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کو مرد کی۔ ان دونوں ضروریات کی تکمیل اور نسل انسانی کی بقا کے لیے اللہ نے نکاح کا سلسلہ قائم کیا ہے یہ سلسلہ قرآن پاک میں مذکور ہے آگے جنت میں پہنچ کر حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ہر شخص کو کم از کم دو بیویاں میسر ہوں گی۔ وَمَا فِي الْجَنَّةِ أَحْزَابٌ يَمْنَى كَوْنِي حَتَّىٰ يَجُوزِيَنَّهُمْ بِرُكَاةٍ سَائِے صَاحِبِ اہل ہوں گے۔ سورۃ الطور میں جہاں اہل جنت کے دیگر انعامات کا ذکر ہے وہاں فرمایا وَزَوْجَاتُهُمْ بِحُورٍ عَذْرَاءِ (آیت ۲۰) ہم ان کا موٹی آنکھوں والی خوب صورت عورتوں سے نکاح کروں گے۔ اسی نعمت کو اللہ نے اس مقام پر بھی بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔ رَفِيقُهُنَّ قَصَصَرَاتُ الطَّرَافِ اِن جنتوں میں پہنچی نگاہ رکھنے والی پاکیزہ عورتیں ہوں گی۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَاتٌ (آیت ۲۵) جنت میں اہل جنت کے لیے پاک بیویاں ہوں گی۔ یہ عورتیں جنت کی مخلوق میں سے ہوں گی۔ یعنی ان کی تخلیق

ہی جنت میں ہوئی ہوگی۔ اللہ نے ان کی ایک صفت پر بیان کیا ہے کہ وہ اپنے خاندانوں اور محرموں کے علاوہ کسی پر نگاہ نہیں اٹھا سکیں گی، اور دوسری صفت یہ کہ كَمْ يَطْمِئِنُّنَّ اِنْشَاقًا لَّهُمْ وَلَا تَجِدُ اَنْ اٰہل جنت سے پہلے نہ انہیں کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ وہ بڑی ہی باحیا اور باحمت عورتیں ہوں گی اور یہی وہ چیزیں عورت کا زلیخہ ہیں۔ عصمت بڑی نازک چیز ہے اگر عصمت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ سورۃ القصص میں اللہ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کا تذکرہ کیا ہے کہ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کو بلا لے کے لیے آئی تو تَمَشَّتْ عَلٰی سَبْعِیْنِ کَیۡدٍ (آیت ۲۵) حیا داری کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں

میا صرف عورتوں کے لیے ہی ضروری نہیں بلکہ یہ مردوں کے لیے بھی ایسی ہی ضروری ہے جیسی عورتوں کے لیے۔ پٹے ٹیپوں کی تعلیم میں بھی تمنا اور جنس علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اِنَّكَ تَنْتَهِي فَاَصْلَحْ مَا يَشَاءُ اگر تمہیں میا نہیں ہے تو جو می چاہے کرتے رہو، اگر نہ پڑھنے والا ہے، حیا کمال درجے کی صفت ہے تو جنت کی عورتیں باسیا اور باصمت ہوں گی اور ختیوں سے پٹے انہیں کسی آئینہ یا آئینہ نے منع نہیں کیا ہو گا۔

ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ آج اپنی دو چیزوں کا فقدان ہے۔ خاص طور پر مغربی ممالک میں تو بے حیائی فیشن کے طور پر بد رہی ہے جس کے اثرات مشرقی ممالک پر بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ شاء ولی الشر فرشتے ہیں کہ جب ان کی فطری حیا سے بہرہ نکل جائے تو وہ انسانی یا بے غیرت ہو جاتا ہے اس میں جو بہرہ کمال باقی نہیں رہتا۔ ان چیزوں کا پتہ اس وقت پٹے گا۔ جب جزائے عمل کا وقت آئے گا۔ دنیا میں حکومتی سطح پر بے حیائی پھیلانی جا رہی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا میشر وقت عیاشی، کھاشی، عورتانی اور بے حیائی پر صرف ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے اخلاق خراب ہو رہے ہیں، دین، برباد ہو رہا ہے، نسلیں خراب ہو رہی ہیں، احوال بالکل ضائع ہو رہے ہیں اور اس طرح پوری انسانی سوسائٹی تنزل کی طرف جا رہی ہے۔

دیکھو جنتی عورتوں کی اشتر نے تعریف بیان کی ہے کہ ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، موجودہ نام نہاد ترقی پسند معاشرے کی طرح مرد و زن کا کھلے عالم میں جملہ مصلحتی اور جنسی مذاق نہیں ہو گا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ڈرامے نہیں ہوں گے، فلمیں نہیں بنیں گی بلکہ ہر جنتی مرد اور جنت کی ہر عورت باسیا اور باصمت ہوں گی، وہ کسی دوسری طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے، بہر حال الشر نے جنت کی عورتوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، اور ساتھ وہی جملہ پھر دہرایا ہے فَبَايَ اَكْثَرُ دِيْكُمَا تَكْذِبُنِ تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹکو ڈالے

كَانَ النَّاسُ عَلَى الْقَوْتِ وَالْمَرْجَانِ وَهُوَ عَذَابٌ مُرِيدٌ لِّمَن كَانَ يَكْفُرُ
فِي آيَاتِ الْآلِ وَرَبِّكُمْ فَكُذِّبُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ
کرمیلاؤ گے۔

یہی کا بدلہ
نیکی

فرمایا یاد رکھو! ہرگز جزاءِ الإحسانِ إلا الإحسان نہیں ہے
بدلہ احسان کا اگر احسان ہی۔ یعنی نیکی کا بدلہ نیکی کی صورت میں ہی ملے گا۔ اگر
دنیا میں نیک رفتی کے ساتھ اچھے اعمال انجام دیے ہیں تو ان کی جزا بھی ہر
گن۔ سورۃ النمر مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَدْ نَعْلَمُ نَفْسٌ
مَّا أَكْرَهَتْ لَهَا مِنْ قَوْلٍ أَعْيَيْنَ جَزَاءُ كَمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔
آیت ۱۱۱ اگر کوئی نفس نہیں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی آنکھوں کی کسی
عیندگ چھپا رکھی ہے۔ یہ اُن کے اعمال ہی کا بدلہ ہوگا۔ جو وہ دنیا میں انجام دیتے
تھے۔ اللہ نے اُن کی خوشی اور راحت کے لیے بیشمار نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جن
کا علم وہیں مل کر ہوگا، اس دنیا میں اُن کا اور گ نہیں کیا جاسکتا۔ فرمایا جب کوئی
الْآلِ وَرَبِّكُمْ فَكُذِّبُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو
عجبلاؤ گے۔

قال فاخطبكم
رِسْرِسْ شَمْ

الرَّحْمَنُ ۵۵
آیت ۶۲ تا ۸۱

وَمِنْ دُونِهِمَا جَمِئِينَ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝
مُدَّهَامًا ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝
فِيهِمَا عَيْنَانِ تَصَاحَتَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبِينَ ۝ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ فِيْهُنَّ خَيْرٌ
حَسَنٌ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ حُورٌ
مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبِينَ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِيَّاسُ قَبْلَهُنَّ وَلَاجَانٌ ۝
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ مُتَكِيْنَ عَلَى
رَفْرَفٍ خُضِرٍ وَعَبَقَرِيٍّ حَسِينِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ
وَالْإِكْرَامِ ۝

ترجمہ: اور یہی دونوں کے علاوہ دو بلند اور
ہیں ۵۵ پس تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت
کو بھٹو گے ۵۶ وہ دونوں ایک گہرے سرسبز ہیں ۵۷
پس تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو
بھٹو گے ۵۸ اُن میں دو چشمے ہیں نہلتے ہوئے ۵۹

پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے (۵۷) ان دونوں میں پہل ہیں اور کھجوریں اور انار (۵۸) پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے (۵۹) اُن میں عذبتیں ہیں اچھی اور خوبصورت (۶۰) پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے (۶۱) وہ خمر سے رنگ کی ہیں روکی ہوئی خیموں کے اندر (۶۲) پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے (۶۳) نہیں چھو اُن کو کسی انسانی نے اس سے پہلے اور نہ کسی جی نے (۶۴) پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے (۶۵) وہ لوگ نیچے لگا کر بیٹھے ہوتے ہوں گے سبز رنگ کے صندوق پر اور نہایت نفیس قالینوں پر (۶۶) پس تم دونوں اپنے پھدگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے (۶۷) بڑی برکت والا ہے نام تیرے چڑھنے کا جو بزرگی اور عظمت والا ہے (۶۸)

ربط آیت

سورۃ کا ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے مادی اور روحانی نعمتوں کا ذکر کیا، پھر منکزیب کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی اور توحید کے دلائل بیان کیے۔ پھر قیامت کے محاسب اور جزائے عمل کا ذکر فرمایا اور اسی سلسلے میں بحرہوں اور تفرقوں کا انجام بھی بیان کیا۔ اس کے بعد اللہ نے انسانوں اور جنوں دونوں گروہوں کے اہل ایمان کا درجہوں میں ذکر فرمایا۔ پہلے صحابہ میں فرمایا وَلَیْسَ بَشَافٌ۔ پھر جو شخص اپنے پھدگار کے سامنے کھڑا ہونے سے دنیا میں ڈر گیا اور ایمان اور تقویٰ کے راستہ پر چل نکلا، فرمایا اُن کے لیے دو بہشت ہیں۔ میں نے کل عرض

مطابق ہوگی۔ جبھی ابن باغات کہہ کر ٹہے سرور ہوں گے۔ فرمایا جہائی انکو
ربہ کھا کھا کھا بنی پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اگلے
 ان باغات کے لوازمات سے متعلق فرمایا وہیہما ہین کھنا کھنا۔
 ان باغات میں دو جگہ ہونے چھٹے ہوں گے۔ وہاں پانی کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔
 بلکہ پانی ہر وقت جاری و ساری ہوگا۔ جہائی انکو ربہ کھا کھا بنی پس تم
 اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا غریب کرو گے۔ اس کے علاوہ وہیہما
فاریہما و وہیہما و وہیہما باغوں میں پھل، کھجوریں اور آندہ ہوں گے جنت
 کے پھلوں کو دنیا کے پھلوں کے ساتھ محض تشبیہ دی گئی ہے دیگر جنت کے
 سرور جات بے مثال ہیں اور ہم ان کا تصور اس دنیا میں نہیں کر سکتے۔ ان کی
 رنگت، خوشبو اور ذائقہ بہترین قسم کا ہوگا۔

کھجور اور
آندہ کا شربت

اگر یہ کھجور اور آندہ اسی پھلوں میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کو پھلوں کے
 ذکر کے بعد بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ تاہم اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دونوں
 پھل خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ کھجور کا درخت بڑی لمبی عمر کا ہے اور ہر سال
 پھل دیتا ہے۔ بعض ممالک میں یہ فائدہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے درخت
 سے برداشت کرنے کے بعد کھجور کا پھل تین تین سال تک خراب نہیں ہوتا۔
 بلکہ قابل استعمال رہتا ہے۔ اس پھل میں شکر، حرارت اور توانائی بیک وقت
 پائے جاتے ہیں اس لیے یہ پھل نہ صرف تفریح کے کام آتا ہے بلکہ انسانی جسم
 کی نشوروں کے لیے بہترین غذا بھی ہے۔ اسی طرح آندہ بھی عجیب و غریب پھل
 ہے۔ اٹھرنے اس کے دانوں کو مضبوط غول میں بند کر کے محفوظ بنا دیا ہے۔ عام طور
 پر دانے کے لحاظ سے آندہ کی تین قسمیں ہیں یعنی ترش، میٹھوش اور شیریں۔ ترش آندہ سے
 چٹن اور اچار تیار کیا جاتا ہے۔ میٹھوش آندہ سفر آدمی سر بیٹوں کے لیے نہایت مفید ہے
 جب کہ شیریں آندہ تفریح طبع کے لیے عام استعمال ہوتا ہے۔ اس کے استعمال سے
 جسم میں صلح خون کافی مقدار میں پیدا ہوتا ہے جو کہ حیوانی صحت میں بڑا مفید ثابت
 ہوتا ہے۔ ان دونوں پھلوں کی ان خصوصیات کی بناء پر کھجور اور آندہ کو معروف عام

اور محاورے میں پھیل شمار نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ پھیلوں کا المطلق ابن دو کے علاوہ باقی پھیلوں پر ہوتا ہے۔

اسی بناء پر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ وہ میل نہیں کھائے گا اور پھر کھجور یا انار کھائے تو وہ شخص حائث نہیں ہوگا۔ اس کی مندرجہ ذیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سترہ کھانے کی قسم اٹھاتا ہے اور پھر وہ چڑیا کھا سکے لیکن وہ تو بھی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ عروبہ عام میں ستر کا اطلاق بیشتر، بجز چڑیا کے جیسٹس کے سر پر ہوتا ہے۔ چڑیا کے سر پر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص فرش پر نہ سونے کی قسم اٹھاتا ہے اور پھر وہ زمین پر سو جائے تو بھی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ عروبہ عام میں فرش سے مراد بستر ہوتا ہے۔ حالانکہ اکثر ائمہ نے زمین کو بھی فرش کہا ہے۔

بعض مفسرین کلمہ اور آثار کے پھلوں کے بطور خصوصی تذکرہ کی ایک اور ترجمہ بھی بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ ذکر تخصیص بعد التعمیم ہے۔ یعنی عام چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد ان کو ان کی خاص کیفیت اور فوائد کی وجہ سے علیحدہ بھی ذکر کر دیا ہے اس کی مثال ترمذی شریعت کی روایت میں ملتی ہے۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام یُحِبُّ الْحُلُوَاءَ وَالْعَسَلَ میں حضور علیہ السلام علوہ اور شہد پسند فرماتے تھے۔ علوہ تو سرسبز میوہ کہنا چاہیے اور عربی زبان میں تمام شگایاں علوہ ہی کہلاتی ہیں۔ ترشہ بھی اگرچہ علوہ میں داخل ہے مگر تخصیص کے لیے اس کا علیحدہ ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ الشرنہ شہد میں دوسری میٹھی چیزوں کی نسبت خصوصیت رکھی ہے۔ جیسے فرمایا يُحِبُّ شَهْدًا لَّنَا فِي داخل۔ ۱۶۶ اس میں لوگوں کے لیے الشرنہ شگایاں بھی رکھی ہے۔ اسی طرح پھلوں کے ذکر کے ساتھ کلمہ اور آثار کا ذکر اس کی خصوصیت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ ان تمام ہادی چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد الشرنہ پھر وہی بات دہرائی ہے فَبَدَأَ الْأَكْثَرُ رَبِّكَ كَمَا كَذَّبْنِي اے جنوں اور منافقوں! تم دونوں گروہ اپنے پورے دلوں کی کس کس نعمت کو جھٹکوؤ گے؟

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے آخرت میں باغات جیسی بہترین دہانچ
اور دہانچ پر حاصل ہونے والی خورد و نوش کی بہترین اور بالفاظِ ہیزوں کا ذکر کرنے
کے بعد ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ انسان باطنِ مٹی ہے یعنی وہ اہلِ جہنم
کہنے کو پسند کرتا ہے اور اس اجتماعیت کی سبب اہم صورتِ مہیاں پر ہی کا اجتماع
ہے۔ فطری طور پر مرد و عورت کی اور عورت مرد کی ضرورت محسوس کرتی ہے کہ زندگی
میں خوشگوار کی یہ بہترین صورت ہے۔ مستند حکام کی روایت میں حضور علیہ السلام
کافرانِ مبارک ہے کہ دنیاوی لحاظ سے انسان کی سعادت یہ ہے کہ اُسے اچھا
مکان، اچھی سواری اور اچھی بیوی ملے۔ اہلِ اشدیاد کی خواہش انسان کے
یہ اگلے جہان میں بھی پسند قائم رہے گی۔ اسی خواہش کی تکمیل کے لئے اللہ نے فرمایا
ہے فِيهَا نِسَاءٌ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ جن باغات کا ذکر کیا جا رہا ہے ان میں اچھی
اور خوبصورت عورتیں بھی ہوں گی۔ اس نعمت پر بھی اللہ نے یاد دلایا ہے فِيهَا
اَزْوَاجٌ مِّمَّا كُنْتُمْ تُحِبُّونَ تم دونوں اپنے پسند و کار کا کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
پھر آگے اُن عورتوں کی تعریف میں کہ ہے حُورٌ مَّقْصُودَاتٌ فِي الْجَنَّةِ
وہ ایسی گوری بہن خوبصورت عورتیں ہوں گی جو عورتوں میں دہانچ ہوں گی۔ ان کی
خوبصورتی کے علاوہ اُن میں یہ خصوصیت بھی ہے کہ اپنے اپنے عورتوں کے اندر کائنات
پہنچیں۔ وہ باہر رکتی ہیں اور نہ کسی غیر مرد پر اُن کی نظر پڑے ہے فِيَا اَيُّ اَزْوَاجٍ
تَبْتَغِيْنَ تم دونوں اپنے پسند و کار کا کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
آگے مزید وضاحت فرمادی کہ وہ ایسی باعصمت اور بایا عورتیں ہیں کہ لَا يَغْتَابُ
بَعْضُهُمْ اَبْصَارًا وہ کبھی کبھی اُس سے پہلے اُن کو کسی انسان یا عورت نے
بغیر ہمت نہیں لگایا۔ اتنی پاکیزہ عورتیں اہلِ جنت کہیں گی۔ فِيَا اَيُّ اَزْوَاجٍ
تَبْتَغِيْنَ تم دونوں اپنے پسند و کار کا کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
کہنے کے باعصمت اور بایا عورت کے حق میں کمال ہے۔ اور یہی چیزیں مرد کے لیے
بھی ضروری ہیں۔ سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو عیاداری کی
تعلیمیں دی ہیں کہ وہ فرمایا ہے کہ دونوں اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی عصمت کی جگہ

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جنت میں دو قسم کی عورتیں ہوں گی ایک تو یہ عورتیں ہوں گی جن کا ذکر یہ آیات میں ہوا ہے۔ یہ نہایت ہی پاکیزہ اور با محبت ہوں گی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو مثنیٰ مردوں کے لیے جنت میں پیدا فرمائے گا۔ ان کے علاوہ اس دنیا کی اہل ایمان اور نیکو کار عورتیں بھی جنت میں ہوں گی جو مردوں کے بھی زیادہ حسین و جمیل ہوں گی۔ طبرانی شریف کی روایت میں حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضور طہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتیں کو نہ عسکران جیسے پاکیزہ اور خوشبو دار ٹھنڈے سے پیدا کیا ہے۔ اور مفسر قرآن حضرت زید بن اسلمؓ آجس فرماتے ہیں کہ خَلَقْنَاهُنَّ مِنْ طِينٍ قَدِيدٍ وَ زَعْفَرَانٍ اللہ نے جنتی عورتوں کو کستوری، آکاؤر اور زعفران کے ٹھنڈے سے پیدا کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں کو جنت ہی میں پیدا کرے گا یعنی یہ وہی کی مخلوق ہوں گی اور نہایت پاکیزہ، خوبصورت اور با خلق مخلوق ہوں گی۔

اس کے بعد اللہ نے جنت دالوں کے آرام و آسائش کا ذکر فرمایا ہے۔

مَشْرِقِينَ عَلَى رَهْرِهِ حُفْرٍ وہ بہتر جگہ کے مندوں پر کھدے گھر بنائے ہوئے ہوں گے۔ رفرق کا معنی فرش بھی ہوا ہے اور کچھ معنی۔ اور ساتھ فرمایا وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ اور نہایت نفیس قالینوں پر جو بھر کمال درجے کی چیز کو کہتے ہیں جس کی مثال موجود نہ ہو۔ آہم جعفر کا اطلاق خود انسان پر بھی ہوا ہے عرب میں ہر اچھی اور نفیس چیز کو جعفر کہا جاتا ہے۔ کوئی خوبصورت نقش و نگار والا قالین یا فرش ہو تو اس کو جعفر ہی کہتے ہیں۔ دراصل عربوں میں مشہور تھا کہ جعفر نبات کا بنایا ہوا نہایت خوبصورت شجر ہے اس لیے وہ ہر اچھی چیز کو جعفر کہہ دیتے تھے۔ ہر حال فرمایا کہ اہل جنت نہایت عمدہ قسم کے قالینوں پر گاؤں کیے لگا کر آرام کریں گے۔ پھر کہے کہ وہی جدا انیسویں بار دہرایا ہے۔

يَتَنَبَّهْنَ عَلَيْهِمْ كَمَا تَنَبَّهَ بَنِي لَؤُؤَ اور ان لوگوں! اللہ نے تمہیں اتنی بے مثال نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو غلام اب تم اس کی کس کس نعمت کو جھٹکو گے! اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو خدا سے باہر ہیں، تم ان میں سے کس کس کا انکار کر گے؟ مطلب

یہ ہے کہ تم خواہش کے باوجود انکار کر ہی نہیں سکتے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مذکورہ قسموں سے کچھ قوی المواقفہ نعمتیں ہیں اور بعض سزا کی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان چیزوں کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کا اسم ہے تاکہ لوگ غفلت سے بچ جائیں اور آخرت کے عذاب سے خلاص حاصل کر لیں۔

عظمتِ جہول
کبر وانی

سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمتِ جلال کا ذکر کیا ہے جس نے انہوں کو ان ہمیشہ قیمت نعمتوں سے نوازنا شروع فرما دیا ہے تاکہ انہیں نہ اس قدر غفلت آجائے جتنی اب تک ہے تیرے پروردگار کا نام۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر اسم سے مراد صفت ہے، یعنی تیرے رب کی صفات بڑی بابرکت ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر لفظ اسم زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تیرا پروردگار بڑی بابرکت ہے جس نے انہوں کو ایسے مذکورہ نعمتیں پیدا کی ہیں۔ تاہم اسم ہی درست ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسمائے پاک ہیں اور انہوں میں سے جس اسم کے ساتھ بھی تم یاد کیا جاوے وہ راضی ہوتا ہے۔

فرمایا بڑی بابرکت والا ہے تیرے رب کا نام **ذی الجلال والإکرام**۔ لہذا جو بڑی ہندگی اور عظمت والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے الفاظ ہیں۔ لہذا اس کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کرنا چاہیے، یہ حضور علیہ السلام نے نماز کے بعد یہ دعا پڑھنے کی ترغیب دلائی ہے **اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّكَنُ وَوَسْنُكَ السَّكَنُ**۔ **سَبِّحْكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ** لے اللہ! تو سلام ہے یعنی تیرا اسم پاک اور تیری صفت سلام ہے، اللہ تجھ ہی سے سلامتی ہے۔ اگر بڑی ہی بابرکت والا ہے اسے بزرگی اور عظمت ملے پروردگار۔ حضور علیہ السلام نماز کے خاتمہ پر کہہ قدم کے حالت میں بیٹھے بیٹھے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ **اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ** وغیرہ کثیر اللہ ہی کہتے تھے۔ اور باقی دعائیں رُشا پیر کر پڑھتے تھے۔ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ** —